

مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي

شِفَاءُ السَّقَمِ

زِيَارَةُ خَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ

إِذَا لَدِينُ يَغْضُورُ أَصْوَاتُهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا فُؤَادَهُمْ لِلنَّبِيِّ
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ

الشيخ الإمام الفقيه المحدث تقي الدين السبكي الشافعي رحمه الله

نُورِيَّةُ رِضْوِيَّةُ بِنَايِ كِشْنَز

مترجم: علامہ محمد ظہور اللہ ازہری

مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي

سَعَاءُ السَّفْحَاءِ

فِي

زِيَارَةِ حَجَرِ الْأَعْلَامِ

لِلشَّيْخِ الْإِمَامِ الْفَقِيهِ الْمُحَرِّقِ تَقَى الدَّرِينِ أَبِي سَبْكِي السَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ

مترجم

علامہ محمد ظہور اللہ الازہری

لیکچرر دی منہاج یونیورسٹی لاہور



۱۱۔ گل بخش روڈ لاہور
042-7313885

نورین رضویہ پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	شفاء السقام فی زیارت خیر الانام اردو عربی
مصنف	امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	علامہ محمد ظہور اللہ الازہری
صفحات	۵۶۰
با اہتمام	سید شجاعت رسول شاہ قادری
بار اول	رجب المرجب ۱۴۲۵ھ، ستمبر ۲۰۰۴ء
ناشر	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1N-92
قیمت	

ملنے کے پتے

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11 گنج بخش روڈ، لاہور فون: 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ

گلبرگ اے فیصل آباد فون: 626046

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
۱۷	پہلا باب: زیارت کے بارے میں مذکور احادیث مبارکہ کا بیان.....
۱۸	پہلی حدیث، حدیث کی سند کا بیان.....
۲۱	سند پر تبصرہ.....
۲۱	حدیث کی ایک اور سند کا بیان.....
۲۲	حدیث کی تیسری سند.....
۲۳	سند پر تبصرہ۔۔۔ کیا راوی عبداللہ ہیں یا عبید اللہ؟.....
۲۵	ضعیف حدیث کی اقسام.....
۲۵	پہلی قسم، دوسری قسم.....
۲۷	نتیجہ بحث، متن حدیث کی وضاحت.....
۲۸	لفظ ”لہ“ کا مفہوم، خلاصہ بحث، لفظ ”شفاعتی“ کا مفہوم.....
۲۹	دوسری حدیث.....
۳۱	تیسری حدیث.....
۳۲	سند کا بیان.....

صفحہ نمبر	مضامین
۳۶	چوتھی حدیث، سند کا بیان
۳۷	حدیث کی دوسری سند کا بیان
۳۷	حدیث کی تیسری سند کا بیان
۳۸	سند پر تبصرہ
۳۸	چوتھی سند کا بیان
۳۹	سند پر تبصرہ
۴۱	پانچویں حدیث
۴۱	سند کا بیان
۴۲	حدیث پر تبصرہ
۴۳	مدینہ منورہ کی فضیلت پر حدیث
۴۳	چھٹی حدیث
۴۴	سند کا بیان
۴۶	ساتویں حدیث
۴۶	سند کا بیان
۴۷	شحامی کی روایت
۴۷	رجال سند پر تبصرہ
۴۸	آٹھویں حدیث
۴۸	حدیث کی سند کا بیان
۴۸	حدیث کی ایک اور سند کا بیان

صفحہ نمبر	مضامین
۴۹	نویں حدیث
۵۰	سند کا بیان، سند پر تبصرہ
۵۱	دسویں حدیث
۵۱	سند کا بیان
۵۲	سند پر تبصرہ
۵۳	گیارہویں حدیث
۵۳	سند کا بیان
۵۴	امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان
۵۴	سند پر تبصرہ
۵۵	بارہویں حدیث
۵۶	تیرہویں حدیث
۵۶	سند کا بیان
۵۶	حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان
۵۷	سند پر تبصرہ
۵۷	چودھویں حدیث
۵۷	حدیث کی سند کا بیان
۵۹	پندرہویں حدیث
۵۹	حدیث کی سند کا بیان

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

دوسرا باب: ان احادیث کا بیان جن میں لفظ زیارت نہیں

- ۶۱ لیکن وہ زیارت کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں.....
- ۶۲ حدیث کی سند کا بیان.....
- ۶۳ سند پر تبصرہ.....
- ۶۳ حمید بن زیاد کے بارے میں آراء.....
- ۶۳ حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے کی صورتیں.....
- ۶۵ سلام کی دوسری قسم.....
- فصل: جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجتا ہے آپ ﷺ کو
- ۶۷ اس کا علم ہو جاتا ہے.....
- ۶۹ سیدنا عبداللہ ابن عباس کا قول.....
- ۷۰ جمعہ کے دن صلاۃ و سلام کی اہمیت.....
- ۷۰ حدیث کی سند.....
- ۷۳ ایک غلط فہمی کا ازالہ.....
- ۷۳ الحدیث الثانی.....
- ۷۵ سلیمان بن حمیم کا خواب.....
- ۷۶ ابراہیم بن بشار کا واقعہ.....
- ۷۶ ”رد اللہ روجی“ کا معنی.....

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

تیسرا باب: حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کرنا

- اور اس بارے میں وارد ہونے والی احادیث مبارکہ کا بیان ۷۷
- ابن عساکر کی سند کا بیان ۷۸
- واقعہ سے استدلال ۸۲
- ایک بدوی کا ایمان افروز واقعہ ۸۶
- ترجمہ اشعار ۸۹

باب چہارم: علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں کہ رسول اکرم ﷺ

- کی قبر مبارک کی زیارت مستحب ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے ... ۹۱
- قبر مبارک کی زیارت کے بارے میں علمائے کرام کے اقوال ۹۲
- امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کا خلاصہ ۱۰۰
- ازالہ اشکال ۱۰۷

پانچواں باب: زیارت قبر النبی ثواب کا کام ہے

- کتاب اللہ سے ثبوت ۱۱۰
- سنت مبارکہ سے دلائل ۱۱۲
- اجماع امت سے دلائل ۱۱۳
- زیارت قبور کے منکرین کے اقوال ۱۱۳
- حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کا مستحب ہونا ۱۱۴
- عورتوں کے لیے زیارت قبور کا حکم ۱۱۴

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۱۱۵	زیارت قبور کے جواز کے دلائل
۱۱۶	قبر انور کی حاضری کے مستحب ہونے کا قیاس سے جواز
۱۱۶	اشکال، جواب
۱۱۷	اعتراض، جواب
۱۱۷	زیارت قبور کی اقسام
۱۱۷	پہلی قسم
۱۱۸	دوسری قسم، تیسری قسم، چوتھی قسم
۱۲۱	امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف
۱۲۲	امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف
۱۲۹	قبر نبی ﷺ کی زیارت کی نذر ماننے کا حکم
۱۳۰	غیر نبی کی زیارت قبر کی نذر ماننے کا حکم
۱۳۰	نذر کے وجوب کی شرط
۱۳۵	<u>چھٹا باب</u> : زیارت بارگاہ نبوی ﷺ کے لیے سفر قربت ہے
۱۳۶	بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری کا کتاب اللہ سے ثبوت
۱۳۶	دوسری دلیل۔۔۔۔۔ زیارت کے تقرب ہونے کا سنت سے ثبوت
۱۳۷	بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری کی تیسری دلیل
۱۳۸	چوتھی دلیل۔۔۔۔۔ اجماع امت سے ثبوت
۱۳۹	پانچویں دلیل۔۔۔۔۔ قربت کا وسیلہ بھی قربت ہوتا ہے
۱۳۳	عبادات کی اقسام

صفحہ نمبر	مضامین
۱۳۳	ازالہ اشکال
۱۳۵	اعتراض کا جواب
۱۳۶	اشکال، جواب
۱۳۷	ازالہ اشکال، وسیلہ کی وضاحت
۱۵۳	<u>ساتواں باب:</u> مخالف کے شبہات کا رد
۱۵۳	فصل اول: شبہات کا بیان
۱۵۳	پہلا شبہ..... حدیث کے معنی کی تعیین میں غلطی
۱۵۶	سفر کی ممانعت کے اسباب
۱۵۷	مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر کی شرعی حیثیت
۱۵۸	اعتراض
۱۵۹	جواب
۱۶۰	اعتراض، جواب
۱۶۲	پہلا فتویٰ
۱۶۳	دوسرا فتویٰ، تیسرا فتویٰ
۱۶۵	زیارت کی اقسام
۱۶۶	۱۔ سلام اور دعا کیلئے زیارت
۱۶۶	حصول برکت اور صاحب قبر کے لیے دعا کے لیے زیارت
۱۶۷	شرک والی زیارت
۱۶۷	زیارت کے بارے میں شبہ ثانیہ

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۱۶۷	شبہ کا رد.....
۱۷۱	مکروہ افعال کی وجہ سے حاضری کی ممانعت.....
۱۷۲	زیارت کے بارے میں شبہ ثالثہ.....
۱۷۵	دوسری فصل: ابن تیمیہ کے فتاویٰ کی تلاش.....
۱۷۵	سوال، جواب.....
۱۸۱	ابن تیمیہ کے موقف کا رد.....
۱۸۱	پہلا اعتراض.....
۱۸۲	دوسرا اعتراض، تیسرا اعتراض.....
۱۸۳	ابن تیمیہ کا رد.....

آٹھواں باب: حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا اور آپ ﷺ سے

۱۹۹	مدد حاصل کرنا اور آپ ﷺ کی شفاعت چاہنا.....
۲۰۱	توسل کی اقسام.....
۲۰۱	پہلی قسم.....
۲۰۲	ابن تیمیہ کی لاعلمی.....
۲۰۳	ازالہ اشکال.....
۲۰۳	حدیث غار سے استدلال.....
۲۰۵	سیدہ عائشہ صدیقہ کا حق کا واسطہ دینا.....
۲۰۵	حق النبی ﷺ کا واسطہ دینے کا جواز.....
۲۰۶	توسل کی دوسری حالت.....

صفحہ نمبر	مضامین
۲۰۷	اعتراض، جواب.....
۲۰۸	توسل کی تیسری حالت.....
۲۰۹	توسل کی دوسری قسم.....
۲۱۰	حضور نبی اکرم ﷺ کا شفاعت فرمانا.....
۲۱۳	حضور نبی اکرم ﷺ کے قرابت داروں سے توسل.....
۲۱۶	اعتراض.....
۲۱۷	جواب.....
۲۱۷	شفاعت کی دوسری حالت.....
۲۱۷	شفاعت کی تیسری حالت.....
۲۱۸	روایت کا مفہوم، توسل کی تیسری قسم.....
۲۲۰	استغاثہ کا معنی و مفہوم.....
۲۲۳	<u>نواں باب: انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اخروی زندگی کا بیان</u>
۲۲۳	پہلی فصل: انبیائے کرام علیہم السلام کی اخروی زندگی کا احادیث سے ثبوت ...
۲۲۳	حدیث کی سند کا بیان.....
۲۲۵	سند پر تبصرہ.....
۲۲۵	امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان.....
۲۲۵	دوسری حدیث.....
۲۲۶	انبیائے کرام علیہم السلام کا قبور میں نماز پڑھنا.....
۲۲۹	سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول.....

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۲۲۹ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حدیث سے استدلال

۲۳۰ اشکال کا ازالہ

۲۳۲ اعتراض

۲۳۳ جواب

۲۳۳ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات برزخی پر اعتراض

۲۳۲ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب

۲۳۲ انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال کے مشاہدہ پر اعتراضات

۲۳۸ لفظ شہید کی تحقیق

۲۳۸ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات اخروی کی کیفیات

۲۳۹ اشکال، اشکال کا ازالہ

۲۴۰ دوسری فصل: شہداء کی زندگی کا بیان

۲۴۰ حیات شہداء کی قرآن کریم سے دلیل

۲۴۱ حیات شہداء پر احادیث مبارکہ سے دلائل

۲۴۳ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا چشم دید واقعہ

۲۴۴ حدیث پر اعتراض

۲۴۵ جواب

تیسری فصل: تمام مردوں کے سننے، بات کرنے، محسوس کرنے،

۲۴۵ زندہ ہونے اور روح کے جسم میں واپس آنے کا بیان

۲۵۱ حدیث کا مفہوم، اہل سنت کا اجماع

صفحہ نمبر	مضامین
۲۵۱	امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے
۲۵۲	عذاب قبر کے بارے میں معتزلہ کی رائے
۲۵۲	لمحدین کی رائے، عقائد فاسدہ کا رد
۲۵۳	کیا قیامت کی زندگی کے بعد موت پھر طاری ہوگی؟
۲۵۴	جانوروں کا عذاب قبر سننا
۲۵۴	”من بعثنا من مرقدنا“ کی تفسیر
۲۵۶	چوتھی فصل: حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کی کیفیت کا بیان
۲۵۶	شہداء اور غیر شہداء کی حیات میں فرق
۲۵۷	صحابہ کرام کا ادب بارگاہ نبوی بعد از وصال نبی ﷺ
۲۵۸	سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ادب بارگاہ نبوی
۲۵۹	ملائکہ اور ادب بارگاہ نبوی ﷺ
۲۵۹	بارگاہ نبوی کی بے ادبی پر قرآن کی وعید
۲۶۰	پانچویں فصل:
۲۶۱	روح کی حقیقت
۲۶۲	امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا روح کے بارے میں نظریہ
۲۶۳	اطباء کے نزدیک روح کی اقسام
۲۶۵	<u>دسواں باب: حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا بیان</u>
۲۶۶	شفاعت کی اقسام
۲۶۶	پہلی قسم: میدان حشر میں حساب شروع کرنے کے لیے شفاعت

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۲۶۷	دوسری قسم: بغیر حساب جنت میں دخول کی شفاعت
۲۶۸	تیسری قسم: مستحقین جہنم کیلئے شفاعت
۲۶۹	چوتھی قسم: جہنم میں داخل ہونے والوں کیلئے شفاعت
۲۷۰	پانچویں قسم: اہل جنت کی بلندی درجات کیلئے شفاعت
۲۷۵	روز حشر حضور نبی اکرم ﷺ کی فضیلت
	فصل اول: قیامت میں انبیائے کرام علیہم السلام سے
۲۸۳	شفاعت چاہنا تو تسل کی قوی دلیل ہے
	فصل دوم: حشر میں حضور نبی اکرم ﷺ سے سب سے بعد میں
۲۸۳	شفاعت کی درخواست کرنے کی حکمت
۲۸۵	فصل سوم: انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت کا بیان
۲۸۶	فصل چہارم: حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا تفصیلی بیان
۲۸۹	فصل پنجم: حضور نبی اکرم ﷺ کا چوتھی بار شفاعت کرنا
۲۹۰	کیا صرف ایمان شفاعت کا مستحق بنا دیتا ہے؟
۲۹۰	فصل ششم: سلف صالحین کا شفاعت کے لیے دعائیں کرنا
۲۹۱	فصل ہفتم: مقام محمود کا بیان
۲۹۲	فصل ہشتم: حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص
۲۹۳	خاتمہ
۳۰۱	قیامت کے دن مقرب مقام کے سوال کی فضیلت



وہی (اللہ) میرے لئے کافی ہے اور بہترین وکیل ہے۔ تمام حمد و ثنا مخصوص ہیں اس ذات باری تعالیٰ کے لئے جس نے اپنے رسول اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کی صورت میں ہم پر احسان فرمایا اور انہی کے ذریعے ہماری سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرمائی اور ہمیں ان کی عزت و تکریم کرنے کا حکم فرمایا اور ہر مومن پر فرض کیا کہ وہ آپ ﷺ کو اپنی ذات اپنے والدین اور دوستوں سے زیادہ محبوب رکھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع کو اپنی محبت اور خوشنودی کا سبب قرار دیا اور آپ ﷺ کی اطاعت کو شیطان کے مکر اور گمراہی سے حفاظت کا ذریعہ بنایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے ذکر مبارک کو اس طرح رفعت و بلندی عطا فرمائی اور آپ کی اس طرح قرآن مجید میں تعریف کی کہ آپ ﷺ کو تمام تعریفوں سے مستغنی کر دیا جب تک (اس کائنات سماوی میں) ستارے جگمگاتے رہیں اس وقت تک آپ ﷺ پر درود و سلام (کی رحمتوں کی بارشیں) ہوتی رہیں۔

میں نے اس کتاب کا نام ”شفاء السقام فی زیارة خیر الانام“ (مخلوقات میں سے بہترین ہستی (حضور نبی اکرم ﷺ) کی زیارت قلبی امراض سے شفا یابی کا باعث ہے) رکھا۔ اور اس کے دس ابواب بنائے۔

پہلا باب: ان احادیث مبارکہ کے بارے میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ سے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

دوسرا باب: ان احادیث مبارکہ کے بیان میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ پر دلالت کرتی ہیں مگر ان احادیث مبارکہ میں لفظ زیارت مذکور نہیں ہے۔

تیسرا باب: ان احادیث مبارکہ کے بارے میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ کیلئے سفر کے متعلق ہیں۔

چوتھا باب: علمائے کرام کے ان اقوال کے بارے میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ کے مستحب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

پانچواں باب: اس بحث سے متعلق ہے کہ زیارت قبر رسول ﷺ باعث قربت ہے۔

چھٹا باب: اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ زیارت قبر رسول ﷺ کیلئے محض سفر کرنا بھی قربت کا سبب بنتا ہے۔

ساتواں باب: زیارت قبر رسول ﷺ کے مخالفین کے شبہات کا ازالہ اور ان کا رد بیان کرنا ہے

آٹھواں باب: توسل اور استغاثہ سے متعلق ہے۔

نواں باب: اس امر کو واضح کرتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

دسواں باب: شفاعت رسول ﷺ کے بارے میں ہے کیونکہ شفاعت کا تعلق بھی زیارت قبر رسول ﷺ سے ہے اس لئے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي“

میں نے اس کتاب کے ضمن میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے زیارت قبر رسول ﷺ سے متعلق تمام احادیث کو موضوع قرار دیتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کیلئے سفر سعادت کو بدعت اور ناجائز کہا ہے۔ یہ اس طرح کا فساد انگیز قول ہے کہ علمائے کرام کو اسکی تردید کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن میں نے اس کتاب کو مستحضر زیارت نبی ﷺ اور اس کے متعلقہ امور کے بارے میں لکھا ہے۔

پہلے میں نے اس کا نام ”شن الغارة علی من انکر سفر الزیارة“ پھر میں نے اس کا مذکورہ نام رکھا اور میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں
هو حسبی و نعم الوکیل۔

پہلا باب

زیارت کے بارے میں
مذکور احادیث مبارکہ کا بیان

پہلی حدیث

مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي

جس نے میری قبر مبارک کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

۱۔ دارقطنی، السنن، ۲: ۲۷۸

۲۔ حکیم ترمذی، نوادر الاصول، ۲: ۶۷

۳۔ بیہقی، امام، شعب الایمان، ۳: ۴۹۰، رقم: ۴۱۵۹، ۴۱۶۰

حدیث کی سند کا بیان

اس حدیث کی سند اس طرح ہے۔

أخبرنا الحافظ أبو محمد عبدالمؤمن بن خلف بن أبي الحسن بن شرف ابن الخضر بن موسى التونى الدمياطى رحمه الله تعالى بجميع سنن الدارقطنى سماعاً، قال انا الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل بن عبدالله الدمشقى انا ابو الفتح ناصر بن محمد بن ابى الفتح ابو برح القطان انا ابو الفتح اسماعيل بن الفضل بن الاخشيد السراج انا ابو طاهر محمد بن احمد بن محمد بن عبدالرحيم انا ابو الحسين على بن عمر بن احمد بن مهدى الحافظ الدارقطنى رحمه الله تعالى قال حدثنا القاضى المحاملى ثنا عبيد ابن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: " مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي "

اسی طرح یہ حدیث سنن دارقطنی کے متعدد نسخوں میں عبید اللہ سے مروی ہے ان نسخوں میں سے ایک نسخہ وہ ہے جو ان سے احمد بن محمد بن حارث اصفہانی نے لکھا ہے۔ اسی طرح دارقطنی نے سنن کے علاوہ بھی اس کو روایت کیا ہے اور دونوں میں یہ عبدالرحیم سے ہی مروی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

اسی طرح یہ روایت محمد بن عبدالملک بن بشران اور ابو النعمان تراب بن عبید کے طریق سے بھی مروی ہے۔ ابن بشران کی روایت اس طرح ہے۔

فاما رواية ابن بشران فاخبرنا بها عثمان ابن محمد في كتابه الى من مكة شرفها الله تعالى قال: اخبرنا الحافظ ابو الحسين يحيى بن علي القرشي بمصر و ابو اليمن بن عساكر بمكة بقراءتي عليهما ، قالا انا ابو البركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعي العدل و هو جد ابي اليمن بدمشق قال ابو الحسين بقراءتي عليه و قال ابو اليمن قراءتي عليه ، قال انا عمي ابو الحسين هبة الله بن الحسن بن هبة الله الفقيه الاصولي الحافظ انا ابو طاهر عبد الرحمن بن احمد بن عبد القادر بن محمد ابن يوسف انا ابو بكر محمد بن عبد الملك بن بشران انا ابو الحسن علي ابن عمر بن مهدي الدارقطني الحافظ ثنا القاضي المحاملي ثنا عبید اللہ بن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدی عن عبید اللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر ، قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي"

اسی طرح ابو الیمین ابن ابی الحسن بن الحسن نے اس کو "کتاب اتحاف الزائر و اطراق المقیم للسانر" میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کو حافظ ابو الحسن القرشی نے "کتاب الدلائل المبینة فی فضائل المدینة" میں ذکر کیا ہے۔

قالا انا ابو عبدالله محمد بن عماد بن محمد الحرانی قال ابن الصواف بقراءتي والدي عليه و انا اسمع سنة ثلاثين و ستمائة قال انا

ابو محمد عبدالله بن رفاعه بن غدیر السعدی الفرضی (ح) و کتب الی عثمان بن محمد من مکة شرفها الله تعالى انه قرأ علی الحافظ ابی الحسین یحیی بن علی القرشی فی تصنیفه المسمی ب" کتاب الدلائل المبینة فی مسائل المدينة " قال انا القاضی ابو محمد عبدالله بن محمد الشافعی بقراءتی علیه بمصر و ابو عبدالله محمد بن ابی المعالی الحرانی بالاسکندریة قالوا انا ابو محمد عبدالله ابن ابی الخیر الشافعی الفرضی انا القاضی ابوالحسن علی بن الحسن بن الحسین بن محمد الشافعی المعروف بالخلعی انا ابو النعمان تراب بن عمر ابن عبیدثنا ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی ثنا ابو عبدالله الحسین بن اسماعیل قال ثنا عبید بن محمد الوراق ثنا موسی بن هلال العبیدی عن عبیدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر ، قال قال رسول الله ﷺ: " مَنْ زَارَ قَبْرِی وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِی "

وہ روایت جنہوں نے خلعی کے واسطے سے روایت کیا ہے ان میں سے حافظ ابو القاسم ابن عساکر ہیں جنہوں نے اپنی تاریخ کی کتاب میں باب " ان من زار قبرہ ﷺ بعد وفاته کان کمن زار حضرته فی حال حیاته " میں ذکر کیا ہے۔

أخبرنا بذلك عبدالمؤمن بن خلف ع علی بن محمد وغيرهما مشافهة عن القاضی ابی نصر محمد بن هبة الله الشیرازی قال انا الحافظ ابو القاسم ابن عساکر قال انا خالی ابوالمعالی محمد بن یحیی القرشی القاضی بدمشق انا ابوالحسن علی بن الحسن الخلعی انا تراب بن عمر بن عبیدثنا ابو الحسن الدارقطنی ثنا ابو عبدالله الحسین بن اسماعیل ثنا عبید بن محمد الوراق ثنا موسی بن هلال العبیدی عن عبیدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر ، قال قال رسول الله ﷺ: " مَنْ زَارَ قَبْرِی وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِی "

سند پر تبصرہ:

۱۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مختلف روایات اس طریق سے جمع ہو گئی ہیں جن میں وہ محالی سے اور محالی عبید اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ اسی طرح امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی بعض دیگر نے محالی کے بغیر اس سند سے روایت کیا ہے۔ جس میں عبید بن محمد آتے ہیں اور اس میں عبید اللہ سے مذکور ہے۔
جیسے کہ:

عن عبید بن محمد انا بذلك عبد المؤمن بن خلف وغيره اذنا عن ابي نصر الشيرازي انا ابن عساكر انا ابوالقاسم الشحامى انا ابوبكر البيهقي انا ابو عبد الله الحافظ انا ابو الفضل محمد بن ابراهيم ثنا محمد بن زنجويه العشيري ثنا عبید بن محمد بن القاسم بن ابي مریم الوراق، و كان نيسابوري الاصل سكن بغداد ، ثنا موسى بن هلال العبدی عن عبید الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر، قال قال رسول الله ﷺ: " مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي "

حدیث کی ایک اور سند کا بیان:

ومنهم محمد بن اسماعيل بن سمرة الاحمسي واختلف عليه فروى عنه مصفرا كما رواه غيره أخبرنا بذلك عبد المؤمن وغيره اذنا عن ابي نصر انا علي بن الحسن الحافظ انا اسماعيل بن محمد بن الفضل الحافظ انا احمد بن علي بن خلف انا ابوالقاسم بن حبيب حدثنا ابوبكر احمد ابن نصر بن نصر بن بكار البخاري انا ابو عبد الرحمن عبد الله بن عبید الله ثنا محمد بن اسماعيل الاحمسي عن موسى بن هلال عن عبید الله و روى عنه مكبراً انا بذلك اسيان بن محفوظ بن محمود بن هلال بقراء تي عليه سنة ست و سبعمائة انا ابو سعيد

قايماز بن عبدالله المعظمي انا الحافظ ابو طاهر احمد بن محمد
السلفي انا ابو سعيد احمد بن الحسن بن احمد بن علي بن الخطيب
الخانساري انا ابوبكر احمد بن الفضل بن محمد المقرئ امام
الجامع باصبهان ثنا ابوبكر محمد بن الحسن بن يوسف بن يعقوب
الامام ثنا عبيدالله بن محمد بن عبدالكريم الرازي ثنا محمد بن
اسماعيل بن سمرة الأحمسي ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبدالله
بن عمر "هكذا نقلته من خط الحافظ ابي محمد عبدالعظيم المنذرى
رحمه الله تعالى".

حديث کی تیسری سند:

وهكذا قاله ابو احمد بن عدى في كتاب الكامل كما انبأنا
عبدالمؤمن و آخرون عن ابي الحسن بن المقير عن ابي الكرم بن
الشهرزورى انا الماعيل بن مسعدة الاسماعيلي (ح) و انا عبدالمؤمن
وغيره أيضا عن ابن محيل انا علي بن الحسن الدمشقي انا ابوالقاسم
الشحامي انا ابوبكر البيهقي انا ابو سعيد الماليني (ح) قال الدمشقي
و انا ابوالقاسم ابن السمرقند انا اسماعيل بن مسعدة انا حمزة بن
يوسف قالا انا ابو احمد بن عدى الحافظ حدثنا محمد بن موسى
الحلواني (ح) قال الدمشقي واخبرنا علي بن ابراهيم الخطيب انا
رشا بن نظيف انا الحسن بن اسماعيل ثنا احمد بن مروان ثنا محمد
بن عبدالعزيز الدينوري قالا ثنا محمد بن اسماعيل ابن سمرة ثنا
موسى بن هلال ثنا عبدالله بن عمر ، و كذلك كتب الى عثمان بن مد
من مكة شرفها الله تعالى انه قرأ على الحافظ يحيى بن علي انا الحافظ
علي بن المفضل قراءة عليه غير مرة و القاضي ابوالقاسم حمزة ابن
علي بن عثمان المخزومي قالا انا الحافظ ابو طاهر السلفي (ح) و

أبانا جماعة عن جماعة عنه انا ابو ابراهيم الخليل بن عبد الجبار انا
سليم بن ايوب انا احمد بن عبدالله المصل بالري انا عبدالرحمن بن ابي
حاتم الرازي ثنا محمد بن اسماعيل الاحمسي ثنا موسى بن هلال عن
عبدالله بن عمر

سند پر تبصرہ..... کیا راوی عبداللہ ہیں یا عبید اللہ؟

۱۔ حافظ یحییٰ بن علی القرشی نے اس روایت کو کمزور قرار دیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ درست
یہی ہے کہ روایت میں عبید اللہ ہے۔

۲۔ اور میں نے تاریخ ابن عساکر میں دیکھا ہے جو ابی عبداللہ البرزالی المحفوظ کے خط کے
ساتھ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ یہ عبید اللہ ہی ہے۔

۳۔ ابو احمد بن عدی نے کتاب الکامل میں کہا ہے کہ یہ عبداللہ اصح ہے۔

۴۔ اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ محل نظر ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہ راوی عبید اللہ ہیں۔
عبید بن محمد، ابن سمرۃ اور مسلمۃ الجعفی کی روایات کی وجہ سے۔

۵۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حدیث عبید اللہ اور عبداللہ دونوں سے مروی ہو اور
موسیٰ نے دونوں سے سنا ہو۔ اور پھر کبھی ان سے روایت کیا ہو اور کبھی ان سے۔

صاحب کتاب کے پوتے حسن بن محمد بن یحییٰ نے ایک اور جگہ پر ابو بکر سے
روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مشیر العزم الساکن“ میں
روایت کیا ہے۔ اور میں نے اس کے خط سے نقل کیا ہے وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

أبانا الحریری انا الخياط انا ان درست ثنا ابن صفوان ثنا ابو بکر
القرشي و هو ابن ابي الدنيا فذكره و هذه الطريق ان صحت تحمل على ان
الحديث عنهما كما قدمناه فانه لا تنافي في ذلك على ان عبدالله المكبر روى له
مسلم مقرونا بغيره ، قال احمد رحمه الله تعالى صالح

ابو حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ وہ ان کی تعریف کرتے تھے۔ اور یحییٰ بن معین نے کہا ” لیس بہ باس یکتب حدیثہ“ اور ابن عدی نے کہا ” لا باس بہ صدوق“ اور ابن حبان نے کہا کہ ان پر صلاح غالب تھی۔ یہ ابن حبان کا کلام تھا اور انہوں نے اصلاً ان پر جرح کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی بلکہ یہ ان کی کثرت غلطی کی وجہ سے کہا ہے۔

ان کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ ان سے روایت نہ کیا جائے یہ درست نہیں کیونکہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو متابعات میں ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث میں عبداللہ کے حوالے سے کوئی التباس نہیں ہے۔

موسیٰ بن ہلال، ان کے بارے میں ابن عدی نے کہا کہ ” لا باس بہ۔“ اور ابی حاتم الرازی کا ان کے بارے میں یہ قول کہ یہ مہول ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس جہالت سے مراد یا تو ان کی ذات کے حوالے سے جہالت ہے یا وصف کے اعتبار سے۔ پس اگر ان کی ذات کے حوالے سے جہالت مراد لی ہے تو یہ نہیں ہو سکتی کیونکہ ان سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے روایت کیا ہے۔ اور اگر وصف کے اعتبار سے جہالت مراد ہے تو پھر بھی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا ان سے روایت کرنا اس جہالت کا ازالہ کر دیتا ہے۔

اور رہا عقیلی کا ان کے بارے میں قول کہ ان کی احادیث کی متابعت نہیں کی جاتی۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ خواہ یہ راوی عبداللہ ہوں یا عبید اللہ تو ان کی روایت منکر ہوتی ہے جب یہ نافع عن ابن عمر روایت کریں۔ اب اگر غور کریں تو سوائے راوی کے متفرد ہونے کے کوئی اور علت نظر نہیں آتی۔ اور جب ان کی حدیث کے متابع بھی ہیں تو ان کی حدیث لامحالہ قبول کی جائیگی۔ اور ہم نے موسیٰ بن ہلال کی روایت کے متابع اور شواہد پائے ہیں جن کو ہم ذکر کریں گے۔

ان تمام دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی یہ حدیث کم از کم حسن کے درجے پر فائز ہے۔ اور حدیث حسن کی دو اقسام ہیں۔

ایک قسم یہ ہے کہ حدیث کی سند میں کوئی مستور الحال راوی ہو جس کی اہلیت متحقق نہ ہو اور وہ غافل اور کثیر الخطاء نہ ہو اور نہ ہی اس میں کوئی فسق کا سبب ظاہر ہو اور اس کے ساتھ متن حدیث بھی اس جیسی کسی اور روایت سے مذکور ہو۔ اور ہلال بن موسیٰ کا اقل درجہ یہ ہے کہ ان میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ اور ان کی حدیث اس درجہ کی ہے۔

حسن کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس کا راوی صدق اور امانت کے اعتبار سے مشہور ہو مگر حفظ میں کمی کی وجہ سے صحیح رجال کے درجہ تک نہ پہنچے۔ اور یہ حدیث بھی بعض اوقات راوی کے منفرد ہونے کی وجہ سے منکر ہونے کے باوجود ترقی کر جاتی ہے۔

کہنے والے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ حدیث حسن نہیں ہے کیونکہ ہم نے حدیث حسن کی جو دو تعریفات کی ہیں ان میں سے ایک تعریف اس پر صادق آتی ہے۔ اور ہم نے زیارت قبر نبی ﷺ کے سلسلہ میں جو احادیث جمع کی ہیں وہ ساری اس کے درجہ کو بڑھاتی ہیں اور بعض اوقات حدیث میں یہ اضافہ اس کو حسن سے صحیح کے درجہ پر بھی فائز کر دیتا ہے۔

ضعیف حدیث کی اقسام:

ضعیف حدیث کی دو اقسام ہیں۔

پہلی قسم:

وہ حدیث جس میں راوی کا ضعف اس وجہ سے ہو کہ وہ راوی متہم بالکذب ہو۔ اور اس قسم کی ضعف احادیث کا جمع ہونا حدیث کی قوت کا سبب نہیں بنتا۔

دوسری قسم:

وہ حدیث جس میں راوی کا ضعف اس وجہ سے ہو کہ وہ راوی صادق و امین ہونے کے باوجود ضعف الحافظ ہو۔

پس ہم نے دیکھا کہ یہ حدیث متعدد اسناد سے مروی ہے اور اس کا متعدد اسناد

سے مروی ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ سند میں راوی کے حافظہ کے ضعف کا اثر نہیں ہے۔ اور یہی بات ابن صلاح نے کہی ہے۔

پس اس قسم کی ضعیف احادیث کا جمع ہونا حدیث کی قوت میں اضافہ کرتا ہے اور کبھی کبھی ضعیف حدیث اسناد کے تعدد کی وجہ سے حدیث حسن اور حدیث صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اسی اصول کے پیش نظر جب امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب میقات ذات عرق کے حوالے سے گفتگو کی کہ کیا یہ منصوص علیہ امور میں سے ہے یا اس میں اجتہاد کا عمل دخل ہے؟ اور صحیح یہ ہے کہ اس سلسلے میں نص وارد ہوئی ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے جمہور سے اس سلسلے میں احادیث کے وارد ہونے کی وجہ سے اس بات کی تائید کی اور اگرچہ وہ احادیث سند کے اعتبار سے ضعیف تھیں مگر اسناد کے تعدد کی وجہ سے حدیث میں قوت پیدا ہو گئی اور وہ ضعیف حدیث، حسن کے درجے تک پہنچ گئی اور ان سے استدلال کیا گیا۔ اور یہ بحث ”شرح المہذب“ کی کتاب الحج میں مذکور ہے۔

پس اس حدیث کی اسناد میں درج ذیل اعتبارات سے بحث کی گئی ہے۔ یعنی

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ

- ۱۔ یہ حدیث عبید اللہ سے مروی ہے اور اسے عبداللہ سے مروی حدیث سے ترجیح دی گئی ہے۔
- ۲۔ ایک قول کے مطابق یہ حدیث دونوں راویوں (عبید اللہ اور عبداللہ) سے بیک وقت مروی ہے۔

۳۔ اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ حدیث عبداللہ اکیلے سے مروی ہے۔ اور یہ حدیث حسن کی بیان کی گئی دو اقسام میں سے ایک قسم میں داخل ہے۔

۴۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ حدیث صرف اس سند سے ضعیف ہے تو اس قسم کی ضعیف احادیث کا جمع ہونا حدیث کو قوی بنا دیتا ہے اور اسے حدیث حسن کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔

نتیجہء بحث:

مذکورہ تمام بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی کا یہ دعویٰ کرنا کہ زیارت قبر رسول ﷺ کے باب میں وارد ہونے والی تمام احادیث موضوع ہیں، یہ افتراء اور جھوٹ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جھوٹ سے پاک ہے اور اس طرح کا دعویٰ کرنے والے کو نہ اللہ تعالیٰ کا حیا ہے نہ اس کے رسول مکرم ﷺ کا۔ اور یہ ایسا دعویٰ ہے جیسا آج تک نہ کسی عالم نے کیا اور نہ جاہل نے اور نہ ہی کسی محدث نے اور نہ کسی اور نے۔ اور کسی شخص نے نہ تو اس حدیث کے راوی ”موسیٰ بن ہلال“ کو اور نہ ہی کسی اور راوی کو ”وضع“ سے متہم کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ پھر کیسے کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ زیارت کی تمام احادیث کو موضوع قرار دے؟ اور اس حدیث میں کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی جس کی بنا پر محدثین اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگا سکیں؟ اور نہ ہی انہوں نے اس حدیث کے متن کے حوالے سے کوئی ایسی بات کی ہے کہ اس حدیث کا متن شریعت کے خلاف ہے پس اگر یہ ایسی بات ہے تو پھر کس وجہ سے اسے موضوع قرار دیا جائے؟ اور اگر بالفرض اس کو ضعیف مان بھی لیا جائے تو پھر بھی اس کو موضوع کیسے جاسکتا ہے جبکہ یا تو یہ حسن ہے یا پھر صحیح ہے؟

پس پہلی حدیث کی سند سے متعلق جو بحث ہو چکی ہے اس پر اکتفا کرتے ہیں۔

متن حدیث کی وضاحت:

جہاں تک اس حدیث کے متن کا تعلق ہے تو اس میں لفظ ”وجبت“ جس کا معنی ”ثابت یا لازم ہے“ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ ضرور اپنا شفاعت کا وعدہ پورا فرمائیں گے۔

لفظ ”لہ“ کا مفہوم:

حضور نبی اکرم ﷺ کے ایشاد مبارک میں لفظ ”لہ“ سے مراد یا تو خاص شفاعت ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ یہ شفاعت حضور نبی اکرم ﷺ کی ایسی شفاعت ہے جو صرف ان کیلئے خاص ہے جو قبر رسول ﷺ کی زیارت کرتے ہیں اور باقی لوگوں کو عام طور پر یا خاص طور پر یہ شفاعت حاصل نہ ہوگی یا اس سے مراد یہ بھی ہے کہ قبر رسول ﷺ کی زیارت کرنے والے دوسرے لوگوں سے اس شفاعت کے سبب منفرد ہو جائیں گے اور یہ انفرادیت ان کی اس زیارت کے باعث عزت و تکریم کی وجہ سے ہوگی یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس زیارت کی برکت کی وجہ سے عام شفاعت میں ان کا داخلہ ضروری ہو گیا ہے۔

اس شفاعت کا فائدہ یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کا حالت اسلام میں فوت ہونا یقینی ہے۔ اور تیسری تعبیر کی بنا پر ضروری ہے کہ لفظ ”لہ“ کا اطلاق عموم پر کیا جائے کیونکہ اگر اس میں اسلام پر مرنے کی شرط مضمّن کر دی جائے تو پھر زیارت کے ذکر کرنے کا کوئی معنی نہیں بنتا کیونکہ مسلمان ہونا ہی اس شفاعت کے حصول کے لیے کافی ہے۔ اور پہلی دونوں تعبیروں کی بنیاد پر اضمار درست ہے۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ زیارت قبر رسول ﷺ کا اثر یہ ہے کہ وہ زائر حالت اسلام میں فوت ہوگا اور ظاہر ہے یہ کتنی بڑی عظیم نعمت ہے یا اس کا اثر یہ ہے کہ زیارت کرنے والے کو ایسی شفاعت نصیب ہوگی جو عام مسلمانوں کی شفاعت سے خاص ہوگی۔

لفظ ”شفاعتی“ کا مفہوم:

لفظ ”شفاعت“ کی اضافت ”ی“ کی طرف کی گئی ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ ملائکہ عظام، انبیائے کرام علیہم السلام اور مومنین شفاعت کریں گے مگر قبر

رسول ﷺ کی زیارت کرنے والے کو اس سلسلے میں یہ شرف حاصل ہوگا کہ اس کی شفاعت خود حضور نبی کریم ﷺ فرمائیں گے۔ اور یہ شفاعت حضور ﷺ کے عظیم شافع ہونے کی بنا پر عظیم ہوگی۔ پس جس طرح حضور اکرم ﷺ تمام مخلوقات سے افضل ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی شفاعت بھی تمام سے افضل ہے۔ اور یہاں آپ کی اخروی شفاعت کا ذکر کرنا ضروری ہے مگر اسے مؤخر کرتا ہوں تاکہ زیارت کے اصل مقصد کے حصول سے قبل ملل محسوس نہ کرنے لگے۔

دوسری حدیث:

مَنْ زَارَ قَبْرِي حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگی

اس حدیث کو امام ابو بکر احمد بن عمرو بن عبدالحق البزار نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کی سند یوں بیان کی ہے۔ ”حدثنا قتيبة ثنا عبد الله بن ابراهيم ثنا عبد الرحمن بن زيد عن ابيه عن ابن عمر عن النبي ﷺ ”مَنْ زَارَ قَبْرِي حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي“

یہ حدیث پہلی حدیث کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے عبدالحق نے دارقطنی اور بزار کی طرف اس حدیث کو منسوب کیا ہے مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو پہلی حدیث میں لفظ ”وجبت“ ہے جب کہ اس حدیث میں ”حلت“ ہے لہذا اس حدیث کو علیحدہ ذکر کر دیا اور میں اسے مستند نسخہ جس کو حافظ قاضی ابو علی الحسین بن محمد الصدیقی نے شیخ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن اسماعیل بن فورث سے سنا اور انہوں نے اس کو اس سند سے روایت کیا ہے۔

الشيخ ابي عمر احمد بن محمد المقرئ الطلمنكي اجازة انا ابو
عبدالله محمد بن احمد بن يحيى بن معرج ثنا ابو الحسين محمد بن
ايوب بن حبيب بن يحيى الرقي الصموت ثنا ابو بكر احمد بن عمرو
بن عبد الخالق البزار

اور انھوں نے اس حدیث کو اصل نسخے کے ساتھ تقابل کیا گیا کہ جس میں انھوں نے یہ حدیث الرقی محمد بن ایوب کو سنائی۔ اور ابن معراج کے اصل نسخہ کا اکثر حصہ الرقی کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور قاضی ابو علی السمدی نے اس نسخے کے مطابق کئی مرتبہ حدیث کو بیان کیا ہے اور اس حدیث کے بہت سے طباق ہیں۔ اور صدنی کو یہ حدیث محمد بن خلف بن سلیمان بن فحون نے سنائی ہے۔ اور قتیبہ یہ بزار کے شیخ ہیں اور ان کی کنیت ابن المرزبان ہے۔

عبداللہ بن ابراہیم یہ غفاری ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں جن کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ابو داؤد کی احادیث منکر ہیں؟ اور ابن عدی نے کہا ہے انہوں نے جو روایات کی ہیں ان کی ثقہ راویوں نے متابعت نہیں کی۔ اور بزار نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا کہ عبداللہ بن ابراہیم نے ایسی احادیث بیان کی ہیں کہ جن کی متابعت نہیں کی گئی پس جو کچھ ان کی حدیث میں لکھا جاتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو وہ حفظ کرتے ہیں۔

عبدالرحمن بن زید بن اسلم، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیان کیا ہے اور ایک گروہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے کہ انہوں نے احادیث حسان روایت کی ہیں اور یہ وہ راوی ہیں جن کی احادیث لکھی جاتی ہیں اور امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اعتبار سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جس کو ہم توسل بالنبی ﷺ کے باب میں ذکر کریں گے۔ اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد پہلی حدیث کو اس کے ذریعہ تقویت دینا ہے۔ اور اس حدیث کو پہلی حدیث کا شاہد ہونا اس حدیث کو نقصان نہیں دیتا اس سبب سے کہ جو اس کے دو راویوں کے بارے میں کہا گیا ہے کیونکہ ان پر کذب یا فسق کی تہمت نہیں لگی۔ اور متابعات اور شواہد میں ایسا احتمال ہوتا ہے۔

تیسری حدیث:

مَنْ جَاءَ نَبِيَّ زَائِرًا لَا يَعْمَلُهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا
عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جو شخص زیارت کیلئے میرے پاس آیا اور میری زیارت کے علاوہ کسی
ضرورت نے اسے اس عمل میں نہیں لگایا تو مجھ پر واجب ہو گیا کہ
میں قیامت کے روز اس کیلئے شفاعت کروں۔

۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر ، ۱۲: ۲۲۵، رقم: ۱۳۱۲۹

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۵: ۲۷۵، ۲۷۶، رقم: ۲۵۲۳

۳۔ ہشمی، مجمع الزوائد، ۴: ۲

۴۔ السیوطی، جلال الدین، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۱: ۲۳۷

اس کے علاوہ اس حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”امالی“ میں اور ابو
بکر ابن المقرئ نے ”معجم“ میں بیان کیا ہے۔ اور سعید بن اسکن نے اسے صحیح قرار دیا
ہے۔ اور یہ مسلمہ جہنی کی روایت ہے۔ انہوں نے اسے عبید اللہ العمری سے روایت کیا ہے
اور اس میں موسیٰ بن حلال کی متابعت ہے۔ بعض روایت میں لفظ ”لا یعملہ“ وارد ہوا
ہے اور بعض میں ”لا یزعه“ کا لفظ آیا ہے۔ اور مسلمہ کے بارے میں جو انہوں نے
عبید اللہ اور عبید اللہ سے روایت کیا ہے اختلاف پایا گیا ہے اور اس طرح موسیٰ بن حلال
کے بارے میں اختلاف پایا گیا ہے۔

پس اس حدیث کو عبید اللہ بن محمد العبادی البصری نے روایت کیا ہے، انہوں
نے مسلمہ سے اور انہوں نے عبید اللہ سے اور انہوں نے نافع سے روایت کیا ہے۔ لفظ
العبادی عین کے ضمہ اور با کے فتح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ عباد بن ضبیحہ بن قیس
بن ثعلبہ بن عکایتہ بن صعرب بن علی بن بکر کی طرف نسبت کی وجہ سے عبادی کہا جاتا

ہے۔ ابو سعید بن السمعی نے کہا کہ عبد اللہ بن محمد العبادی، حسن بن حبیب بن ندب سے اس کو روایت کرتے ہیں اور ان سے عبدان نے روایت کیا ہے۔ الصوری نے لفظ عبدان کو با کی شد کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ ابن ماکولا نے کہا ہے ہم اس لفظ کو با پر شد کے بغیر پڑھتے ہیں۔

سند کا بیان:

أخبرنا أبو الفضل اسحاق بن ابی بکر بن ابراهیم ابن النحاس الاسدی بقراءتی علیہ بجامع دمشق فی عاشر صفر سنة ثمان و سبعمائة قلت له أخبرك الحافظ أبو الحجاج يوسف بن خليل بن عبدالله الدمشقی قراءة علیہ و انت تسمع انا ابو عبدالله محمد بن ابی زید بن حمد بن نصر الکرانی انا ابو منصور محمود بن اسماعیل بن محمد الصیرفی انا ابو الحسین احمد ابن محمد بن الحسين بن فاذشاه انا ابو القاسم سليمان بن احمد بن ایوب ابن مطیر اللخمی الطبرانی ثنا عبدان بن احمد ثنا عبدالله بن محمد العبادی البصری ثنا مسلمة بن سالم الجهنی حدثنی عبیدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ جَاءَ نَبِيَّ زَائِرًا لَا تَعْمَلُهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" و أخبرنا به ایضاً علی بن احمد الغرافی فی کتابه انا ابن عماد انا ابن رفاعه انا الخلعی انا ابو النعمان تراب بن عمر بن عبید بن محمد بن عباس العسقلانی ثنا ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مهدی الدارقطنی البغدادی املاء بمصر ثنا یحیی بن محمد بن صاعد ثنا ابو أخبرنا ابو الفضل اسحاق بن ابی بکر بن ابراهیم ابن النحاس الاسدی بقراءتی علیہ بجامع دمشق فی عاشر صفر سنة ثمان و سبعمائة قلت له أخبرك الحافظ أبو الحجاج يوسف بن خليل بن عبدالله الدمشقی

قراءة عليه و انت تسمع انا ابو عبدالله محمد بن ابي زيد بن حمد بن نصر الكراني انا ابو منصور محمود بن اسماعيل بن محمد الصيرفي انا ابو الحسين احمد ابن محمد بن الحسين بن فاذشاه انا ابو القاسم سليمان بن احمد بن ايوب ابن مطير اللخمي الطبراني ثنا عبدان بن احمد ثنا عبدالله بن محمد العبادي البصري ثنا مسلمة بن سالم الجهني حدثني عبيدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَ نَبِيَّ زَائِرًا لَا تَعْمَلُهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي كَارَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ " و أخبرنا به ايضا علي بن احمد الغرافي في كتابه انا ابن عماد انا ابن رفاعة انا الخلمي انا ابو النعمان تراب بن عمر بن عبيد بن محمد بن عباس العسقلاني ثنا ابو الحسن علي بن عمر بن احمد بن مهدي الدارقطني البغدادي املاء بمصر ثنا يحيى بن محمد بن صاعد ثنا ابو محمد عبدالله بن محمد العبادي من بني عباد بن ربيعة في بني مرة بالبصرة سنة خمسين و مائتين حدثنا مسلمة بن سالم الجهني امام مسجد بني حرام و مؤدبهم ثنا عبيدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَ نَبِيَّ زَائِرًا لَمْ تَنْزَعْهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ . "

و أخبرنا ايضا عبدالمؤمن وغيره اذنا عن ابي نصر انا ابن عساكر انا خالي ابو المعالي محمد بن يحيى بن علي انا علي بن الحسن بن الحسين الخلمي فذكره باسناده و منته و في هذين الطريقين اعني طريق عبدان و طريق يحيى بن محمد بن صاعد نافع عن سالم و رواه غيرهما فقال فيه عن نافع و سالم كذلك قرىء علي ابي الفضل اسحاق بن ابي بكر بن ابراهيم بن هبة الله ابن طارق بن سالم بن

النحاس الاسدي الخنفي في معجم ابن المقرئ وانا اسمع بدمشق ان
الحافظ ابا الحجاج يوسف بن خليل الدمشقي اخبره قراءة عليه و
هو يسمع بحلب انا ابو مسلم المؤيد بن عبدالرحيم بن احمد ابن
الاخوة و زوجته عين الشمس بنت ابي سعيد بن الحسن قالا انا ابو
الفرح سعيد ابن ابي الرجاء الصيرفي قال المؤيد سماعا و قالت
زوجته اجازة قال انا الشيخان ابو طاهر احمد بن محمود الثقفى و ابو
الفتح منصور بن الحسين بن على بن القاسم قالا انا ابوبكر محمد بن
ابراهيم بن على بن عاصم ابن المقرئ (ح) و اخبرنا عبدالؤمن بن
خلف وغيره اذنا عن ابي نصر انا على بن الحسن بن هبة الله اخبرناه
ابو الفرح سعيد بن ابي الرجاء الاصبهاني انا منصور بن الحسين و ابو
طاهر بن محمود قالا انا ابوبكر ابن المقرئ ثنا محمد بن احمد ابن
محمد الشطوي ببغداد ثنا عبدالله بن يزيد الخثعمي ثنا عبدالله بن
محمد حدثني مسلمة بن سالم الجهني امام مسجد بني حرام و
مؤدبهم بالبصرة قال حدثني عبيدالله بن عمر العمري عن نافع و سالم
عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا يَتْرَعُهُ إِلَّا
زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ "

و رواه مسلم بن حاتم الانصارى عن مسلمة عن عبدالله اخبرنا
بذلك ابن خلف وغيره اذنا عن ابن هبة الله انا الدمشقي انا ابو على
الحداد في كتابه حدثني عبدالرحيم بن على ابو مسعود عنه انا ابونعيم
الحافظ حدثنا ابو محمد بن حيان ثنا محمد بن احمد بن سليمان
الهروى ثنا مسلم بن حاتم الانصارى ثنا مسلمة ابن سالم الجهني
حدثني عبدالله يعني العمري حدثني نافع عن سالم عن ابن عمر قال
قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَمْ تَنْزَعُهُ حَاجَةٌ إِلَّا زِيَارَتِي "

كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ“

یہ اس حدیث کے طرق ہیں اور اس کو امام و حافظ ابو علی سعید بن عثمان بن سعید بن اسکن البغدادی المصری البزاز اپنی کتاب ” السنن الصحاح المأثورة عن رسول الله ﷺ “ جو کہ محذوف الاسانید ہے اس کے خطبے میں ذکر کرتے ہیں۔

”پس آپ نے مجھ سے چاہا کہ میں آپ کیلئے ”سنن مأثوره“ جن کو ان آئمہ نے نقل کیا ہے کہ جن کے بارے میں کسی نے طعن نہیں کیا، میں سے وہ احادیث جمع کروں کہ جو میری نظر میں صحیح ہیں۔ پس جب میں نے غور و خوض کیا تو میں نے آئمہ میں سے ایسی جماعت کو پایا کہ جنہوں نے وہ کچھ نقل کیا جو آپ نے مجھ سے چاہا۔ پس میں نے جو کچھ انہوں نے بیان کیا اس کو اچھے طریقے سے یاد کر لیا اور جن احکام کی مسلمانوں کو ضرورت تھی ان کی ابواب بندی کی۔ پس آئمہ نے جو کچھ بیان کیا اس میں غور و خوض کیا اور میں نے تمام آئمہ کو مجتہدین میں سے پایا اور جو روایت میں نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے وہ ایسی روایت ہے کہ جس کی صحت پر تمام آئمہ کا اجماع ہے۔“

اس کتاب میں کتاب الحج کے آخر میں ”باب ثواب من زار قبر النبی ﷺ“ میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَ نِيَّ زَائِرًا لَمْ تَنْزَعْهُ حَاجَةٌ إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "

ابن اسکن نے اس باب میں اس کے علاوہ بھی اس طرح کی احادیث ذکر کی ہیں تو گویا یہ ان کی طرف سے حکم ہے کہ یہ احادیث متفق علیہ ہیں اس شرط کی وجہ سے جو انہوں نے خطبہ میں لگائی ہے۔ اور ابن اسکن امام، حافظ، ثقہ، کثرت سے احادیث روایت کرنے والے، علم کی تلاش میں بہت زیادہ سفر کرنے والے جنہوں نے عراق، شام، مصر، خراسان اور ماوراء النہر کے سفر کیے یہ بغدادی ہیں اور مصر میں قیام پذیر رہے اور وہیں

۳۵۳ھ میں ان کا وصال ہوا۔ ابن سکن کی ابواب بندی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد آپ کی قبر انور کی زیارت کو آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں زیارت کی طرح قرار دیتے ہیں اور یہی درست مفہوم ہے۔

چوتھی حدیث:

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ وَفَاتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي

جس شخص نے حج کیا پھر میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

۱۔ دارقطنی، السنن، ۲: ۲۷۸

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۳۱۰، رقم: ۱۳۳۹۷

۳۔ البیہقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۲۳۶، رقم: ۱۰۰۵۴

سند کا بیان:

اخبرنا عبدالمؤمن بن خلف الحافظ انا يوسف بن خليل الحافظ انا ناصر بن محمد ابو برح انا اسماعيل بن الفضل بن الاخشيد انا ابو طاهر بن عبدالرحيم انا علي بن عمر الحافظ الدارقطني قال حدثنا عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا ابو الربيع الزهراني (ح) وقرأت علي ابى محمد اسحاق بن يحيى بن اسحاق بن ابراهيم الأمدى و اللفظ له اخبرك يوسف بن خليل الحافظ انا محمد بن ابى زيد الكراني انا محمود الصيرفي انا ابن فاذشاه انا الطبراني ثنا الحسين ابن اسحاق التستري ثنا ابو الربيع الزهراني ثنا حفص بن ابى داود عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال: " مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ وَفَاتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي "

عثمان بن محمد نے مکتہ سے مجھے لکھا کہ انہوں نے حافظ ابو الحسین سے مصر میں یہ روایت قراءت لی ہے۔ اور یہ سند اس طرح ہے۔

قال انا ابو البركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعي انا ابو طاهر عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر بن يوسف البغدادي انا ابوبكر محمد بن عبدالملك بن بشران انا ابو الحسن الدارقطني حدثنا عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا ابو الربيع ثنا حفص بن ابي داود عن ليث بن ابي سليم: عن مجاهد عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال: " مَنْ حَجَّ فَرَارَ قَبْرِي بَعْدَ وَفَاتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي "

حدیث کی دوسری سند کا بیان:

وأخبرناه عبدالؤمن وغيره اذنا عن الشيرازي انا الحافظ الدمشقي انا ابو عبدالله الخلال انا ابراهيم بن منصور انا ابوبكر ابن المقرئ انا ابو يعلى الموصلي ثنا ابو الربيع ثنا حفص بن ابي داود عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: " مَنْ حَجَّ فَرَارَنِي بَعْدَ وَفَاتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي " وكذلك رواه ابو احمد بن عدى في الكامل.

حدیث کی تیسری سند کا بیان:

أخبرناه ابو محمد التوني، هو الحافظ الدمياطي، و آخرون اذنا عن ابي الحسن النجار عن ابي الكرم المبارك بن الحسن الشهرزوري انا اسماعيل بن مسعدة الاسماعيلي انا حمزة بن يوسف السهمي انا ابو احمد بن عدى الجرجاني انا الحسن بن سفيان ثنا علي بن حجر، و ثنا عبدالله بن محمد البغوي ثنا ابو الربيع الزهراني، قال علي ثنا حفص بن سليمان، وقال ابو الربيع ثنا حفص بن ابي داود و قالوا عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر رضي الله عنهما

قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ حَجَّ فَرَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَصَحِيئِي"

سند پر تبصرہ:

امام ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن میں ابن عدی کی اس روایت کو دو طرق سے ذکر کیا ہے۔ اور ابن عدی نے اس کو حفص بن سلیمان الاسدی الغاضری القاری کے ترجمہ میں بیان کیا ہے۔ اور یہ حکم لگایا گیا ہے کہ حفص سے مراد ابن ابی داؤد ہے جو سند میں مذکور ہے۔ اور ابن عدی کہتے ہیں کہ ابو الربیع الزہرانی ان کو حفص بن ابی داؤد ان کے ضعف کی وجہ سے کہتے ہیں اصل میں یہ حفص بن سلیمان ہیں۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ حفص اس سند میں مفرد ہیں۔ اور یہ ضعیف ہیں۔ اور یہی حکم حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لگایا ہے۔

چوتھی سند کا بیان:

اخبرنا الدمیاطی اذنا ابانا ابن ہبہ اللہ الشیرازی انا ابن عساکر انا الخلال انا ابراہیم بن منصور السلمی انا ابوبکر ابن المقری انا ابوسعید المفضل بن محمد بن ابراہیم الجندی ثنا مسلمة و هو ابن شیب ثنا عبدالرزاق ثنا ابو عمر حفص بن سلیمان (ح) قال ابن عساکر و انا ابوالقاسم ابن السمرقندی انا ابوالقاسم اسماعیل بن مسعدة انا حمزة بن یوسف السہمی قال انا ابو احمد بن عدی انا الحسن بن سفیان ثنا علی بن حجر (ح) قال ابن عساکر و انا ابوالقاسم الشحامی انا ابوبکر البیہقی انا علی بن احمد بن عبدان ثنا احمد بن عبید حدثنی محمد بن اسحاق الصفار ثنا ابن بکار ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاہد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ حَجَّ فَرَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي"

سند پر تبصرہ:

سہمی نے ”و صحبني“ کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن میں ان الفاظ کا اضافہ ذکر نہیں کیا۔ اور اس کی روایت یوں بیان کی ہے۔ ”عبد اللہ بن یوسف انا محمد بن نافع الخزاعی ثنا المفضل الجندی“ اور اس کو سند اور متن کے اعتبار سے ذکر کیا ہے جس طرح کہ اس کو ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن المقرئ کے طریق سے روایت کیا ہے۔

اور مجھ کو عثمان بن محمد التوزی نے مکہ مکرمہ سے لکھا کہ انہوں نے اس کو ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ سے قراءۃ روایت کیا ہے۔ اور سند اس طرح ہے۔

قال انا الحسن بن محمد انا علی بن الحسن انا ابو القاسم اسماعیل بن محمد انا احمد بن عبدالغفار بن اشتہ انا ابو سعید النقاش انا ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن ابراہیم الجوزجانی ثنا الحسن بن الطیب البلخی ثنا علی بن حجر ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاہد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: ” مَنْ حَجَّ فَرَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي“

حافظ بغدادی ”الدرة الثمينة في أخبار المدينة“ میں بیان کرتے ہیں:-

أبانا عبدالرحمن بن علی انا ابو الفضل الحافظ عن ابی علی الفقیہ أبانا ابو القاسم الأزهری انا القاسم بن الحسن ثنا الحسن بن الطیب ثنا علی بن حجر ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاہد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: ” مَنْ حَجَّ فَرَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَ صَحْبِي“

ابو الیمین بن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے بارے میں کہا ہے کہ ”اس حدیث کو حسن بن طیب نے علی بن حجر سے روایت کیا ہے اور اس میں الفاظ کی زیادتی کی

ہے جو قبول نہیں اور وہ الفاظ یہ ہیں۔ ”من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی و صحبنی“ اور حسن بن طیب ”و صحبنی“ کے الفاظ لانے میں متفرد ہیں اور یہ محل نظر ہے۔

میری رائے ہے ہم نے اس اضافے ”و صحبنی“ کو حسن بن سفیان کے طریق سے ذکر کیا ہے اور وہ اس میں متفرد نہیں ہیں اور عبدالرحمن جن سے ابن بخار نے روایت کیا ہے وہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور میں نے اس اضافے کو ان کے قلمی نسخے ”مثیر العزم الساکن الی اشرف الاماکن“ میں مذکور اسناد کے ساتھ دیکھا ہے۔ اور اس حدیث کو دوسرے طریق سے روایت کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ”عن حفص بن سلیمان عن سلیمان عن کثیر بن شنطیر عن لیث بن ابی سلیم“

أخبرنا بذلك الحافظ ابو محمد الدمیاطی اجازة أنبانا ابو نصر
مکاتبہ ان ابن عساکر سماعا انا الشحامی انا الجنزرودی انا ابن
حمدان انا ابو یعلیٰ الموصلی ثنا یحییٰ بن ایوب ثنا حسان بن ابراہیم
ثنا حفص بن سلیمان عن کثیر بن شنطیر عن لیث بن ابی سلیم عن
مجاہد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: ”مَنْ حَجَّ
فَزَارَنِي بَعْدَ وَفَاتِي عِنْدَ قَبْرِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي“ و اشار ابن
عساکر الی ان الصواب الاول.

سند پر تبصرہ:

حفص بن سلیمان القاری الغاضری یہ حفص بن ابوداؤد ہیں اور یہی قول امام بخاری، ابن ابی حاتم، ابن عدی اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر کا ہے۔ اور باقی رہا ان کا اس سند کا راوی ہونا تو ابن عدی اور ابن عساکر رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہی رائے ہے۔ اور اس طرف امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ لیکن ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے جو توقف کا تقاضا کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حفص بن سلیمان

الہصری یہ حسن سے روایت کرتے ہیں جن کا وصال ۱۳۰ ھ میں ہوا۔ اور یہ حفص بن سلیمان المزہری عمر القاری نہیں۔ وہ ضعیف تھے اور اس سند والے یہ ثقہ ہیں۔

ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے حفص بن سلیمان کو کتاب الحجر و حین میں ذکر کیا ہے اور ان کا ضعف ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ابن ابی داؤد ہیں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ انہیں اشتباہ ہو گیا ہو اور انہوں نے ایک ہی شخص کو دو بنا دیا ہو ایک کو ثقہ اور دوسرے کو ضعیف۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ دو ہوں اور ابن عدی کو اشتباہ ہو گیا ہو اور انہوں نے ان کو ایک بنا دیا ہو۔ پس اگر غور سے دیکھیں تو ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا تقاضا ہے کہ ان کو ضعیف قرار نہ دیا جائے۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ میں نے حفص بن سلیمان کے بارے میں ان کے باپ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ صالح ہیں۔ ان اقوال کے بعد بھی اگر ان کا ضعف ثابت ہو جائے تو یہ اس حدیث میں متفرد نہیں ہیں۔

پانچویں حدیث:

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي

جس نے بیت اللہ شریف کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی پس اس نے مجھ سے جفا کی۔

۱۔ ابن حجر مکی: الجوهر المنظم: ۲۸

۲۔ النبهانی، شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق: ۸۲

اس کے علاوہ اس حدیث کو ابن عدی نے "الکامل" میں روایت کیا ہے۔

سند کا بیان:

أخبرناہ اذنا و مشافہة عبدالمؤمن وآخرون عن ابی الحسن ابن

المفقیر البغدادی عن ابی الکریم ابن الشہرزوری انا اسماعیل بن
مسعدة الاسماعیلی انا حمزة بن یوسف السهمی انا ابو احمد بن
عدی ثنا علی بن اسحاق ثنا محمد بن محمد بن النعمان حدثنی
جدی قال حدثنی مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال
قال رسول اللہ ﷺ " مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي "

حدیث پر تبصرہ:

ابن عدی نے نعمان کی احادیث کو بیان کرنے کے بعد کہا یہ احادیث نافع سے
مروی ہیں اور انہوں نے انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ نعمان بن
شبل ان کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں اور مجھے اس چیز کا علم نہیں کہ
نعمان بن شبل کے علاوہ کسی نے اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا
ہے۔ اور نہ ہی میں ان کی احادیث میں سے کسی حدیث کو غریب پاتا ہوں اس اعتبار سے
کہ انہوں نے کسی حدیث کو لینے میں حد سے تجاوز کیا ہو اور حدیث کو ذکر کیا ہو۔

عمران بن موسیٰ الزجاجی سے ان کے ترجمہ میں روایت کیا گیا ہے کہ یہ متعمم ہیں
اور اس تہمت کی وضاحت نہیں کی گئی پس ان پر ثقہ کا حکم مقدم ہوگا۔

امام ابوالحسن دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو امام مالک بن انس رحمہ
اللہ تعالیٰ کی ایسی غرائب احادیث میں ذکر کیا ہے جو مؤطا میں موجود نہیں ہیں۔

قال ثنا ابو عبد اللہ الایلی و عبد الباقی قال ثنا محمد بن محمد بن
النعمان ابن شبل ثنا جدی ثنا مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ
عنہما عن النبی ﷺ قال " مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي "

امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ " اس حدیث کو روایت کرنے میں یہ شیخ
اکیلے ہیں۔ " اور وہ دارقطنی کی اس عبارت کے معنی میں ہیں اور ظاہر ہے ان کا یہ انکار ان کے
اس حدیث کے اکیلے روایت کرنے کی وجہ سے ہے اور ان کا اس حدیث کو ان اسناد پر محمول

نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث کے متن کو منکر اور موضوع قرار دیا جائے۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے اور ایسا کرنا زیادتی ہے اور ابن عدی کا قول ان (ابن جوزی) کے بارے میں کافی ہے۔ اور امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا ہے کہ اس کو محمد بن محمد پر محمول کیا جائے گا نہ کہ اس کے دادا پر اور دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اس کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ اس سے مراد نعمان کا اکیلا ہونا ہے جسے ابن عدی نے کہا ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الحجر و حین میں احمد بن عبید سے اور انہوں نے محمد بن محمد سے اور ابن جوزی کا قول ” کتاب الضعفاء “ میں ہے کہ دارقطنی نے محمد بن محمد بن نعمان پر طعن کیا ہے۔ اور ہم نے دارقطنی کے کلام سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ راوی کا منکر ہونا ہے ضعیف ہونا نہیں۔ پس اس سے ان پر ” وضع “ کا حکم لانا باطل ہو گیا لیکن وہ غریب ہیں جیسا کہ دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اور یہ بات ابن عدی کے کلام کی وجہ سے مفید ہے کیونکہ وہ اس کے علاوہ دوسرے راوی پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ حدیث پہلی حدیث کے بعد پیش کی جانی چاہیے تھی کیونکہ یہ حدیث نافع کے طریق سے مروی ہے لیکن ہم نے اس کو مؤخر کیا ہے کیونکہ اس پر جرح و نقد ہوتی ہے۔ اور یہ بات جان لینی چاہیے کہ محدثین کا کسی حدیث کو منکر یا غریب کہنا کبھی اس وجہ سے ہوتا ہے اور اس سے حدیث کے متن کا رد ہونا لازم نہیں آتا لیکن اس کے برعکس اگر کوئی فقیہ کسی حدیث کو موضوع قرار دے تو اس کا یہ حکم متن میں مؤثر ہوتا ہے۔ پس اس لیے ہم نے دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو قبول کر لیا اور ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو رد کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

مدینہ منورہ کی فضیلت پر حدیث

ایک اور حدیث سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور اس کو امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلیل میں مسند ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ذکر کیا ہے۔

”من استطاع ان يموت بالمدينة فليفل“

جو شخص یہ استطاعت رکھتا ہے کہ مدینہ منورہ میں فوت ہو تو اس کو ایسا کرنا
پا ہے۔

چھٹی حدیث

مَنْ زَارَ قَبْرِي . أَوْ مَنْ زَارَنِي . كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا . أَوْ شَهِيدًا
جس نے میری قبر کی زیارت کی یا جس نے میری زیارت کی تو میں
اس کی شفاعت کروں گا۔ یا گواہ ہوں گا۔

۱۔ الطیالسی، المسند، ۱۲، ۱۳، رقم: ۶۵

۲۔ البیہقی، السنن الکبری، ۵: ۲۲۵، رقم: ۱۰۰۵۳

۳۔ البیہقی، شعب الایمان، ۳: ۳۸۹، رقم: ۴۱۵۳

۴۔ دارقطنی، السنن، ۲: ۲۷۸

تہذیب کا بیان:

آخرنا ابو بکر احمد بن محمد بن ابی القاسم بن بدران بن ابان
الدشتی بقرآءتی علیہ بالشام سنة سبع و سبعمائة قال انا الحافظ ابو
الحجاج يوسف بن خليل بن عبدالله الدمشقی بحلب سنة ثلاث و
اربعین و ستماية قال انا القاضی ابو المکارم احمد بن محمد بن
محمد بن عبدالله بن محمد بن عبدالرحمن بن محمد بن قیس اللبان
بقرآءة علیہ و انا اسمع غیر مرة باصیہان فی سنة احدى و تسعين و
خمس مائة قبل له اخیرکم ابو علی الحسن بن احمد بن الحسن
الحداد المقری بقرآءة علیہ و انت تسمع فی محرم سنة اثنتی عشرة و

خمس مائة فاقر به قال انا الامام ابو نعیم احمد بن عبدالله بن احمد بن اسحاق الحافظ قراءة عليه و انا اسمع انا ابو محمد عبدالله بن جعفر بن احمد بن فارس ثنا ابو بشر یونس بن حبيب ثنا ابوداود الطيالسی ثنا سوار بن میمون ابو الجراح العبدی قال حدثنی رجل من آل عمر عن عمر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول : " مَنْ زَارَ قَبْرِي . اَوْ قَالَ مَنْ زَارَنِي . كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا . اَوْ شَهِيدًا وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ فِي الْاَمْنَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ "

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو امام طیا سی رحمہ اللہ تعالیٰ کی جہت سے سنن کبیر میں ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ابن عسا کر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی جہت سے ذکر کیا ہے۔

أبناہ عبدالؤمن وغیرہ عن ابن الشیرازی انا ابن عسا کر انا ابو علی الحداد اجازة ثم انا ابن السمرقندی انا یوسف بن الحسن التفکری؟ قالا انا ابو نعیم ثنا ابن فارس (ح) و به الی ابن عسا کر قال و اخبرنا الشحامی انا ابوبکر البیہقی انا ابن فورك انا ابن فارس.. لذكره. و سوار بن میمون روی عنه شعبة .

سوار بن میمون ان سے شعبہ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو ہم ساتویں حدیث میں ذکر کریں گے۔ اور شعبہ کا ان سے روایت کرنا ان کے ہاں سوار بن میمون کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ پس سند میں کوئی غیر ثقہ شخص نہیں رہا سوائے اس شخص کے جو آل عمر میں سے ہے۔ اور وہ طبقہ تابعین میں سے ہیں۔

رہا امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ یہ سند مجہول ہے۔ تو اگر جہالت کا سبب وہ راوی ہے جو آل عمر میں سے ہے تو یہ درست ہے۔ اور ہم نے ان کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ وہ طبقہ تابعین میں سے ہیں۔ اور اگر جہالت کا سبب سوار بن میمون کے آل سے لائے ہے تو ہم نے ذکر کیا ہے کہ شعبہ کا ان سے روایت کرنا ان کے ثقہ ہونے

کی دلیل ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی شعبہ کی اس راوی سے روایت کو اپنی سنن کے علاوہ کتاب میں ذکر کیا ہے جس کو ہم ساتویں حدیث میں ذکر کریں گے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ذکر کیا ہے کہ ان کے نام میں اختلاف ہے ایک روایت کے مطابق یہ سوار بن میمون ہے جب کہ ایک روایت کے مطابق یہ میمون بن سوار ہے۔ اور کعب نے ان سے روایت کیا ہے۔

ساتویں حدیث:

مَنْ زَارَنِي مُتَعَمِّدًا كَانَ فِي جَوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جس نے باقاعدہ نیت کے ساتھ میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میری ہمسائیگی میں ہوگا۔

(اس حدیث کو ابو جعفر العقلی اور دیگر نے سوار بن میمون سے روایت کیا ہے)

سند کا بیان

أخبرنا الحافظ أبو محمد أذنا ابن الشيرازي في كتابه أنا ابن
عساكر سماعًا أنا الشحامي أنا البيهقي أنا أبو عبد الله الحافظ أخبرني
علي ابن عمر الحافظ ثنا أحمد بن محمد الحافظ حدثني داود بن
يحيى (ح) قال ابن عساكر و أنا أبو البركات ابن الأنماطي أنا أبو بكر
الشامي أنا أبو الحسن أنا أبو الحسن العتيقي أنا ابن الدخيل ثنا أبو
جعفر محمد بن عمر و العقيلي ثنا محمد بن موسى قال ثنا أحمد بن
الحسن الترمذی ثنا عبد الملك بن إبراهيم الجدی ثنا شعبة عن
سوار بن میمون عن..... و فی حدیث الشحامی، ثنا ہارون بن قرعة
عن رجل من آل الخطاب عن النبي ﷺ قال: مَنْ زَارَنِي مُتَعَمِّدًا كَانَ
فِي جَوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

شحامی کی روایت:

شحامی نے روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ ” وَمَنْ سَكَنَ الْمَدِينَةَ وَصَبَرَ عَلَى بَلَائِهَا كُنْتُ لَهُ شَهِيدًا وَ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ “ وَقَالَ ” وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللَّهُ فِي الْأَمِينِ “ وَقَالَ الشَّحَامِيُّ : ” مِنْ الْأَمِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ “

(جو شخص مدینہ منورہ میں رہا اور اس میں آنے والی آزمائشوں پر صبر کیا تو میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شافع ہوں گا۔)

اور دوسری حدیث کا ترجمہ یوں ہے۔ (جو شخص دونوں حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو مامون لوگوں میں سے اٹھائے گا۔)

رجال سند پر تبصرہ:

اس سند میں مذکور ہارون بن قزعه، ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور عقیلی نے ان کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کی احادیث کے متابع نہیں ہیں۔

پس سند میں ایک راوی رہ جاتے ہیں جو مبہم ہیں۔ اور وہ راوی آل عمر یا آل خطاب ہے، ان کے بارے میں ہو سکتا ہے کہ وہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں۔ اور ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ہارون ابن قزعه ایک شخص سے جو ولد حاطب سے ہے، سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ احادیث مرسل ہیں۔ پس دونوں صورتوں میں یہ ایک اچھی مرسل ہوگی۔

رہا ازدی کا یہ قول کہ ہارون متروک الحدیث ہیں اور ان سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔ ان کے اس قول کی وجہ شاید امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور عقیلی کا ہارون کے بارے میں قول ہے۔ دراصل ان کا ایسا کہنا مبالغہ پر مبنی ہے کیونکہ ایسا اس راوی کے بارے میں کہنا

چاہیے جس راوی کے حال کا علم ہو کہ وہ متروک ہے۔ اور جب آپ کو اس بات کا علم ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابن حبان، ازودی سے زیادہ جاننے والے اور ثقہ ہیں۔ اور انہوں نے ہارون بن قزعة سے مسند بھی روایت کیا ہے۔

آٹھویں حدیث

مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي

جس شخص نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(اس حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر نے روایت کیا ہے۔)

حدیث کی سند کا بیان:

أخبرناہ الحافظ ابو محمد الدمیاطی سماعا علیہ فی کتاب السنن للدارقطنی قال انا الحافظ ابو الحجاج یوسف بن خلیل انا الویرج انا الاخشید انا ابن عبدالرحیم انا الدارقطنی ثنا ابو عبید و القاضی ابو عبد اللہ و ابن مخلد قالوا ثنا محمد بن الولید البصری ثنا و کعب ثنا خالد بن ابی خالد و ابو عون عن الشعبي و الأسود بن میمون عن ہارون بن قزعة عن رجل من آل حاطب عن حاطب رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: " مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي، وَمَنْ مَاتَ بِأَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْأَمِينِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ "

اس طرح یہ سنن دارقطنی میں مذکور ہے۔

حدیث کی ایک اور سند کا بیان:

و ابانا به ایضا عبد المؤمن ابانا ابن الشیرازی انا ابن عساکر انا فاتکین الترمذی انا الجوہری انا علی بن محمد ابن لؤلؤ انا زکریا

الساجی (ح) قال ابن عساكر و انا احمد بن محمد البغدادی انا ابن
شكرويه و محمد بن احمد السمسار قالا انا ابراهيم بن عبد الله انا
المحاملي قالا ثنا محمد بن الوليد البصري ثنا وكيع ثنا خالد بن ابي
خالد و ابن عون عن الشعبي و الاسود بن ميمون عن هارون بن قزعة به
و أنبأنا عبد المؤمن ايضا أنبأنا ابو نصر انا ابن عساكر انا علي ابن
ابراهيم الحسيني انا رشأ بن نظيف المقرئ انا الحسن بن اسماعيل
الفرات ثنا احمد بن مروان المالكي ثنا زكريا بن عبدالرحمن
البصري ثنا محمد بن الوليد ثنا وكيع بن الجراح عن خالد و ابن عون
عن هارون ابن قزعة مولى حاطب عن حاطب رضي الله عنه قال قال رسول
الله ﷺ : " مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي ، وَمَنْ مَاتَ
فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْأَمِينِينَ "

اسی طرح یہ احمد بن مروان المالکی کی روایت میں آیا ہے۔

نویں حدیث:

مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ وَ زَارَ قَبْرِي وَ غَزَا غَزْوَةً وَ صَلَّى
عَلَيَّ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ يَسْأَلْهُ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ فِيمَا
افْتَرَضَ عَلَيْهِ

(رواه الحافظ ابو الفتح الازدی فی الثانی من فوائدہ.)

جس شخص نے فرض حج ادا کیا اور میری قبر مبارک کی زیارت کی اور
اس نے جہاد کیا اور بیت المقدس میں مجھ پر صلوٰۃ بھیجا تو اللہ تعالیٰ
اس سے دوسرے فرائض کے بارے میں سوال نہیں فرمائے گا۔

سند کا بیان:

أخبرنا به ابو النجم شهاب علی المحسنی قراءة علیه و انا اسمع
 بالقرافه الصغری فی سنة سبع وسبعمانه و ابو الفتح ابن ابراهیم بقراء
 تی علیه سنه ثلاث و عشرين قالوا انا ابو محمد عبدالوهاب ابن ظا
 بن علی بن فتوح الازدی المعروف بابن رواج قال الاول سماعا و
 قال الثانی اجازة قال انا الحافظ ابو طاهر بن احمد بن محمد بن
 احمد ابن ابراهیم بن سلفه السلفی الاصبهانی قراءة علیه و انا اسمع
 انا ابو طالب عبدالقادر بن محمد بن یوسف ببغداد ثنا ابو اسحاق بن
 ابراهیم بن عمر ابن احمد البرمکی انا ابو الفتح محمد بن الحسين
 بن احمد الازدی الحافظ ثنا النعمان بن هارون بن ابی الدلهات ثنا ابو
 سهل بدر بن عبدالله المصیصی ثنا الحسن بن عثمان الرمادی ثنا
 عمار بن محمد حدثنی خالی سفیان عن منصور عن ابراهیم عن
 علقمة عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ :
 ”مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ وَ زَارَ قَبْرِي وَ غَزَا غَزْوَةً وَ صَلَّى عَلَيَّ فِي بَيْتِ
 الْمَقْدِسِ لَمْ يَسْأَلْهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ فِيمَا افْتَرَضَ عَلَيْهِ“

سند پر تبصرہ:

۱۔ اس سند میں عمار بن محمد ہیں جو سفیان ثوری کے بھانجے ہیں۔ ان سے امام مسلم رحمہ
 اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حسن بن عثمان الرمادی، ان کے بارے میں خطیب نے کہا ہے کہ یہ ایک جلیل القدر عالم
 دین، اہل معرفت، بہت ثقہ اور امانت دار تھے۔ انہوں نے خلیفہ متوکل کے دور میں شرقیہ کا
 منصب قضاء سنبالا۔ ان سے طلحہ ابن جعفر نے روایت کیا ہے۔ اور ان کو خطیب کے علاوہ دیگر
 نے بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بہت صالح بہت فہم و فراست والے انہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔

۳۔ ابو سھل بدر بن عبداللہ المصیصی مجھے ان کے احوال کے بارے میں کچھ خبر نہیں ہوئی۔

۴۔ نعمان بن ہارون بن ابی الدھات، انہوں نے بغداد میں بہت سے لوگوں سے روایت کیا ہے اور ان سے محمد بن المنظر اور علی بن عمر السکری نے روایت کیا ہے۔

اور خطیب فرماتے ہیں۔ میں ان کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا۔

۵۔ ابوالفتح محمد بن الحسین بن احمد الازدی الموصلی، یہ اہل علم و فضل میں سے تھے۔ اور حافظ حدیث تھے اور انہوں نے علوم الحدیث میں ایک کتاب لکھی ہے جس کو خطیب بغدادی نے تاریخ میں اور ابن السمعانی نے الانساب میں ذکر کیا ہے۔

محمد بن جعفر بن علان نے ان کی تعریف کی ہے۔ اور ابوالنجیب الارموی نے کہا ہے کہ اہل موصل ان کی قدر دانی نہیں کرتے تھے اور ان کو کسی شمار میں نہیں لاتے تھے۔ اور جب برقانی سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ اور برقانی کے علاوہ دیگر نے ان کے بارے میں اس سے بھی سخت رائے دی ہے۔

دسویں حدیث

مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي وَ أَنَا حَيٌّ

جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(رواہ ابوالفتح سعید بن محمد بن اسماعیل یعقوبی فی جزء له فیہ فوائد مشتملة علی بعض فضائل سیدنا رسول اللہ ﷺ و آثارہ و ما ورد فی فضل زیارتہ و درجۃ زوارہ)

سند کا بیان:

اس حدیث کو محدث اسماعیل بن عبداللہ بن عبدالحسن الانصاری المالکی جو کہ ابن الانماطی کے نام سے مشہور ہیں نے اپنی حدیث کی کتاب ”جزء“ میں روایت کیا ہے اور

میں نے ان کے خط سے نقل کیا ہے۔ وہ یوں روایت کرتے ہیں: ہم کو ابو محمد عبد اللہ بن علوان بن ہبہ اللہ بن ریحان الحوطی الکریتی الصوفی نے قراءۃ بیان کیا اور میں نے اس کو حرم شریف میں دکتہ الصوفیہ پر باب بنی شیبہ کی طرف کعبہ معظمہ میں سنا۔ اور اس کی سند یوں ہے۔

قال ثنا ابو الفتوح سعید بن محمد بن اسماعیل الیعقوبی فی ربيع الاول سنة اثنتین و خمسين و خمسمائة قال ثنا الامام ابن السمعانی ثنا ابوسعید احمد بن محمد بن احمد بن الحسن الحافظ املاء فی الروضة بین قبر النبی ﷺ و منبره فی الزورۃ الثانیة انا ابوالحسین احمد بن عبدالرحمن الذکوانی انا احمد بن موسی بن مردویه الحافظ ثنا الحسن ابن محمد السوسی ثنا احمد بن سهل بن ایوب ثنا خالد بن یزید ثنا عبداللہ بن عمر العمری قال سمعت سعد المقبری یقول سمعت ابا هريرة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ یقول قال رسول الله ﷺ : "مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي وَ اَنَا حَيٌّ، وَ مَنْ زَارَنِي كُنْتُ لَهُ شَهِيدًا وَ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

سند پر تبصرہ:

اس سند میں خالد بن یزید، اگر تو یہ العمری ہیں تو ان کے بارے میں ابن حبان نے کہا ہے کہ ان کی حدیث منکر ہوتی ہے۔

احمد بن سهل بن ایوب اھوازی، ان کے بارے میں الصریفی نے کہا ہے کہ یہ اھواز میں ترویہ کے دن ۲۹۱ھ میں وصال فرما گئے۔

گیارہویں حدیث:

مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا. أَوْ شَهِيدًا

جس شخص نے خلوص نیت سے مدینہ منورہ حاضر ہو کر میری زیارت کا شرف حاصل کیا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا (یہ کہا) اس کا گواہ ہوں گا۔

۱۔ البیہقی، شعب الایمان، ۳: ۴۹۰، رقم: ۴۱۵۷

۲۔ العسقلانی، تلخیص الجبیر، ۲: ۲۶۷

۳۔ الہندی، کنز العمال، ۱۵: ۶۵۲، رقم: ۴۲۵۸۴

وفی روایة "مَنْ زَارَنِي مُحْتَسِبًا إِلَى الْمَدِينَةِ كَانَ لِي جَوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ منورہ میں میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میری ہمسائیگی میں ہوگا۔

سند کا بیان:

أَبَانَا الدَّمِيَّاطِيُّ وَ ابْن هَارُونَ وَ غَيْرَهُمَا قَالُوا أَبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ هَبَةَ اللَّهِ قَالَ أَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ الْحَافِظُ سَمَاعًا أَنَا زَاهِرٌ أَنَا الْبِيهَقِيُّ أَنَا أَبُو سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَمْرٍو (ح) قَالَ الْحَافِظُ وَ أَنَا أَبُو سَعِيدِ بْنِ الْبَغْدَادِيِّ أَنَا أَبُو نَصْرِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ شَبْرِيهِ أَنَا أَبُو سَعِيدِ الصَّرْفِيِّ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الصَّفَّارِ ثَنَا ابْنُ أَبِي الدُّنْيَا حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ عَثْمَانَ الْجَرَجَانِيُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي فَدِيكَ أَخْبَرَنِي أَبُو الْمَثْنِيِّ سَلِيمَانَ بْنِ يَزِيدَ الْعَكِّي وَ فِي حَدِيثِ زَاهِرٍ: الْعَتَكِيُّ، (ح) قَالَ الْحَافِظُ وَ أَنَا ابْنُ

سمرقندی انا بن مسعدة انا حمزة ثنا ابوبكر بن محمد احمد بن
 سماعين بجرجان ثنا ابو عوانة موسى بن يوسف القحطان ثنا عباد بن
 موسى الخثمي ثنا ابن ابي فديك عن سليمان ابن يزيد الكهفي عن انس
 بن مالك رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ
 مُحَبِّبًا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا وَشَهِيدًا - وَفِي حَدِيثٍ عِبَادَةَ: "كُنْتُ لَهُ شَهِيدًا
 وَشَفِيعًا - وَقَالَ: "يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

اس حدیث کو محدث ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مشیر العزم الساکن" میں
 ذکر کیا ہے اور میں نے مذکورہ سند کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے اس کی سند کے ساتھ جو امین
 ابن الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان:

انا ابو عبدالله الحافظ ثنا علي بن عيسى ثنا احمد بن عبدوس بن
 حمدويه الصفار النسابوري ثنا ايوب بن الحسن ثنا محمد بن
 اسماعيل بن ابي فديك بالمدينة ثنا سليمان بن يزيد الكهفي عن انس
 بن مالك رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ
 بُعِثَ مِنَ الْأَمِينِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ زَارَنِي مُحَبِّبًا إِلَى الْمَدِينَةِ كَانَ فِي
 جَوَارِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ"

سند پر تبصرہ

یہ تین استاد ابن ابی فدیک کے گرد گھومتی ہیں اور وہ مجمع علیہ ہے۔ اور سلیمان
 بن یزید کو امین جہاں نے نکات میں ذکر کیا ہے۔ اور ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ ان کی
 حدیث منکر ہوتی ہے قوی نہیں۔

بارہویں حدیث:

مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي لَهُ سِعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِي فَلَيْسَ لَهُ عُدْرٌ

میری امت میں سے جس کسی کے پاس گنجائش ہو مگر پھر بھی وہ میری زیارت نہ کرے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔

حافظ ابو عبد اللہ محمد بن محمود ابن نجار اپنی کتاب "الدرّة الشمینة فی فضائل المدينة" میں بیان کرتے ہیں۔

أَبَانَا أَبُو مُحَمَّدٍ بِنِ عَلِيٍّ أَنَا أَبُو يَعْلَى الْأَزْدِيُّ أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْبَجَلِيُّ أَنَا
سَعِيدُ بِنِ أَبِي سَعِيدِ النَّيْسَابُورِيِّ أَنَا إِبْرَاهِيمُ بِنِ مُحَمَّدِ الْمُؤَدَّبِ أَنَا
إِبْرَاهِيمُ بِنِ مُحَمَّدِ ثَنَا مُحَمَّدُ بِنِ مُحَمَّدِ ثَنَا مُحَمَّدُ بِنِ مِقَاتِلِ ثَنَا جَعْفَرُ بِنِ
هَازُونَ ثَنَا سَمْعَانَ بِنِ الْمَهْدِيِّ عَنِ أَنَسِ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
"مَنْ زَارَنِي مَيِّتًا فَكَأَنَّمَا زَارَنِي حَيًّا وَمَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي
يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي لَهُ سِعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِي فَلَيْسَ لَهُ عُدْرٌ"

جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی۔ میری امت میں سے جس کسی کے پاس گنجائش ہو مگر پھر بھی وہ میری زیارت نہ کرے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔

تیرہویں حدیث :

مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ حَتَّى يَنْتَهِيَ إِلَى قَبْرِي كُنْتُ لَهُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ شَهِيدًا اَوْ قَالَ شَفِيعًا

جس شخص نے میری زیارت کی حتیٰ کہ میری قبر پر پہنچا میں قیامت
کے دن اس کو گواہ ہوں گا یا اس کا شفیع ہوں گا۔

(اس حدیث کو حافظ ابو جعفر عقیلی نے ”کتاب الضعفاء“ میں ذکر کیا ہے۔)

سند کا بیان :

قال : ثنا سعيد بن محمد الحضرمي ثنا فضلة بن سعيد بن زميل
المازني ثنا محمد بن يحيى المازني عن ابن جريج عن عطاء عن ابن
عباس الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ ” مَنْ زَارَنِي فِي مَمَاتِي كَانَ
كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَ مَنْ زَارَنِي حَتَّى يَنْتَهِيَ إِلَى قَبْرِي كُنْتُ لَهُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ شَهِيدًا اَوْ قَالَ شَفِيعًا “

حافظ ابن عساكر رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان :

أبَانَا به ابو محمد الدمياطي عن ابن هبة الله بسماعه منه انا ابو
البركات عبدالوهاب بن المبارك الانماطي انا ابوبكر محمد بن
المظفر الشامي انا ابو الحسن احمد ابن محمد العتيقي انا يعقوب بن
يوسف بن احمد الصيدلاني ثنا ابو جعفر محمد بن عمرو العقبلي.

آگے انہوں نے اپنی سند بیان کی ہے مگر متن میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔

مَنْ زَارَنِي فِي الْمَمَاتِ كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي اور باقی حدیث اسی طرح ہے۔

سند پر تبصرہ:

اس سند میں شعیب بن محمد الحضرمی ہیں اور شاید اس سند میں تصحیف ہے۔ اور فضالہ بن سعید، ان کے بارے میں عقیلی نے کہا ہے کہ ان کی حدیث محفوظ نہیں۔ اور محمد بن یحییٰ المازنی، ان کو ابن عدی نے اکامل میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان کی احادیث تاریک اور منکر ہیں۔ اور ابن عدی نے اس حدیث کو اپنی احادیث میں ذکر نہیں کیا۔ اور ان کے بارے میں کچھ تبصرہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی عقیلی نے فضالہ کے بارے میں کچھ کہا ہے سوائے یہ کہ راوی متفرد ہیں اور ان کی احادیث منکر ہیں۔

چودھویں حدیث:

مَنْ لَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي

جس نے میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا

حدیث کی سند کا بیان:

قال ابو الحسين يحيى بن الحسن بن جعفر الحسيني في كتاب " اخبار المدينة " ثنا محمد بن اسماعيل حدثني ابو احمد الهمداني ثنا النعمان بن شبل ثنا محمد بن الفضل مديني سنة ست و سبعين عن جابر عن محمد بن علي عن علي رضي الله عنه انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " مَنْ زَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَ مَنْ لَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي "

(جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا۔)

و قال الحافظ ابو عبدالله ابن النجار في " الدرّة الثمينة ": زوى عن

علی رضی اللہ عنہ کہ قال قال رسول اللہ ﷺ " مَنْ لَمْ يَزُرْ قَبْرِي فَقَدْ جَفَانِي "

(جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا۔)

ابوسعید عبدالملک بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری خرکوشی واعظ اپنی کتاب " شرف المصطفیٰ ﷺ " میں بیان کرتے ہیں۔

روی عن علی رضی اللہ عنہ کہ قال قال نبی اللہ ﷺ " مَنْ زَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي "

فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَ مَنْ لَمْ يَزُرْ قَبْرِي فَقَدْ جَفَانِي "

(جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری

زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی اس نے

میرے ساتھ ظلم کیا۔)

کتاب " شرف المصطفیٰ ﷺ " آٹھ جلدوں میں ہے اور اس کے مصنف

عبدالملک نیشاپوری ہیں جنہوں نے علوم شریعہ میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں ان کا وصال

۴۰۶ھ میں نیشاپور میں ہوا۔ وہاں ان کی قبر مشہور ہے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں اور

اس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ ان کے فقہ میں استاذ شیخ ابوالحسن الماسرجسی ہیں اور

انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک اور سند سے بھی بیان کی ہے۔ اس کی ابن

عسا کرنے تخریج کی ہے۔

أَبَانَا عَبْدِ الْمُؤْمِنِ وَ آخَرُونَ عَنْ ابْنِ الشَّيرَازِي أَنَا ابْنُ عَسَاكَرٍ أَنَا ابْنُ

الْعَزِاحِمِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَا ابْنُ مُحَمَّدِ الْجَوْهَرِيِّ أَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ

أَحْمَدِ بْنِ نَصِيرِ بْنِ عَرَفَةَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الصَّلْحِيِّ ثَنَا مُنْصُورُ بْنُ

قِدَامَةَ الْوَاسِطِيِّ ثَنَا الْمُصَفِيُّ ابْنُ أَبِي الْجَارُودِ ثَنَا عَبْدِ الْمَلِكِ بْنُ هَارُونَ

بْنِ عَنْتَرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: " مَنْ سَأَلَ

لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ الدَّرَجَةَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ

زَارَ قَبْرَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَانَ فِي جِوَارِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ . "

عبدالملک بن ہارون بن عنترہ پر بہت جرح کی گئی ہے۔ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مجروح قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حدیث کو منکر قرار دیا اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

پندرہویں حدیث:

مَنْ أَتَى الْمَدِينَةَ زَائِرًا لِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ
وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ آمِنًا.

جو شخص مدینہ منورہ میں میری زیارت کے لیے حاضر ہوا قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگی اور جو شخص دونوں حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن محفوظ و مامون اٹھایا جائے گا۔

حدیث کی سند کا بیان

امام یحییٰ الحسینی کتاب ”أخبار المدينة فی ما جاء فی زیارة قبر النبی ﷺ و فی السلام علیہ“ میں اس سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

ثنا محمد ابن يعقوب ثنا عبد الله بن وهب عن رجل عن بكر بن عبد الله عن النبي ﷺ قال ” مَنْ أَتَى الْمَدِينَةَ زَائِرًا لِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ آمِنًا“

جو شخص مدینہ منورہ میں میری زیارت کے لیے حاضر ہوا قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگی اور جو شخص دونوں حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن محفوظ و مامون اٹھایا جائے گا۔

اس طرح کی اور احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ ”جس شخص کے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ میری قبر کی زیارت کرے اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کرنی چاہیے۔“ ان روایات کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ”انبیائے کرام و صالحین کی قبور کی زیارت“ کے ذیل میں بیان کریں گے۔



دوسرا باب

اُن احادیث کا بیان جن میں
لفظِ زیارت نہیں لیکن وہ زیارت کی
فضیلت پر دلالت کرتی ہیں

سنن ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ ص سے یہ مروی ہے:

ما من أحد یسلم علی الا ردّ الله علی روحی حتی اردّ علیہ السلام۔

”جب مجھے کوئی سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے میری روح کو میری طرف لوٹا دیا

ہوا ہے تاکہ میں اُس کے سلام کا جواب دوں۔“

حدیث کی سند کا بیان

انا بذلك و بجمع سنن ابی داود شیخنا الحافظ ابو محمد الدمیاطی بقراءتی علیہ لبعضها و قراءۃ علیہ و انا اسمع لباقیها قال انا بجمعها ابو الحسن ابن ابی عبداللہ بن ابی الحسن البغدادی قراءۃ علیہ و انا اسمع عن ابی المعالی الفضل بن سهل بن بشر الاسفراینی عن الخطیب ابی بکر احمد بن علی بن ثابت الحافظ قال شیخنا و انا ایضا ابو الحسن عن الحافظ ابی الفضل محمد بن ناصر بن محمد بن علی الفارسی الاصل السلامی قال أخبر الشیخان ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عمر بن السمرقندی المقری و العدل الفقیہ ابو الحسن محمد بن محمد بن محمد بن الحسن بن محمد الفراء الحنبلی قال انا الخطیب و فات ابن السمرقندی الجزء السابع و العشرون فرواه عن الخطیب بالاجازة . قال ابن ناصر و قرأت هذا الكتاب مرارا علی الشیخ الصالح ابی غالب محمد بن الحسن بن علی البصری الماوردی قال انا ابو علی بن احمد بن علی التستری قال انا ابو عمر القاسم بن جعفر ابن عبدالواحد الهاشمی انا ابو علی محمد بن احمد بن عمرو اللؤلؤی ثنا ابو داود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السجستانی قال ثنا محمد بن عوف ثنا المقریء ثنا حیوة عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبداللہ بن قسیط عن ابی ہریرة فذکره بلفظه .

سند پر تبصرہ:

یہ اسناد صحیح ہے۔ اور اس میں رواۃ کا حال یہ ہے۔

۱۔ محمد بن عوف: یہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ جلیل اور حافظ ہیں۔ ان کا اعتبار کیا جاتا ہے (لا یسنل عنہ)

۲۔ المقرئ ۲۔ حیوۃ ۳۔ اور یزید بن عبد اللہ بن قسیط یہ ”متفق علیہم“ ہیں۔

حمید بن زیاد کے بارے میں آراء:

۱۔ ان سے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے: لیس بہ بأس۔ اور یہی رائے امام ابو حاتم کی ہے۔

۳۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے: ثقہ لیس بہ بأس۔ ابن معین سے روایت کی گئی ہے کہ یہ ان کو ”ضعیف“ کہتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے کی صورتیں:

حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک کا مقصد تو دعا ہے جیسے کہ ہم کہتے ہیں: ”صلی اللہ علیہ وسلم“ (اے اللہ تعالیٰ! حضور نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام نازل فرما۔) یہ تو دعا ہے۔ سلام بھیجنے والے کو مسلم اور صلوٰۃ بھیجنے والے کو مصلن کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا [الاحزاب: ۵۶]

اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی اکرم پر۔ اے ایمان والو! رحمت بھیجو آپ پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

صحیحین کی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے پس آپ پر صلوٰۃ کیسے بھیجیں؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

قُولُوا: " اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اور فرمایا: سلام تو وہی ہے جو تم جانتے ہو۔"

علمائے کرام نے کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلام کا طریقہ وہی ہے جو التحیات میں بتایا گیا ہے۔ یعنی " السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهُ " صلوٰۃ و سلام کی اس قسم میں بہت سی روایتوں میں علی محمد کی بجائے علی رسول اللہ کا لفظ منقول ہے۔ اس سلسلے میں حضرت فاطمہ اللہ عنہا سے روایت ہے۔

روی عن فاطمة بنت النبی ﷺ ورضی اللہ عنہا قالت قال لی رسول اللہ ﷺ: " اِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ فَقُولِي بِسْمِ اللّٰهِ وَ السَّلَامِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَ اغْفِرْ لَنَا وَ سَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، فَاِذَا فَرَعْتَ فَقُولِي مِثْلَ ذَلِكَ غَيْرَ اَنْ قُولِي وَ سَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ فَضْلِكَ " (رواه القاضي اسماعیل بهذا اللفظ)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تو مسجد میں داخل ہو تو اس طرح کہہ " بِسْمِ اللّٰهِ وَ السَّلَامِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَ اغْفِرْ لَنَا وَ سَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ " اور جب تو نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلے تو بھی یہی کہا کر اور سہل لنا ابواب رحمتك کی بجائے سہل لنا ابواب فضلك کہا کر۔" قاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

و عن فاطمة رضی اللہ عنہا قالت: " کَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ
الْمَسْجِدَ يَقُولُ بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي
ذُنُوبِي وَ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، وَإِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ
عَلَي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ "

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل
ہوتے تو اس طرح فرماتے " بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي
ذُنُوبِي وَ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ " اور جب نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلتے تو
بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ
فَضْلِكَ " اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کی یہ قسم خطاب (الصلوة و السلام عليك يا
رَسُولَ اللَّهِ ﷺ) اور غیبت (الصلوة و السلام على رَسُولِ اللَّهِ ﷺ) کے الفاظ کے
ساتھ آئی ہے اور اس قسم میں اسی طرح صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے۔ خواہ پڑھنے والا دربار
نبوی سے غائب ہو یا دربار میں حاضر ہو اور صلوٰۃ و سلام کی یہی قسم ہے جو حضور نبی
اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے کسی غیر کے لئے صرف تبعاً استعمال کی جاسکتی ہے۔

سلام کی دوسری قسم:

اس سے مراد یہ ہے کہ سلام اس طرح کیا جاتا ہے جس طرح کوئی آنے والا
آپ ﷺ کی بارگاہ میں سلام کرتا ہے۔ اور یہ سلام حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں
اور بعد از وصال ایک ہی طرح سے ہے اور یہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ
بالتبع عام مسلمان بھی باہم کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر مبارک کے
پاس پہنچتے تو یوں عرض کرتے:

" السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا

ابنہ "

اور یہ بھی دونوں طریقوں سے آپ سے مروی ہے۔ خطاب کے لفظ کے ساتھ بھی اور غائب کے لفظ سے بھی۔ سلام کی اس قسم کا تقاضا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی جانب سے اس کا جواب بھی ہو اور حضور نبی اکرم ﷺ یقیناً اس کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ خواہ سلام کرنے والا خود قبر شریف کے پاس پہنچا ضر ہو یا اس نے کسی قاصد کے ذریعہ سلام بھجوایا ہو جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ شام سے قاصد روانہ کیا کرتے تھے تاکہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں اُن کا سلام پہنچا دے۔ دوسری قسم کے سلام میں سلام کرنے والے کو یقیناً جواب ملنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

پہلی قسم میں یہ شرف حاصل ہوتا ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے اس صورت میں بھی جواب ملتا ہو۔ تاکہ مسلمانوں کو جواب کی برکت ہر حالت میں حاصل ہو جایا کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص دربار نبوی میں حاضر ہوا ہے اُس کو یقیناً قرب کی فضیلت مزید حاصل ہوتی ہے اور اگر جواب کا ملنا صرف سوال کی دوسری قسم کے ساتھ خاص ہے تو وہ شخص جو دربار میں حاضر نہیں ہے اُس کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو اس فضیلت سے محروم نہ کرے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

أَتَانِي مَلِكٌ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ رَبُّكَ يَقُولُ "أَمَا يُرْضِيكَ أَنْ لَا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا"

(رواه القاضي اسماعيل)

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "میرے پاس فرشتہ آیا اور عرض کیا۔ اے محمد! آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ جو آپ پر ایک بار صلوة بھیجتا ہے اُس پر دس بار صلوة بھیجتا ہوں اور جو تمہیں ایک بار سلام کرتا ہے میں اُس پر دس بار سلام بھیجتا ہوں؟" صاف ظاہر اس حدیث کا تعلق سلام کی قسم اول سے ہے۔

فصل:

جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجتا ہے آپ ﷺ کو

اس کا علم ہو جاتا ہے

روى عن عبدالله بن مسعود رضي عنه عن النبي ﷺ قال: "إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً
سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ"

حضرت ابن مسعود رضي عنه نے حضور نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کچھ فرشتے روئے زمین پر گھومتے پھرتے ہیں جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے وہ اُس کو میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔

اس کو امام نسائی اور قاضی اسماعیل رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ اور ان دو کے علاوہ دیگر نے بھی روایت کیا ہے اور یہ اسانید صحیحہ ہیں۔ اور اس کی سند اس طرح ہے۔ سفیان ثوری عن عبدالله بن السائب ہکذا فی کتاب القاضی اسماعیل و عبدالله بن السائب و زاذان۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے روایت کیا ہے۔ اور ان کو امام ابن معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ پس یہ سند صحیح ہے۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت علی رضي عنه سے بھی منقول ہے۔

رواه ابو جعفر محمد بن الحسن الاسدی عن سفیان الثوری عن
عبدالله بن السائب عن زاذان عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ :
"إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً يَسْبُحُونَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونَ صَلَاةً مَنْ صَلَّى عَلَيَّ
مِنْ أُمَّتِي"

حضرت ابن مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت اس طرح ہے۔

قال الدارقطني المحفوظ عن زاذان عن ابن مسعود "يُبلغوني عن
أمّتي السّلام"

حضرت ابن مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت میں الفاظ اس طرح ہیں۔ "مجھے
میرے امت سے سلام پہنچاتے ہیں۔"

بکر ابن عبداللہ المزنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے
ارشاد فرمایا:

"حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُونَ وَ يُحَدِّثُ لَكُمْ فَإِذَا مِتُّ كَانَتْ وَفَاتِي خَيْرًا
لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَإِنْ رَأَيْتُ خَيْرًا حَمِدْتُ اللَّهَ وَإِنْ رَأَيْتُ غَيْرَ
ذَلِكَ اسْتَغْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ"

"میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے تم مجھ سے اور میں تم سے باتیں کرتا ہوں۔
اور جب میری وصال ہو جائے گا تو میرا وصال تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ تمہارے اعمال
میرے سامنے پیش کئے جائیں گے اگر میں خیر دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور اگر
برائی دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ سے تمہاری مغفرت چاہوں گا۔"

قال ايوب السخيتاني: "بلغني والله أعلم ان ملكًا مؤكل بكل من
صلى على النبي ﷺ حتى يبلغه النبي ﷺ."

ايوب سخيتاني نے فرمایا: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا
ہے اور وہ بات یہ ہے کہ ہر اس شخص پر جو حضور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتا ہے ایک
فرشتہ مقرر ہوتا ہے جو درود کو حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچا دیتا ہے۔

قاضي اسماعيل رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب "فضل الصلوة على النبي ﷺ" میں
روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"لا تجعلوا بيوتكم قبورا و صلوا علي و سلموا حيث كنتم تسيلغني
سلامكم و صلاتكم" (رواه ابو داود)

”اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود و سلام بھیجا کرو۔
وہ تمہارا درود و سلام مجھ تک پہنچ جائے گا۔“

ابن عسا کر رحمہ اللہ تعالیٰ نے مختلف سندوں سے یہ حدیث بیان کی ہے۔
حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

” ان الله اعطاني ملكا من الملائكة يقوم على قبري اذا انا مت فلا
يصلني على عبد صلاة الا قال يا احمد! فلان بن فلان بن فلان يصلني
عليك، يسميه باسمه و اسم ابيه فيصلني الله عليه مكانها عشرا“

”اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک فرشتہ عطا فرمایا ہے جو میری قبر پر میرے مرنے کے
بعد حاضر رہے گا اور جو بھی مجھ پر درود بھیجے گا وہ مجھ سے کہے گا اے احمد مجتبیٰ! آپ پر
فلاں ابن فلاں نے درود بھیجا ہے۔ وہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ
اس شخص پر دس بار رحمتیں نازل فرمائے گا۔“

ایک اور روایت میں الفاظ اس طرح ہیں۔

” ان الله اعطى ملكا من الملائكة اسماء الخلائق و فى رواية اسماع
الخلائق فهو قائم يلى قبري الى يوم القيامة.“

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ میں سے ایک کو تمام مخلوقات کے نام دے دیے ہوئے ہیں
پس وہ قیامت تک میری قبر کے ساتھ لگ کر کھڑا ہے (تا کہ سلام عرض کرنے والوں کے
نام لکھتا رہے۔)

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول:

و عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: ” ليس أحد من أمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم
يصلني عليه صلاة الا و هي تبلغه يقول له الملك فلان يصلني عليك كذا
و كذا صلاة“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو کوئی بھی آپ پر درود بھیجتا ہے تو وہ آپ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔ ایک فرشتہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے کہ فلاں نے آپ پر اتنی بار درود بھیجا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ درود بھیجنے والے کا درود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جاتا ہے۔

جمعہ کے دن صلاۃ و سلام کی اہمیت:

اوس ابن اوس کی روایت سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابوداؤد میں منقول ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

” ان من افضل ايامکم يوم الجمعة فاکثروا علی من الصلاۃ فیہ فان صلاتکم معروضۃ علیّ، قال فقالوا یا رسول اللہ و کیف تعرض صلاتنا علیک و قد اومت؟ قال یقولون بلیت، قال ان اللہ حرّم علی الارض اجساد الانبیاء“

”تمہارے دنوں میں سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے۔ اُس میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ اس لئے کہ تمہارے درود میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ ہم نے عرض کیا کیا ہمارے درود آپ پر کس طرح پیش ہوں گے، آپ تو مٹی بن چکے ہوں گے؟ (آپ کا جسم مٹی ہو چکا ہوگا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جسم کھائے۔“

حدیث کی سند:

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث مذکور کو ایک اور سند سے بیان کیا ہے جس کو انہوں نے کتاب الجنائز کے آخر میں بیان کیا ہے۔ اور اس کے متن

میں الفاظ کی زیادتی ہے۔

انا اقضى القضاة ابوبكر محمد بن عبدعظيم بن علي الشافعي المعروف بابن السقطي بقراءتي عليه بجميع سنن ابن ماجه قال انا ابوبكر عبدالعزیز ابن احمد ابی الفتح بن یاقا اجازة قال انا ابو زرعة طاهر بن محمد طاهر المقدسی سماعا الا ما عین فی الكتاب باجازته من ابی زرعة و هذا الحديث من المسموع ، قال انا ابو منصور محمد بن الحسين ابن احمد بن الهيثم المقومی اجازة ان لم یکن سماعا۔ ثم ظهر سماعه منه ۔ انا ابی طلحة القاسم بن ابی المنذر الخطیب انا ابو القاسم علی بن ابراهیم بن سلمة بن بحر القطان ثنا ابو عبدالله محمد بن یزید بن ماجه ثنا عمرو بن سوار المقری ثنا عبدالله بن وهب عن عمرو بن الحارث عن سعید بن ابی هلال عن زید ابن ایمن عن عبادة بن نسی عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ : " أكثروا الصلاة علیّ يوم الجمعة فانه مشهود تشهدہ الملائكة و ان احدا لن یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلواته حتی یفرغ منها قال قلت : بعد الموت؟ قال و بعد الموت ، ان الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الأنبياء الطيبين فنبی الله حی یرزق "

یہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں اور اس میں " حتی یفرغ منها " کے الفاظ کا اضافہ ہے۔ اور حتی کے لفظ کا فائدہ یہ ہے کہ یہ درود شریف بغیر کسی تاخیر کے فوری پیش کر دیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث مرسل کے الفاظ یہ ہیں۔

عن الحسن عن النبی ﷺ : " أكثروا علیّ الصلاة يوم الجمعة فانها تعرض علیّ "

قاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے حسن کے واسطے سے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ کہ ”مجھ پر جمعہ کے دن کثرت کے ساتھ درود بھیجا کرو کیونکہ وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔“

اسی طرح امام ابو بکر احمد بن محمد اسحاق بن انس نے کتاب عمل یوم و لیلۃ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: " أكثروا الصلاة على يوم الجمعة "

اس حدیث کی سند پر بحث کرنے کے بعد امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی جس کی سند کو عمدہ قرار دیا گیا ہے اُس کے الفاظ ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" أكثروا على من الصلاة في كل يوم الجمعة فان صلاة امتي تعرض على في كل يوم جمعة فمن كان أكثرهم على صلاة كان أقربهم مني منزلة "

”ہر جمعہ کو میرے اوپر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ ہر جمعہ کو میری امت کے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، جس کے درود زیادہ ہوں گے وہ قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب ہوگا۔“

یزید الرقاشی کی روایت ہے کہ ایک فرشتہ جمعہ کے دن اس بات کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے کہ درود بھیجنے والا کا درود حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچائے اور کہے کہ آپ کی امت کے فلاں شخص نے آپ ﷺ پر درود بھیجا ہے۔

حضرت ابو طلحہ کی ایک روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

عن ابی طلحة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: " اتانی جبرئیل ﷺ قال بشر امتك ، من صلی عليك صلاة كتب الله له بها عشر حسنات "

و کفر عنه بها عشر سینات و رفع له بها عشر درجات و ردة الله علیه
مثل قوله و عرضت علی یوم القيامة“ (رواه ابن عساکر)

”میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا کہ اپنی امت کو آپ خوشخبری دیدیں کہ ان
میں سے جو کوئی آپ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتا
ہے اور دس گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے اور اس کے دس رتبے زیادہ کر دیتا ہے اور اس کا
درود مجھ پر قیامت کے دن پیش ہوگا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض احادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پیش ہونے کا وقت وہی بیان کیا
گیا ہے جس وقت درود بھیجنے والے نے درود بھیجا ہے اور بعض احادیث میں جمعہ کے دن کا
وقت قرار دیا گیا ہے اور کچھ احادیث میں مذکور ہے کہ درود قیامت کے روز حضور نبی اکرم
ﷺ پر پیش کئے جائیں گے۔ ان احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لئے کہ درود بار بار
پیش کئے جاتے ہیں۔ درود بھیجنے کے ساتھ ہی وہ درود پیش کر دیا جاتا ہے پھر جمعہ کے دن،
اور اسی طرح قیامت کے دن بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث صراحتاً بیان کرتی
ہیں کہ ہر وہ شخص جو آپ ﷺ پر سلام پیش کرتا ہے وہ آپ تک پہنچتا ہے۔ اور وہ دونوں
احادیث صحیح ہیں۔ اور حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس طرح کی دیگر احادیث یہ
بتلاتی ہیں کہ آپ ﷺ کے وصال فرمانے سے درود کے پہنچنے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور
ان تمام احادیث کو ہمارا بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم یہ واضح کریں کہ درود پاک آپ پر
پیش کیا جاتا ہے۔ اور ملائکہ کا آپ کی بارگاہ میں درود پیش کرنا یہ صاف ظاہر ہے اس شخص
کے حوالے سے ہے جو حاضر نہ ہو اور رہا اس شخص کا معاملہ جو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر
درود پاک پیش کر رہا ہے تو کیا اس کا درود بھی ملائکہ کے ذریعہ حضور نبی اکرم ﷺ پر درود کا
پیش ہوتا ہے یا آپ براہ راست اس کو سماعت فرماتے ہیں، اس سلسلہ میں دو حدیثیں مذکور

ہیں۔ ایک حدیث تو یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیا بلفته ، و فی روایة

نائیا منه ابلغت؟ و فی روایة نائیا من قبری ، و فی روایة عن قبری

”جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اُس کو سن لیتا ہوں

اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

الحديث الثاني:

ما من عبد یسلم علی عند قبری الا و کل بها ملک لیبلغنی و کفی امر

آخرته و دنیاہ و کنت له شهيدا و شفيعا یوم القيامة.

”جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر سلام پیش کرتا ہے، اس پر ایک فرشتہ

مقرر کر دیا جاتا ہے تاکہ مجھے وہ سلام پہنچائے اور یہ بات اُس کی دُنیا و آخرت کی بھلائی کے

لئے کافی ہے۔ اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا۔

و فی روایة: ” من صلی علی عند قبری و کل الله بها ملکا یبلغنی و

کفی امر دنیاہ و آخرته و کنت له شهيدا و شفيعا یوم القيامة.“

دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں۔ ”جو مسلمان میری قبر پر آکر درود پیش کرتا ہے

اُس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ درود مجھ تک پہنچا دے اور یہ بات اُس

کی دُنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے کافی ہے اور میں قیامت کے روز اُس کا گواہ اور سفارشی

ہوں گا۔“

یہ دونوں احادیث محمد بن مروان السدی الصغیر سے مروی ہیں اور وہ ضعیف ہیں

اگر ان کی سند اس واسطے سے ہو ”عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ“

اور رہی پہلی حدیث جس میں یہ مذکور ہے کہ قریب آکر درود پیش کرنے والے

سکے درود کو میں براہ راست سُنتا ہوں۔“ اس حدیث کی سند اس طرح ہے۔

احمد بن علی الحبرانی و یوسف بن الضحاک الفقیہ و محمد بن عثمان ابن ابی شیبہ و احمد بن ابراہیم بن ملحان و عیسیٰ بن عبد اللہ الطیالسی و لیث بن نصر الصاغانی و الحسن بن عمر بن ابراہیم الثقفی کلہم عن العلاء بن عمرو الحنفی عن محمد بن مروان السدی اور دوسری حدیث کی سند اس طرح ہے۔

رواہ محمد بن عبد اللہ بن ابراہیم الشافعی و ابو الحسن احمد بن عثمان الآدمی و ابو عبد اللہ الصفار و محمد بن عمر ابن حفص النیسابوری کلہم عن محمد بن یونس بن موسیٰ الکلدی، و فی بعض هذا عن محمد بن موسیٰ نسبة الی جده عن الاصمعی عبد الملک ابن قریب عن محمد بن مروان السدی عن الاعمش

اور حدیث پہلی سے زیادہ ضعیف ہے کیونکہ اس میں الکلدی کا ضعف السدی کے ساتھ مل گیا ہے۔ اور پہلی حدیث میں سدی جو کہ اضعف ہیں وہ نہیں ہیں۔

اب ہم وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ جو شخص قبر کے پاس آکر سلام کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اُس کو براہِ راست سنتے ہیں اور اُس کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اُس شخص کی حاضری حضور نبی اکرم ﷺ کے علم میں ہوتی ہے اور یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ اُس کے حاصل کرنے کے لئے دُنیا کی دولتیں لٹائی جاسکتی ہیں۔

سلیمان بن تحیم کا خواب:

سلیمان ابن تحیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا: یا ربہول اللہ! یہ لوگ قبر کے پاس آکر آپ ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ کو اُن کے سلام کا علم ہوتا ہے؟ حضور نبی اکرم نے فرمایا: بیشک۔ اور میں اُن کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ابراہیم بن بشار کا واقعہ:

حضرت ابراہیم ابن بشار رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ میں نے ایک بار حج کیا مدینہ منورہ پہنچا تو حضور ﷺ کی قبر کے پاس پہنچ کر میں نے سلام عرض کیا اور میں نے حجرہ کے اندر سے وعلیکم السلام کی آواز سنی۔

”رذہ اللہ روحی“ کا معنی:

بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتے ہیں۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی تو یہ ہیں۔ حافظ ابو بکر البیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد دوبارہ حضور نبی اکرم ﷺ کے جسد اطہر میں روح لوٹا دی گئی ہے تاکہ آپ ﷺ سلام کرنے والوں کا جواب دے سکیں اور اب وہ روح مستقلاً حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم مبارک میں ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک جناب باری تعالیٰ میں مشغول رہتی ہے اور ملاء اعلیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ جب کوئی سلام کرتا ہے تو روح مبارک سلام پیش کرنے والے کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس سلام کو سننے کے بعد اس کا جواب دیتی ہے۔



تیسرا باب

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی
 زیارت کے لیے سفر کرنا اور اس بارے میں
 وارد ہونے والی احادیث مبارکہ کا بیان

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے زیارتِ قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے سفر ثابت ہے اُن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ وہ محض قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے شام سے چل کر مدینہ منورہ آئے۔

حافظ ابو القاسم ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے اور عبدالغنی مقدسی نے ”الکمال“ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی کسی کے لیے آذان نہیں دی، سوائے اس سفر کے جو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لئے شام سے مدینہ تک کیا تھا۔ اور پھر جب مدینہ پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر انہوں نے آذان دینی شروع کی، لیکن آذان پوری نہ کر سکے۔ اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں آذان دی تھی۔

ابن عساکر کی سند کا بیان:

ابانا عبد المؤمن بن خلف ع علی بن محمد بن ہارون و غیرہما
قالوا ان القاضی ابو نصر بن ہبہ اللہ بن محمد بن ممیل الشیرازی
اذنا ان الحافظ ابو القاسم علی بن الحسین بن ہبہ اللہ بن عساکر
الدمشقی قراءۃ علیہ وانا اسمع قال انا ابو القاسم زاهر بن طاهر قال
انا ابو سعید محمد بن عبد الرحمن قال انا ابو احمد محمد بن
محمد انا ابو الحسن محمد بن سلیمان بن بلال بن ابی الدرداء
حدثنی ابی محمد بن سلیمان عن ابیہ سلیمان بن بلال عن ام الدرداء
عن ابی الدرداء قال لما دخل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ من فتح بیت
المقدس..... فزوجوہما.

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فتح بیت

المقدس کے بعد روانہ ہوئے اور جابیہ کی طرف گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ انہیں شام میں ہی رہنے کی اجازت دے دیں۔ پس انہوں نے اجازت دے دی۔ پھر انہوں نے کہا اور میرے بھائی ابو رویحہ رضی اللہ عنہ جن کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری موآخات کرائی تھی۔ پس آپ اور آپ کے بھائی دونوں شہر خولان میں قیام پذیر ہو گئے۔ پھر وہ دونوں خولان کے لوگوں کے پاس گئے اور انہیں کہنے لگے: ہم تمہارے پاس نکاح کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ہم کافر تھے پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور ہم غلام تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزاد فرمایا اور ہم دونوں مفلس تھے پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں غنی کر دیا۔ پس اگر تم ہمیں رشتہ دے دو تو الحمد للہ اور اگر تم ہمیں واپس لوٹا دو تو ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ پس ان لوگوں نے ان کا نکاح کروا دیا۔

ایک روز حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے بلال! یہ کیا ظلم و جفا ہے، کیا یہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کے لئے آؤ؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہوئے تو ان پر بہت خوف اور رنج طاری تھا فوراً شام سے مدینہ طیبہ کیلئے روانہ ہو گئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پہنچ کر رونا اور اس پر چہرے کو رگڑنا شروع کر دیا۔ اتنے میں حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما آگئے ان کو دیکھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کو سینے سے چمٹا لیا اور پیار کرنا شروع کر دیا ان دونوں نے کہا اے بلال! ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمیں وہ اذان سناؤ، جو آپ ہمارے نانا جان کے لئے دیا کرتے تھے۔ اس پر وہ آذان دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ مسجد نبوی کی چھت پر اس جگہ پہنچے جہاں کھڑے ہو کر وہ آذان دیا کرتے تھے۔ آذان کے شروع میں اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تھا کہ مدینہ میں بھونچال آ گیا جب اشہد ان لا الہ الا اللہ کہا بھونچال اور بڑھ گیا۔ جب اشہد ان محمد رسول اللہ کہا تو بچے اور عورتیں روتے پیتے گھروں سے باہر نکل آئے اور ان کو یہ کہنے لگے کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبارہ تشریف آوری ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دن کے علاوہ مدینہ میں اس دن سے زیادہ آہ و بکا نہیں سنی گئی تھی۔

ابن عساکر نے اس روایت کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات میں ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو رومیہ ان کا نام عبد اللہ بن عبد الرحمن الخثمی ہے۔ اور طبقات میں ہے کہ ان کی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مواخات کو محمد بن عمر نے ثابت نہیں کیا مگر ابن اسحاق وغیرہ نے اس کو ثابت کیا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لئے سفر پر استدلال محض خواب کی بات سے نہیں ہے بلکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ صحابی رسول کے عمل سے ہے۔ خصوصاً جبکہ ان کا یہ عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا ہے۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ سارا قصہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا خواب ان سے مخفی رہا ہو۔ نیز جبکہ یہ ثابت ہے کہ شیطان حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیس میں کسی کے خواب میں نہیں آ سکتا ہے اور یہ خواب جو کسی شرعی حکم کے خلاف بھی نہیں ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فعل کا مؤکد ہے یہ بات بھی مشہور ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ شام سے مدینہ کو اپنا قاصد روانہ کیا کرتے تھے تاکہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پہنچ کر ان کا سلام پیش کرے۔

امام ابو بکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم نے فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سفر شام سے اور تابعین کے زمانہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے قاصد کا سفر محض زیارت قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلام کے لئے تھا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ دنیوی تھا نہ دینی۔ ہم یہ وضاحت اس لئے کر رہے ہیں تاکہ کوئی بے علم یہ نہ کہے کہ صرف زیارت کے لیے سفر سنت نہیں۔ ہم اس کا رد کسی اور مقام پر کریں گے۔

وہ لوگ جنہوں نے کسی ضرورت کی بناء پر مدینہ طیبہ کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی یا ان کے قصد کی بنیاد کسی حاجت اور زیارت دونوں پر تھی ایسے افراد تو بے شمار ہیں۔ یزید ابن ابی سعید کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملنے گیا۔ جب میں ان کے پاس سے چلنے لگا تو فرمایا کہ میری تم سے ایک حاجت ہے اور وہ یہ کہ جب تم مدینہ پہنچ کر قبر نبی کی زیارت کرو گے اس وقت میرا بھی سلام عرض کر دینا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے بزرگوں سے بھی اس طرح کی بات منقول ہے۔

ابو الیث سمرقندی نے فتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ ابو القاسم نے فرمایا: جب میں

نے مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ کیا تو قاسم بن غسان نے کہا میری تم سے ایک گزارش ہے جب تم قبر نبی ﷺ کے پاس پہنچو تو میرا سلام عرض کر دینا۔ پس جب میں نے مسجد نبوی میں اپنا قدم رکھا تو مجھے ان کا وہ پیغام یاد آیا۔

فقیر ابو الیث نے فرمایا اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی خود مدینہ نہ پہنچ سکے اور دوسرے کے ذریعہ سلام پہنچائے تو ان شاء اللہ اس کو بھی سلام کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ اور ”فتوح الشام“ میں مذکور ہے کہ جس وقت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں مقیم تھے انہوں نے ایک خط حضرت میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس میں ان سے بیت المقدس پہنچنے کی درخواست کی۔ حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو شب کا وقت تھا فوراً مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر پہنچ کر سلام عرض کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر پر بھی سلام عرض کیا۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس والوں سے صلح کر لی۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں پہنچے اور اسلام لے آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت زیادہ خوش ہوئے اور ان سے فرمایا: کیا تمہاری خواہش نہیں کہ میرے ساتھ مدینہ چلو اور حضور اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری دو۔ اور آپ ﷺ کی زیارت سے لطف اندوز ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! میں ضرور ایسا کروں گا۔ اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جس وقت مدینہ پہنچے سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

مؤرخین اور محدثین بیان کرتے ہیں جن میں ابو عمر بن عبد البر نے استیعاب میں اور بلاذری نے ”تاریخ الاشراف“ میں اور ابن عبد ربہ نے ”المعقد“ میں ذکر کیا ہے کہ زیاد ابن ابیہ نے حج کا ارادہ کیا تو اس کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے وہ براہ راست اس سے بات نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اس تک اپنی بات پہنچانے کی یہ تدبیر کی کہ اس کے چھوٹے بیٹے کو گود میں بٹھالیا اور اس بچے کو خطاب کر کے باتیں کرنے لگے تاکہ زیاد ان کی بات سن لے۔ اس بچے سے کہا کہ تیرے باپ کے یہ یہ کالے کارنامے ہیں۔ اور وہ اس سال حج کو جا رہا ہے۔ لامحالہ مدینہ بھی جائے گا وہاں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا زوجہ النبی بقید حیات ہیں وہ ان سے ملنے ضرور

جائیگا۔ اب اگر انہوں نے ملنے کی اجازت دیدی تو یہ ایک بڑی مصیبت والا کام ہوگا وہ رسول اکرم ﷺ سے خیانت کرینگی اور اگر انہوں نے اجازت نہ دی تو یہ اس کے خلاف بڑی دلیل بن آئے گی۔ زیاد نے جب یہ باتیں سنیں تو اس سال حج کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔ اس واقعہ کو بلاذری نے روایت کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے اس بارے تین اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۔ اس نے حج کیا مگر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ سے زیارت بارگاہ نبوی ﷺ نہیں کی۔

۲۔ وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور اس نے ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضری کا ارادہ کیا مگر اس کو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا قول یاد آ گیا پس یہ واپس لوٹ گیا۔

۳۔ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس سے حجاب فرمایا اور اس کو داخلہ کی اجازت نہیں دی۔

واقعہ سے استدلال:

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت حاجی کے لیے بارگاہ نبوی ﷺ کی زیارت ایک لازمی بات تھی ورنہ ممکن ہے زیاد کسی اور طریقے سے حج کرتا کہ اسے مدینہ منورہ جانا ہی نہ پڑتا بلکہ مدینہ منورہ سے ہٹ کر سفر کرنا اس کے لیے آسان تھا کیونکہ وہ عراق میں تھا اور عراق سے مکہ آنے میں آسانی ہے لیکن دراصل ان کے نزدیک مدینہ کی حاضری ایسا فعل تھا جس کو ترک نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اسلاف کے ہاں اس امر میں اختلاف ہے کہ جب انسان حج یا عمرہ کو جائے تو پہلے مدینہ منورہ جائے یا مکہ المکرمہ۔ اس مسئلہ کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "المناسک الکبیر" میں ذکر کیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ ان سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو پہلے مدینہ منورہ جائے پھر مکہ المکرمہ؟ تو انہوں نے عبدالرحمان ابن یزید اور عطاء اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ جب حج کر چکے تو اگر چاہے مدینہ ہو آئے۔ اور حضرت اسود رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا خرچہ اور سفر اس

طرح ہو کہ میں پہلے مکہ المکرمہ جاؤں پھر مدینہ المنورہ۔ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ جب تو مکہ جائے تو ہر چیز کو اس کے تابع بنا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ حضرت ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی منقول ہے کہ تو جب حج کرے تو پہلے مکہ جا پھر مدینہ جا۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ عدی بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت پہلے مدینہ جاتی تھی پھر مکہ معظمہ اور یہ کہتی تھی کہ ہم اس جگہ سے احرام باندھیں گے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا۔

ابن ابی شیبہ نے بھی پہلے مدینہ جانے کی فضیلت کا ذکر کیا ہے اور حضرت علقمہ و اسود اور عمرو ابن میمون رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ابتداء مدینہ سے کی ہے۔ ابن قدامہ نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنی پہلی حج کے ارادے سے چلے اور وہ شام سے آنے والا نہ ہو (کیونکہ شام سے آئے گا تو مدینہ منورہ مکہ سے پہلے آئے گا) تو وہ پہلے مختصر راستہ سے مکہ المکرمہ پہنچے اور مناسک حج سے فارغ ہو کر مدینہ المنورہ جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ابتداء مدینہ جانے سے ایسی صورت پیش آجائے کہ اس کا حج ہی فوت ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس کے لئے ہے جو حج کا سفر کرے اور اگر عمرہ کا سفر ہے تو اس میں عمرہ فوت ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ لہذا اس سے متعلق یہ قول نہ ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی یہی ہے: احسن یہ ہے کہ مکہ سے آغاز کرے۔ یہ قول حسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

اب غور کریں کہ تمام بزرگوں نے مدینہ المنورہ جانے کا ذکر کیا ہے، خواہ مکہ المکرمہ سے پہلے خواہ اس کے بعد۔ اور ظاہر ہے کہ مدینہ جانے میں اہم مقصد زیارت قبر نبی ہے۔ محض مسجد نبوی کی نماز کی فضیلت مدینہ جانے کا سبب نہیں ہے ورنہ نماز کی فضیلت تو مسجد بیت المقدس میں بھی ہے اور وہاں پہنچنے کا ایسا جذبہ نہیں ہے جیسا کہ مدینہ پہنچنے کا۔ تو معلوم ہوا کہ مدینہ المنورہ پہنچنے کا قصد و ارادہ زیارت قبر نبی سے ہی متعلق ہے اور اگر نماز کی فضیلت سبب ہے بھی تو وہ بالتبع ہے۔

بعض بزرگوں کے پہلے مدینہ جانے کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے میقات سے احرام باندھنا چاہتے تھے، ہو سکتا ہے کہ یہ بھی مقصد ہو لیکن صرف اسی کو مقصد قرار نہیں دیا جاسکتا ہے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر ملک کا علیحدہ میقات مقرر فرما دیا ہے۔ وہ کوئی تابعین جن سے پہلے مدینہ جانا منقول ہے۔ ان سے اگرچہ اس کی کوئی وجہ منقول نہیں ہے لیکن یقیناً ان کے نزدیک مدینہ پہنچ کر زیارت کی سنت کو ترجیح دینا وجہ ہوگی۔ ورنہ اگر محض میقات النبی ﷺ کی متابعت فوت ہو چکی تھی وہ پھر مدینہ نہ آتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچ جاتے تھے۔

ابوبکر محمد ابن الحسین الآجری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الشریعہ میں ”باب دفن ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما مع النبی ﷺ“ میں تحریر کیا ہے۔ علمائے حجاز، علمائے عراق، علمائے شام، علمائے خراسان، علمائے اہل یمن، خواہ وہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے جس نے بھی کتاب المناسک لکھی ہے، وہ ہر شخص کو جو مدینہ میں آتا ہے خواہ حج و عمرہ کے لئے گھر سے نکلا ہو یا صرف مدینہ کے لئے چلا ہو اس کو بتایا ہے کہ کس طرح حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجے اور کس طرح حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام بھیجے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیارت قبر نبی بھی ایک عبادت ہے۔

اسی کے قریب قریب ابن بطال العکبری نے ”کتاب الابانہ“ میں بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ متقدمین اور متاخرین میں سے جس کسی عالم نے بھی مناسک پر کتاب لکھی ہے اور اس میں احرام و طواف وغیرہ کے احکام بیان کئے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے زیارت کے آداب بھی تحریر کئے ہیں اور لکھا ہے کہ پھر قبر کے پاس پہنچے۔ قبر کا استقبال کرے اور قبلہ کی جانب پشت کر کے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ کہے اور دعائیں مانگے۔ پھر دائیں جانب ہٹ کر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرُ کہے۔

ہم نے دیکھا ہے ہمارے ہاں ہمیشہ سے یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ جب کوئی حج کے لئے جاتا ہے اور اس کے اہل و عیال، دوست احباب اس کو رخصت کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا سلام بھی حضور اکرم ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما

سے عرض کر دینا۔ اس پر نہ کوئی ناپسند کرتا ہے نہ اس فعل کی کوئی مخالفت کرتا ہے۔ بہر حال زیارت قبر نبی پر کسی نے ناپسندیدگی نہیں کی ہے۔ یہ ابن بطہ کا کلام رحمہ اللہ تعالیٰ تھا۔

ابن بطہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور آجری کا مقصود بعض محدثین کا رد کرنا ہے جو سیدنا ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تدفین کا انکار کرتے ہیں۔ رہا حضور اکرم ﷺ کی زیارت کا مسئلہ تو اس کو کسی نے غلط خیال نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ بعض متقدمین نے زیارت کو مناسک حج کے تابع قرار دیا ہے۔ ان کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ آٹھویں صدی میں زیارت کے معاملہ میں یا زیارت کے لئے سفر کے معاملہ میں کوئی اختلاف پیدا ہوگا۔

ان دونوں کے کلام سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حجاج ہمیشہ بارگاہ نبوی ﷺ کے لیے سفر کرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ مناسک حج کے تابع ہوتا ہے۔ اور ابو بکر آجری یہ متقدمین میں سے ہیں اور انہوں نے سن ۳۶۰ھ میں وصال فرمایا ہے۔ یہ ثقہ اور صدوق تھے ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ اور ابن بطہ کا انتقال سن ۳۸۷ھ میں ہوا یہ حنابلہ کے نامور فقہاء میں سے تھے یہ وقت کے امام اور حدیث اور فقہ کے فاضل جلیل تھے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسحاق بن ابراہیم الفقیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمیشہ سے حاجیوں کا یہ دستور رہا ہے کہ حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ کا قصد کر کے جاتے ہیں تاکہ مسجد نبوی میں نمازیں ادا کریں اور آپ ﷺ کے روضہ مبارک آپ کے منبر اور آپ کی قبر انور سے اپنے ہاتھوں کو مس کر کے تبرک حاصل کریں اور آپ کے قدمین اور اس ستون سے جس سے آپ ﷺ ٹیک لگاتے تھے اور جبریل علیہ السلام جہاں وحی لے کر آتے تھے، ان تمام مقامات سے تبرک حاصل کریں۔ اور آپ ﷺ کے آثار و نشانات سے تبرک حاصل کریں۔

ہم نے زیارت کے مستحب ہونے کے بارے میں علمائے کرام کے اقوال ذکر کر دیے تھے۔ الباجی المالکی کہتے ہیں کہ مدینہ سے باہر سے آنے والے مدینہ منورہ کا قصد اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ آپ ﷺ کی قبر انور کی زیارت کر سکیں اور آپ پر صلوة و سلام بھیج سکیں۔ اور عبدی مالکی نے تو شرح الرسائل میں یہاں تک تصریح کی ہے کہ زیارت قبر نبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے مدینہ تا سفر کعبہ اور یہاں تک کہ زیارت کے سفر۔

افضل ہے۔ اصحاب مذاہب کے اکثر فقہائے کرام نے جب زیارت قبر نبی ﷺ کے آداب بیان کیے ہیں تو یہ اس کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس کی طرف سفر بھی مستحب ہو کیونکہ انہوں نے حجاج کے لیے حج سے فارغ ہونے کے بعد زیارت کو مستحب بتایا ہے اور جب زیارت کے لیے سفر لازم ہے تو یقیناً یہ سفر مستحب ہوگا۔

ایک بدوی کا ایمان افروز واقعہ:

اس سلسلہ میں ایک بدوی کا قصہ مشہور ہے جس کو فقہائے کرام نے مناسک کے بیان کے تحت مختلف اسناد کے ساتھ محمد بن حرب الہلالی سے نقل کیا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد الفاظ ہیں کہ ”پھر وہ اعرابی اپنی سواری پر سوار ہوا اور لوٹ گیا“ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اعرابی مسافر تھا۔ اور اس حکایت کو آئمہ میں سے ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ اس اعرابی کا نام محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ ابن عمرو بن عقبہ بن ابی سفیان صحز بن حرب تھا۔ اور وہ بہت فصیح اللسان تھے اور انہوں نے سن ۲۲۸ھ میں وفات پائی اور ان کی کنیت ابو عبد الرحمن تھی۔ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو اپنی تاریخ میں اور امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مشیر العزم المساکن“ میں نقل کیا ہے۔ اور ان دو کے علاوہ دیگر نے اپنی اسانید کے ساتھ محمد بن حرب الہلالی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”میں مدینہ پہنچا اور حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے گیا وہاں قبر کے سامنے بیٹھ گیا اتنے میں ایک بدو آیا قبر کی زیارت کی اور کہنے لگا اے خیر الرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب اتاری ہے اور اس میں فرمایا ہے۔

”ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفرلہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور

شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔

یا رسول اللہ! اب میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع بناتا ہوں۔ پھر وہ رویا اور یوں گویا ہوا:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اعْظُمَةٌ
 فَطَابَ مِنْ طَيِّبِينَ الْقَاعُ وَالْآكُمُ
 نَفْسِي الْفِدَاءُ بِقَبْرِ أَنْتَ سَاكِنُهُ
 فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ

۱۔ اے وہ بہترین ذات جس کی ہڈیاں میدان میں دفن کر دی گئی ہیں اور ان کی پاکیزگی کی وجہ سے میدان اور ٹیلے پاکیزہ ہو گئے ہیں۔

۲۔ میری جان اس قبر پر نثار جس میں آپ مقیم ہیں۔ اس میں پاکدامنی ہے اس میں سخاوت ہے، اس میں کرم ہے۔

پھر اس نے استغفار کیا اور واپس چلا گیا۔ ہلالی کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد میں سویا تو میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ جاؤ اس شخص سے ملو اور اس کو خوشخبری دے دو اللہ تعالیٰ نے میری سفارش سے اس کی مغفرت فرمادی ہے۔ میں خواب سے بیدار ہو کر اس خوش قسمت کی تلاش میں نکلا لیکن وہ مجھے نہ ملا۔

بعض دوستوں کی فرمائش پر شیخ ابو الطیب مقدسی نے ان اشعار پر تفسیر کی ہے اور چند اشعار کا اضافہ کیا ہے۔ ان کو ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

الْقَوْلُ وَالْكَرَمُ مِنْ عَيْنِي مُنْجِمُ
 لَمَّا دَانَتْ جِدَارَ الْقَبْرِ يُسْتَلَمُ

وَالنَّاسُ يَفْشُونَكَ بِأَكْبَارِ وَ مُنْقَطِعٍ
 مِنَ الْمَهَابَةِ أَوْ دَاعٍ فَمُلْتَزِمٍ
 فَمَا تَمَالَكْتُ أَنْ نَأْدِيَتْ مِنْ حُرْقٍ
 فِي الصَّدْرِ كَادَتْ لَهَا الْأَحْشَاءُ تَضْطَرُّمُ
 يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظَمَهُ
 فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكْمُ
 نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرِ أَنْتَ سَاكِنُهُ
 فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ
 وَفِيهِ شَمْسُ التَّقَى وَالِدَيْنِ قَدْ غَرَبَتْ
 مِنْ بَعْدِ مَا أَشْرَقَتْ مِنْ نُورِهِ الظُّلْمُ
 حَاشَى لَوَجْهِكَ أَنْ يَبْلَى وَ قَدْ هُدَيْتَ
 فِي الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ مِنْ الْوَارِهِ الْأُمَمُ
 وَ إِنْ تَمَسَّكَ أَيْدِي التُّرْبِ لَأَمْسَهُ
 فِي الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ مِنْ أَنْوَارِهِ الْأُمَمُ
 لَقَيْتَ رَبَّكَ وَ الْإِسْلَامُ صَارِمَهُ
 مَاضٍ وَ قَدْ كَانَ بَحْرُ الْكُفْرِ يَلْتَطِمُ
 فَقُمْتَ فِيهِ مَقَامَ الْمُرْسَلِينَ إِلَى
 أَنْ عَزَّ فَهُوَ عَلَى الْأَدْيَانِ يَحْتَكِمُ

لَئِنْ رَأَيْتَهُ قَبْرًا إِنَّ بَاطِنَهُ
لَرَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْخُلْدِ تَبَسِّمُ
طَافَتْ بِهِ مِنْ نَوَاحِيهِ مَلَائِكَتُهُ
تَغْشَاهُ فِي كُلِّ مَا يَوْمٍ وَ تَزْدَحِمُ
لَوْ كُنْتُ أَبْصَرْتُهُ حَيًّا لَقُلْتُ لَهُ
لَا تَمْشِ إِلَّا عَلَى خَدْيِ لَكَ الْقَدَمُ
هَدَى بِهِ اللَّهُ قَوْمًا قَالَ قَائِلُهُمْ
بِطْنٍ يَثْرَبَ لَمَّا ضَمَّهُ الرَّجْمُ
إِنْ مَاتَ أَحْمَدُ فَالرَّحْمَنُ خَالِقُهُ
حَتَّى وَ نَعْبُدُهُ مَا أَوْرَقَ السَّلْمُ

ترجمہ اشعار:

- ۱۔ میں کہہ رہا تھا اور آنسو میری آنکھوں سے بہ رہے تھے جب میں نے دیکھا کہ قبر کی دیواروں کو بوسہ دیا جا رہا ہے۔
- ۲۔ لوگ قبر مبارک کو ڈھانپنے ہوئے ہیں، رو رہے ہیں اور ہیبت کی وجہ سے جدا ہیں یا چٹ کر دعا کر رہے ہیں۔
- ۳۔ پس میرے قابو میں نہ رہا اور میں نے سینے لگی آگ کی وجہ سے صدا دی اور وہ آگ ایسی تھی کہ جس کی وجہ سے قریب تھا کہ آنتیں باطن شعلہ زن تھا۔
- ۴۔ اے وہ بہتر ذات جس کی ہڈیاں میدان میں دفن کر دی گئی ہیں اور ان کی پاکیزگی کی وجہ سے میدان اور ٹیلے پاکیزہ بن گئے ہیں۔
- ۵۔ میری جان اس قبر پر شمار جس میں آپ مقیم ہیں۔ اس میں پاکدامنی ہے،

اس میں سخاوت ہے، اس میں کرم ہے۔

۶۔ اور اس میں پاکیزگی اور دین کا سورج ہے جو غروب ہو گیا اپنے نور سے تاریکیوں کو روشن کرنے کے بعد۔

۷۔ آپ کا چہرہ اس سے منزہ ہے کہ وہ پرانا بنے جبکہ اُس کی روشنی سے امتوں کو مشرق و مغرب میں ہدایت دی گئی ہے۔

۸۔ اگرچہ چھوتے وقت ہاتھ مٹی کو چھوتے ہیں۔ آپ تو بلند آسمانوں میں قوم کے سردار ہیں۔

۹۔ آپ اپنے رب سے جا ملے اور اسلام کی تلوار چل رہی ہے جبکہ کفر کا سمندر موجزن تھا۔

۱۰۔ آپ اسلام کے بارے میں مرسلین کے مقام پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ وہ غالب ہو گیا اب وہ تمام دینوں پر حکمراں ہے۔

۱۱۔ اگرچہ ہم اس کو قبر دیکھ رہے ہیں۔ بیشک اس کا باطن جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے جو کھل رہا ہے۔

۱۲۔ اہل کے اطراف کا فرشتے طواف کرتے ہیں جو اس پر آتے ہیں اور ازدحام کرتے ہیں۔

۱۳۔ اگر میں ان کو زندہ دیکھتا تو ان سے کہتا کہ آپ نہ چلیں گے مگر میرے رخصتوں پر۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ قوم کو ہدایت دی ان کے لئے کہنے والے نے کہا۔ مدینہ کی سرزمین میں جبکہ قبر نے ان کو پہلو میں لے لیا۔

۱۵۔ اگر احمد ؑ وفات پائے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا خالق زندہ ہے ہم اس کی عبادت کریں گے جب تک سلم (درخت) پر پتے آتے رہیں گے۔ ۱۸۱

باب چہارم

علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں کہ رسول
اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مستحب
ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے

قبر مبارک کی زیارت کے بارے میں علمائے کرام کے اقوال:

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قبر النبی ﷺ کی زیارت مسلمانوں میں مجمع علیہ سنت ہے اور اُس کی فضیلت پسندیدہ چیز ہے۔

قاضی ابو الطیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حج اور عمرہ کے بعد قبر النبی ﷺ کی زیارت کرنا مستحب ہے۔

شیخ محالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”تجرید“ میں فرمایا حاجی کے لئے مستحب ہے کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد وہ قبر النبی ﷺ کی زیارت کرے۔

ابو عبد اللہ الحسین اعلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”المنہاج فی شعب الایمان فی تعظیم النبی ﷺ“ میں فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں تو اُن کی تعظیم کے طریقے وہ تھے جنہیں ان لوگوں نے اختیار کیا جنہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا، اب اُن کی تعظیم کا طریقہ یہی ہے کہ قبر کی زیارت کی جائے۔

امام الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الحاوی“ میں فرمایا حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کا حکم ہے اور وہ مستحب ہے۔ اور الماوردی نے ”لأحكام السلطانية“ میں حاجیوں پر والی مقرر کرنے کے سلسلے میں فرمایا متولی کے لئے شرط ہے کہ وہ مطاع، ذی رائے، شجاع ہو اور دیگر شرائط کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: جب لوگ حج کر چکیں تو اُن کو کچھ مہلت دے اور جب واپس ہوں تو اُن کو مدینہ طیبہ والے راستے سے واپس لے کر لوٹے تاکہ اُن کو حج کے ساتھ قبر النبی ﷺ کی بھی زیارت حاصل ہو جائے اور یہ اگرچہ حج کے ارکان میں سے نہیں ہے۔ لیکن شرعی مستحبات میں سے ہے اور حاجیوں کی اچھی عادتوں میں سے ہے۔

صاحب المہذب کے ہاں رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مستحب ہے۔ القاضی حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب حج سے فارغ ہو تو سنت ہے کہ ملتزم

کے پاس کھڑا ہو کر دُعا کرے پھر زمزم پیے پھر مدینہ آئے اور حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرے۔

امام رویانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا جب حج سے فارغ ہو جائے تو مستحب ہے کہ قبر النبی ﷺ کی زیارت کرے۔

احناف کے نزدیک تو قبر النبی ﷺ کی زیارت مستحبات میں سب سے زیادہ افضل بلکہ درجہ وجوب سے قریب تر ہے۔ اور ان میں سے ابو منصور محمد ابن مکرم کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ”مناسک“ میں اور عبداللہ ابن محمود نے ”شرح المختار“ میں اس کی تصریح کی ہے۔

فتاویٰ ابو الیث سمرقندی میں حسن ابن زیاد کی روایت سے منقول ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ حاجی کے لئے مناسب ہے کہ پہلے مکہ جائے جب وہاں کے ارکان ادا کر چکے تو مدینہ جائے اور اگر پہلے مدینہ ہو آئے یہ بھی جائز ہے۔ مدینہ پہنچ کر حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر جائے قبلہ اور قبر کے درمیان اس طرح کھڑا ہو کہ اس کا رخ قبر کی جانب ہو۔ حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھے اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بھی سلام پڑھے اور ان کے لئے رحمت کی دعا کرے۔

ابو العباس السروجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الغایۃ“ میں لکھا ہے جب حج یا عمرہ کرنے والے مکہ سے واپس ہوں تو مدینہ طیبہ پہنچ کر قبر النبی ﷺ کی زیارت کریں یہ اس کی ایک قابل تعریف کوشش ہوگی۔ اسی طرح حنابلہ نے بھی اس طرح کی تصریحات کی ہیں۔

ابو الخطاب محفوظ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”کتاب الہدایۃ“ میں فرمایا حاجی جب حج سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ اور صاحبین کی قبر کی زیارت مستحب ہے۔

ابو عبداللہ محمد ابن عبداللہ السامری الحسنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب المستوعب میں باب زیارة قبر الرسول ﷺ قائم کیا ہے اور اس میں لکھا ہے۔ جب زائر، مدینہ

الرسول ﷺ پہنچے اس کے لئے مستحب ہے کہ داخلہ کے وقت غسل کرے پھر مسجد نبوی میں پہنچے اور داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کرے پھر قبر النبی ﷺ کی دیوار کے پاس پہنچ کر اس طرح کھڑا ہو کہ قبر النبی ﷺ سامنے ہو اور قبلہ پشت کی جانب ہو اور منبر النبی ﷺ بائیں جانب ہو اور پھر دعا و صلوة و سلام کی کیفیت بیان کرنے کے بعد فرمایا یہ بھی کہے اے اللہ تعالیٰ! تو نے فرمایا ہے۔ ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے)

اور یوں کہے: ”اے اللہ تعالیٰ! اب میں تیرے نبی کے پاس مغفرت چاہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور تجھ سے درخواست کرتا ہوں تو اپنی مغفرت میرے لئے ثابت کر دے جس طرح تو نے ان کے لئے مغفرت ثابت کی ہے جو ان کی زندگی میں مغفرت کے لئے آئے۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تیری طرف تیرے نبی مکرم کے واسطے سے متوجہ ہوں۔“ اس کے بعد جب واپسی کا ارادہ کرے دوبارہ قبر النبی ﷺ پر حاضر ہو کر رخصت ہو۔

دیکھئے! یہ مصنف حنبلی ہیں اور منکر زیارت قبر النبی ﷺ بھی حنبلی ہیں۔ انہوں نے کس قدر صراحت کے ساتھ زیارت قبر النبی ﷺ کا ذکر کیا ہے اور نبی مکرم ﷺ کے واسطے سے توجہ الی اللہ کو بیان کیا ہے۔

اسی طرح ابو منصور کرمانی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہا اگر تجھ سے کسی نے حضور نبی اکرم ﷺ تک سلام پہنچانے کی درخواست کی ہے تو تجھے قبر النبی ﷺ پر پہنچ کر کہنا چاہیے۔ ”السلام عليك يا رسول من فلان ابن فلان....“ اے رسول مکرم! آپ پر فلان ابن فلان کی جانب سے سلام ہو اور وہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں رحمت اور مغفرت کی سفارش چاہتا ہے آپ اس کی سفارش فرمادیں۔ اس مسئلہ کے لئے

ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ایک مفصل باب قائم کریں گے۔

نجم الدین ابن خندان حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”اکثر عایة الکبریٰ“ میں فرمایا۔ جو شخص حج سے فارغ ہو اس کے لئے نبی مکرم ﷺ اور صاحبین رضی اللہ عنہما کی قبور کی زیارت مسنون ہے اور اگر وہ چاہے تو حج سے پہلے زیارت کر لے۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”مشیر العزم الساکن الی اشرف الاماکن“ میں زیارت قبر النبی ﷺ پر باب باندھا ہے اور اس میں سیدنا ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی احادیث بیان کی ہیں۔

شیخ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب المغنی میں فرمایا ہے اور یہ حنابلہ کی معتبر ترین کتاب ہے۔ اس میں فصل ”قبر النبی ﷺ کی زیارت مستحب ہے“ قائم کی ہے اور اس میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بطریق دارقطنی اور سعید ابن منصور عن حفص بیان کی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بطریق احمد بیان کی ہے ”ما من احد یسلم علی عند قبری“ جو کوئی مسلمان میری قبر کے پاس آ کر سلام کرے گا اس کے لئے مجھ پر شفاعت ضروری ہوگی۔

اسی طرح مالکیہ کی بھی تصریحات ہیں اور ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو اجماعی قرار دیا ہے۔

اور عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”تہذیب المطالب“ میں شیخ ابو عمران المالکی کی جانب سے نقل کیا ہے کہ زیارت قبر النبی ﷺ واجب ہے اور عبدالحق نے اسی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ شیخ ابو محمد بن ابی زید رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کسی نے کسی کے ذریعہ حج کرایا اور اس کو حج و زیارت کے لئے خرچہ دیا۔ اب وہ شخص حج کر کے لوٹ آیا اور کسی عذر کی وجہ سے مدینہ طیبہ نہ جاسکا تو کیا ہو۔ انہوں نے جواب میں فرمایا۔ زیارت پر جو خرچ ہوتا اس شخص کو وہ واپس کرنا ہوگا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس پر ضروری ہوگا کہ وہ اس نائب کو لوٹائے تاکہ وہ زیارت کر کے واپس آئے۔ یہ وہی عبدالحق

ہیں جنہوں نے شیوخ قیروان اور شیوخ صقلیہ سے فقہ حاصل کیا ہے۔

شیخ ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الحاوی“ میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ کسی کو اجرت پر زیارت کیلئے بھیجنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ کام غیر معین اور غیر مقدر ہے اور اگر مزدوری محض قبر النبی ﷺ کے پاس کھڑے ہونے کی قرار دی جائے تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ مجرد کھڑے رہنے میں قائم مقامی درست نہ ہوگی۔ اور اگر اجرت اس بات کی قرار دی جائے کہ وہ قبر النبی ﷺ پر پہنچ کر دعا کرے گا تو یہ درست ہے اس لئے کہ دعا میں قائم مقامی درست ہے اور اس دعا کی مقدار کی جہالت اس اجارہ کو باطل نہ کرے گی۔

ہاں ایک تیسری صورت بھی ہے جس کو ماوردی نے بیان نہیں کیا اور وہ سلام پہنچانا ہے تو اس اجارہ اور مزدوری کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کیا کرتے تھے اور بظاہر مالکیہ کی یہی مراد ہے۔ ورنہ مزدور کے جا کر کھڑے ہو جانے سے بھیجنے والے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور ہم عنقریب ابن المواز کے حوالہ سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح کا ذکر کریں گے کہ اس اجیر کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی قبر کے پاس کھڑا ہو اور دعا کرے جس طرح بیت اللہ کے پاس وداع کے وقت دعا کرتے ہیں۔

ابن ابی زید رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”کتاب النوادر“ میں ابن حبیب کے کلام سے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مجموعہ سے اور ابن القزلی کے کلام سے زیارة القبور کی بحث ذکر کرنے کے بعد کہا اور شہدائے اُحد کی قبور کے پاس جائے اور اسی طرح سلام پڑھے جس طرح حضور اکرم ﷺ کی قبر انور اور ان کے دونوں ساتھیوں کی قبر پر سلام پڑھا تھا۔

ابو الولید ابن رشد المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”شرح العتبہ“ میں قبر نبی ﷺ کے پاس سے گزرنے والے کے بارے میں لکھا ہے۔ ایک سوال کیا گیا ہے کہ جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس سے گزرے، کیا ہر بار گزرتے ہوئے سلام کرے گا؟ جواب میں کہا: ہاں۔ اُس پر ضروری ہے کہ وہ سلام پڑھے جب وہاں سے گزرے اکثر

لوگوں کی یہی رائے ہے۔ لیکن جب نہ گذر رہا ہو تو پھر ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا ”اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے“ اور فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں پر سخت غضب ہے جنہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کو مساجد بنا لیا ہے۔“ جب وہاں سے نہ گذر رہا ہو تو سلام نہ پڑھنے کی گنجائش ہے۔ اور جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ اگر مسافر ہر روز قبر النبی ﷺ پر حاضری دے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ یہ مناسب نہیں ہے ہاں واپسی کے روز جا کر سلام پڑھ لے۔

امام محمد ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی بار گذرے گا اس کو سلام پڑھنا ہوگا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ضرور گذرے ہاں جب مدینۃ المنورۃ سے لوٹے تو ضرور وہاں جائے۔ یہ مکروہ ہے کہ کثرت سے وہاں سے گذرے اور کثرت سے سلام پڑھے اور ہر روز اس پر آئے اور اس کے فعل سے یہ قبر کی طرح ہو جائے کہ وہاں نماز کے لیے ہر روز جاتا ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے: ”میری قبر کو بت نہ بناؤ جس کی عبادت کی جائے“ اور ”اللہ تعالیٰ کا ان پر سخت غضب ہے جو اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مسجد بنا دیتے ہیں۔“ یہاں تک ابن رشد کا کلام تھا۔

دیکھئے پردیسی پر رخصتی کے وقت حاضری کا حکم دیتے ہیں تو سلام کی بھی لا محالہ اجازت ہوگی۔ کثرت سے آنے جانے کو مکروہ قرار دیا ہے اور زیارت کا اصلاً مستحب ہونا متفق علیہ ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الشفاء“ میں سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ امیر المؤمنین ابو جعفر کی حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مسجد نبوی میں گفتگو ہوئی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ امیر المؤمنین اس مسجد میں زور سے نہ بولے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی“ [الحجرات: ۲] اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی اکرم ﷺ کی آواز سے۔ اور تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ”جو لوگ

دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے دل جانچے ہیں اللہ تعالیٰ نے ادب کے واسطے“ [الحجرات: ۳] اور زور سے پکارنے والوں کی مذمت میں فرمایا: ” جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے [الحجرات: ۳]

حضور نبی اکرم ﷺ کا احترام جس طرح زندگی میں ضروری تھا آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی اسی طرح ضروری ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ باتیں سن کر ابو جعفر شرمندہ ہو گیا اور کہا اے ابو عبد اللہ میں قبلہ کا استقبال کر کے حضور کی قبر کے پاس دعا کروں یا دعا میں حضور کی قبر کا استقبال کروں۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے روگردانی کیوں کرتے ہو؟ جبکہ حضور کی ذات گرامی تمہارا اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے لئے وسیلہ ہوگی۔ آپ ﷺ کی طرف منہ کرو اور آپ کے ذریعہ شفاعت چاہو اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ” ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو دیکھو کس عمدہ طریقہ پر زیارت اور توسل اور حضور کے ساتھ حسن ادب کا بیان فرمایا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن حبیب نے کہا ہے۔ اور جب مسجد النبی ﷺ میں داخل ہو تو کہے۔

” بسم الله و سلام على رسول الله السلام علينا من ربنا و صلی الله و ملائکته علی محمد، اللهم اغفر لی ذنوبی و افتح لی ابواب رحمتک و جنتک و احفظنی من الشيطان الرجیم“

بسم اللہ اور سلام ہو رسول اللہ ﷺ پر۔ سلام ہو ہم پر ہمارے رب کریم کی جانب سے اور صلوة ہو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور ملائکہ کی جانب سے سیدنا محمد ﷺ پر۔ اے اللہ تعالیٰ! میرے لیے میرے گناہوں کی مغفرت فرما دے اور میرے لئے اپنے رحمت اور جنت کے دروازے کھول دے اور شیطان مردود سے میری حفاظت فرما دے۔)

پھر ریاض الجنۃ میں جائے اور یہ مسجد کا وہ حصہ ہے جو منبر اور قبر النبی ﷺ کے درمیان واقع ہے۔ اس میں دو رکعت نماز پڑھے پھر قبر کے نزدیک متواضع ہو کر دل جمعی کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں درود پیش کرے اور جو تعریف بھی دل میں آئے وہ کرے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے اور ان کے لئے دعا کرے اور مسجد قباء اور شہدائے اُحد کی قبور پر جانے میں کوتاہی نہ کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”کتاب محمد“ میں فرمایا ہے کہ جب مدینہ میں داخل ہو اور جب مدینہ سے لوٹے اور قیام کے دوران حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر صلوة و سلام پڑھے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب واپس ہو تو آخری کام قبر پر حاضری ہو۔ اور ایسا ہی ہر مدنی کو سفر کے وقت کرنا چاہیے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے مبسوط میں فرمایا: مدینہ کا باشندہ جب مسجد میں داخل ہو یا نکلے اس کے لئے قبر پر کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ باہر سے آنے والوں کو کرنا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی مدنی سفر میں جائے یا سفر سے واپس آئے تو وہ قبر النبی ﷺ پر حاضری ہو کر درود پڑھے اور دعا کرے اور اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے کرے۔

جب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا گیا کہ بعض مدنی نہ سفر میں گئے نہ سفر سے آئے اور قبر پر حاضری دیتے ہیں یا ہر جمعہ کو حاضری دیتے ہیں۔ یا دن میں دو تین مرتبہ حاضر ہو کر تھوڑی دیر سلام و صلوة پڑھتے ہیں تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ہمارے شہر کے کسی فقیہ کا عمل نہیں ہے اور ایسا نہ کرنے کی گنجائش ہے۔ اور فرمایا: اس امت کے اخیر کی وہی چیزیں اصلاح کر سکتی ہیں جن چیزوں نے اول امت کی اصلاح کی

ہے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کا اس طرح کا عمل نہ دیکھا نہ سنا۔ اور قبر مبارک پر حاضری صرف اس کے لئے جو سفر میں جائے یا سفر سے واپس آئے ورنہ مکروہ ہے۔

ابن القاسم علیہم السلام نے فرمایا: میں نے اہل مدینہ کو سفر میں جاتے وقت یا واپسی پر ایسا کرتے دیکھا ہے اور یہی میری رائے ہے۔ امام الباجی علیہم السلام نے فرمایا ان لوگوں نے صلوٰۃ و سلام کے بارے میں اہل مدینہ اور پردیسوں میں فرق کیا ہے اس لئے کہ پردیسی تو اسی مقصد کے لئے مدینہ آتے ہیں اور مدنی اس غرض کے لئے وہاں مقیم نہیں ہوئے ہیں۔ یہاں تک قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول تھا۔

اب امام الباجی کے قول پر غور کیجئے۔ وہ کہتے ہیں کہ پردیسی اس قصد سے سفر کر کے آتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک صلوٰۃ و سلام کے قصد سے مدینہ کا سفر کرنا جائز ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کا خلاصہ:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک زیارت قبر انبی ﷺ ایک ثواب کا کام ہے۔ لیکن وہ اپنی عادت کے مطابق کثرت سے حاضری و صلوٰۃ و سلام کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اس لئے یہ کثرت بسا اوقات فعل ممنوع تک پہنچ جاتی ہے۔ بقیہ تینوں امام زیارت کو مستحب قرار دیتے ہیں اور اس کی کثرت کو بھی مستحب قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی خیر کی کثرت خیر ہی ہوگی۔ غرضیکہ مجرد زیارت کو سب آئمہ مستحب قرار دیتے ہیں۔ ”کتاب النوادر“ میں مذکور ہے: زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ شہدائے احد کی قبور پر حاضری دے اور اسی طرح صلوٰۃ و سلام پڑھے جس طرح حضور اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبور پر پڑھا تھا۔

ابو محمد عبدالکریم کی مالکی نے اپنی ”مناسک“ میں جس کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور روایتیں لکھی ہیں، لکھا ہے۔ ”جب تمہارا حج و عمرہ شرعی اعتبار سے مکمل ہو جائے تو اس کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی سوائے

اس کے مسجد نبوی میں حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام کے لئے حاضر ہو اور وہاں دعا کرے اور صاحبین پر سلام بھیجے اور بقیع میں پہنچ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی قبروں کی زیارت کرے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھے۔ جو ان باتوں پر قادر ہو اس کو یہ باتیں نہیں چھوڑنی چاہئیں۔

امام عبیدی علیہم السلام نے ”شرح الرسالہ“ میں لکھا ہے کہ مسجد حرام یا مکہ جانے کی نذر ماننا اس کی شرع میں اصل ہے اور اس نذر سے مراد حج یا عمرہ ہوگا اور مدینہ منورہ میں زیارت قبر النبی ﷺ کے لئے نذر ماننا یہ کعبہ اور بیت المقدس کی نذر سے افضل ہے۔ جب کوئی شخص ان تینوں مسجدوں تک جانے کی نذر مانتا ہے تو کعبہ کی نذر پر اتفاق ہے کہ وہ لازم ہو جاتی ہے اور مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس کی نذر کے بارے میں آئمہ میں اختلاف ہے۔

میں کہتا ہوں جس اختلاف کی طرف عبیدی نے اشارہ کیا ہے وہ مسجد بیت المقدس اور مسجد مدینہ کے بارے میں نہ کہ زیارت قبر النبی ﷺ کے بارے میں۔ یہ چاروں مذاہب کے اقوال اور تصریحات ہیں جو میں نے ذکر کیں۔ اسی طرح کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور بعد کے بزرگوں کے اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مختلف سندوں سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ قبر النبی ﷺ پر حاضر ہوتے اور صلوٰۃ و سلام پڑھتے تھے۔ کسی شخص نے حضرت نافع سے دریافت کیا تھا کیا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر النبی ﷺ پر سلام پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں۔ اور میں نے سینکڑوں بار دیکھا ہے۔ وہ قبر پر پہنچتے تھے اور عرض کرتے تھے: ”السلام علی النبی السلام علی ابی بکر السلام علی ابی“ نبی اکرم پر سلام ہو، سیدنا ابو بکر پر سلام ہو، اباجان پر سلام ہو۔

مؤطا امام مالک میں یہ روایت مذکور ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر النبی ﷺ پر قیام کرتے تھے اور حضور نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر درود پڑھتے تھے۔ اور ابن قاسم اور شعبی کے مطابق سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سیدنا

ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے لیے دعا بھی فرماتے تھے۔ اور ابن وہب کی روایت میں ہے ایک مسلم کو حاضری کے وقت یہ کہنا چاہیے۔ ”السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ۔“ اور مبسوط میں ہے اور سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام کہے۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ”مصنف“ میں ”باب السلام علی قبر النبی ﷺ“ میں ذکر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں بہت سے آثار ہیں ان میں سے اسناد صحیح کے ساتھ ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے تھے تو قبر النبی ﷺ پر پہنچتے تھے اور کہتے تھے: ”السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک یا ابی“

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت سعید ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو نبی اکرم ﷺ پر سلام پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا، کوئی نبی زمین میں چالیس روز سے زیادہ نہیں رہتا۔ (یعنی حضور بھی چالیس دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہے لہذا اب قبر پر سلام پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں) پھر امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کیا کہ ”جس رات معراج ہوئی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔“ ان کا اس قول کو نقل کرنے سے مقصد حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تردید ہے جو بہترین رد ہے۔ اس میں اور بھی حدیث ہے جس کو ہم حیات شہداء کے باب میں ذکر کریں گے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جبکہ گھر میں محصور تھے اور کچھ لوگوں نے ان کو شام کی طرف چلے جانے کا مشورہ دیا تھا، فرمایا تھا کہ میں دارالہجرہ اور حضور اکرم ﷺ کے پڑوس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات کی تردید ہوتی ہے۔ اور اگر حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو صحیح بھی قرار دیا جائے تو بھی یہ زیارت قبر کے استحباب کے مخالف نہیں ہے۔ چونکہ بہر حال حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے اس جگہ کو شرف حاصل ہے۔

ایک شاعر نے کہا ہے۔

أَمْرٌ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلِي
أَقْبَلُ ذَا الْجِدَارِ وَ ذَا الْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفَنَ قَلْبِي
وَلَكِنْ حُبٌّ مِّنْ سَكَنِ الدِّيَارَا

۱۔ میں لیلیٰ کے مکانات پر سے گذرتا ہوں تو اس دیوار اور اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔

۲۔ مکانات کی محبت نے میرے دل کو نہیں گھیرا، لیکن اس کی محبت نے جو ان مکانات میں رہا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الشفاء بتعريف حقوق المصطفى“ میں فرمایا۔ بعض راویوں نے بیان کیا کہ ہم نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ قبر النبی ﷺ پر آئے تو اپنے ہاتھ اٹھائے جس سے ہمیں شبہ ہوا کہ وہ نماز کی نیت باندھ رہے ہیں۔ پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور واپس ہو گئے۔

”مسند امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ“ میں سند متصل سے منقول ہے کہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے قبر النبی ﷺ کے قریب پہنچے۔ قبر کی طرف رخ کیا اور قبلہ سمت پشت کی اور پھوٹ پھوٹ کر خوب روئے۔

ابراہیم المحرّبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ”مناسک“ میں فرمایا۔ قبلہ کی جانب پشت کرو اور وسط قبر کی جانب رخ کرو پھر کہو السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ ابن بطال نے شرح بخاری میں کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول ”میرے گھر اور ممبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ذکر اور علم کے حلقے کرو اور ان سے روحانی غذا حاصل کرو اور اس میں قبر النبی ﷺ کی

زیارت اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی ترغیب ہے۔ اس مسئلہ میں اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام آثار اور علمائے کرام کے اقوال کو ذکر کریں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”زُرْنَا قَبْرَ النَّبِيِّ“ کے قول کو مکروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے۔ ”لَعْنُ اللَّهِ زَوَارَاتِ الْقُبُورِ“ (قبر کی زیارت کرنے والیوں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے۔) یعنی اس حدیث میں لفظ زیارت مذمت کے طور پر آیا ہے۔ مگر قبر پر حاضری اور سلام کو مکروہ قرار نہیں دیا گیا ہے۔

یہ توجیہ مناسب نہیں اس لئے کہ دوسری حدیث میں یہ بھی مذکور ہے۔ ”كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا“ (میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا تھا آگاہ اب زیارت کیا کرو) اور حضور کا ارشاد ہے ”مَنْ زَارَ قَبْرِي“ یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ پس لفظ زیارت ہمیشہ مذمت کے لیے نہیں آیا لہذا بعض لوگوں نے کہا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کو اس بنا پر مکروہ سمجھا ہے کہ زائر مزور سے افضل ہوتا ہے لیکن یہ توجیہ بھی مناسب نہیں ہے اس لئے کہ احادیث میں مذکور ہے۔ اہل جنت اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے تو اہل جنت زائر اور اللہ تعالیٰ مزور (جس کی زیارت کی جائے) ہوا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں زیارت کی اضافت قبر کی جانب ہے اور اگر زُرْنَا قَبْرَ النَّبِيِّ کہا جاتا تو وہ مکروہ نہ سمجھتے۔ چونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا ہے کہ ”اے اللہ تعالیٰ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی عبادت کی جائے اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا۔“

یہ قاضی کا کلام ہے۔ لیکن یہ توجیہ بھی غیر منقول ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے ”جس نے میری قبر کی زیارت کی“ یعنی زیارت کی نسبت قبر کی طرف کی ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ حدیث نہ پہنچی ہوگی تو یہ توجیہ چل سکتی ہے۔ عبدالحق صقلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابو عمر ان مالکی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے قول زُرْنَا قَبْرَ النَّبِيِّ کو اس لئے مکروہ سمجھا ہے کہ زیارت تو ایسا فعل ہے

چاہے کوئی کرے چاہے نہ کرے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری واجب ہے یعنی سنن واجبہ میں سے ہے لہذا یہ مناسب نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری کو زیارت سے تعبیر کیا جائے جو زندوں کے لئے اس معنی میں بولا جاتا ہے کہ چاہے وہاں جائے چاہے نہ جائے لہذا نبی اکرم ﷺ کی ذات اس سے اشرف اور اعلیٰ ہے کہ اس کے لئے زیارت کا لفظ بولا جائے۔ اس جواب میں اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب میں دو طرح سے فرق ہے۔ پہلا یہ ہے کہ ابو عمران قبر مبارک کی زیارت کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ لفظ زیارت نہیں بولا جائے گا۔ اور اور قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبر کی طرف لفظ زیارت کی نسبت نہیں کی جائے گی۔ ابو عمران مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی توجیہات میں کافی فرق ہے۔ ابو عمران کا قول چاہتا ہے کہ زُرْتُ النَّبِيَّ اور زُرْتُ قَبْرَ النَّبِيِّ دونوں کراہت میں یکساں ہیں جبکہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ کہنا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی یہ درست ہے مگر یہ کہنا کہ میں نے قبر نبی ﷺ کی زیارت کی یہ کہنا درست نہیں مگر یہ اختلاف صرف الفاظ کے استعمال میں ہے باقی رہا قبر مبارک کی زیارت کا مسئلہ تو اس کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

امام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ نے البیان و التحصیل میں فرمایا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ میں زیارت بیت الحرام کو زیارت کہنا مکروہ سمجھتا ہوں۔ اسی طرح لوگوں کے اس مقولے زُرْتُ النَّبِيَّ کو بھی مکروہ سمجھتا ہوں۔ امام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ لفظ زیارت مُردوں کے لئے مستعمل ہے تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اس لفظ کے استعمال کو اسی طرح مکروہ سمجھا جیسا کہ وہ ایام التشریق بو۔ نے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس کے بجائے ایاماً معدودات کہنا پسند کرتے تھے یا عشاء کی بجائے لفظ عتمہ کو مکروہ سمجھتے یا طواف افاضہ کی بجائے طواف الزیارة کہنا ان کو پسند نہ تھا گویا کہ ان کے نزدیک وہ لفظ مستحب ہے جو قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے " فاذا انقضت من عرفات. " اسی طرح وہ بیت اللہ شریف کے طواف کو زیارت نہیں بولتے۔

اسی طرح وہ لفظ لمحسی کی نسبت قبر النبی ﷺ کی طرف کرنے کو پسند نہیں کرتے کیونکہ لمحسی کا معنی صرف جانا ہوگا خواہ وہاں نہ پہنچے اور نفع حاصل نہ کرے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ زیارت کرنے کا مقصد تو یہ ہے کہ وہ وہاں جا کر ثواب حاصل کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تاویل میں قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ابن رشد کا کلام زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے کہ ابن المواز نے کتاب الحج کے باب ماجاء فی الوداع کے تحت بیان کیا ہے کہ اشہب نے کہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے عمرہ کرنے والے کے لئے دریافت کیا گیا کہ جب وہ واپسی کا ارادہ کرے تو کیا اس پر وداع ضروری ہے؟ انہوں نے کہا اس کو اختیار ہے پھر فرمایا۔ مجھے وداع کا لفظ پسند نہیں ہے۔ طواف کہو قرآن نے وَلَيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ کہا ہے۔ اسی طرح مجھے لفظ زیارت پسند نہیں۔ اسی طرح میں قول زُرْتُ النَّبِيَّ کو پسند نہیں کرتا۔ حضور کی ذات اس سے اعلیٰ و ارفع ہے کہ اس کی زیارت کی جائے۔ وداع کا لفظ بھی نہ لغت میں ہے نہ قرآن میں بلکہ طواف کا لفظ آیا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا کہ آخری عبادت طواف کعبہ ہے۔

پھر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا گیا کہ آخری طواف میں کعبہ کے پردوں سے چمٹنا چاہیے؟ انہوں نے فرمایا بس وقوف و دعا کرنی چاہیے۔ پھر ان سے عرض کیا گیا کہ قبر النبی ﷺ کے پاس بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا بیشک وقوف اور دعا ہونی چاہیے۔ ”الموازیة“ مالکیوں کی معتبر ترین کتاب ہے جس سے میں نے یہ باتیں نقل کی ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال کو ملا کر یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ جس طرح آخری طواف کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ اس کے لئے لفظ وداع کے استعمال کو مکروہ کہا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی عقلمند شخص یہ تصور نہیں کر سکتا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ طواف وداع کو ناپسند کرتے تھے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی قبر کے معاملہ میں زیارت کے لفظ کو پسند نہیں کیا ورنہ وہ اس کے قائل ہیں کہ وہاں قیام کیا جائے اور صلوة و سلام پڑھا جائے۔ اب اگر کوئی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف یہ منسوب کرتا ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری اور صلوة و سلام کو ممنوع قرار دیتے تھے تو یہ امام

مالک رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور خود اس قائل کی عقل کا قصور ہے۔

ازالہ اشکال:

اگر کوئی یہ کہے کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ”مصنف“ میں سند کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ حسن ابن حسن ابن علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو قبر النبی ﷺ کے پاس دیکھا تو ان کو روکا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر وہیں سے درود و سلام بھیج دیا کرو وہ مجھ تک پہنچ جائے گا“ میں کہتا ہوں کہ قاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ“ میں سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا ایک شخص روزانہ آ کر قبر النبی ﷺ کی زیارت کرتا ہے اور درود و سلام پڑھتا ہے۔ اس پر امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پوچھا کہ تم یہ کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام پیش کروں۔ اس پر امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمایا: کیا میں تمہیں حدیث نہ سناؤں جو میں نے اپنے والد گرامی سے سنی ہے اس نے کہا اچھا سنائیں۔ پس امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمایا: میرے والد گرامی نے مجھے اپنے والد گرامی کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر وہیں سے درود و سلام بھیج دیا کرو وہ مجھ تک پہنچ جائے گا“

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لئے جہز کا تھا کہ وہ اس معاملہ میں حد سے تجاوز کر رہا تھا اور مسنون طریقہ کو چھوڑ رہا تھا۔ اور یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ سلام دور سے بھی پہنچ جاتا ہے تاکہ ہر وقت حاضر ہو کر سلام پیش کرنے میں مشقت ہوتی ہے۔ تو امام زین العابدین کا قول بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول تھا۔ ورنہ سلف میں کسی سے کیسے ممکن ہے کہ مطلق زیارت قبر پر اعتراض کرے اور خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کو مکروہ قرار دے

جس پر اجماع ہو چکا ہے اور ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ جو احادیث اور آثار اس زیارت کی ذیل میں وارد ہوئے ہیں۔ پس نبی اکرم ﷺ اور دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں پس ان کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے؟

اب حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ” لا تَجْعَلُوا قَبْرِي عَيْدًا “ (میری قبر کو عید نہ بناؤ) امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کی سند میں نافع الصامغ ہیں ان سے سنن کے چاروں آئمہ اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ ” تعرف حفظه و تنكر “ اور امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے وہ حافظ نہیں اور یہ لین ہے اس کا حفظ معروف ہے مگر منکر ہے اور یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور ابو زر عنہ نے کہا ہے لا باس بہ۔

اور ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ انہوں نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے غرائب روایت کی ہیں اور یہ اپنی روایات میں مستقیم الحدیث ہے۔ اگر یہ حدیث ثابت نہ ہو تو کوئی کلام نہیں اور اگر یہ ثابت ہو جائے یہ زیادہ اقرب ہے۔ شیخ زکی الدین المنذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس کے معنی میں یہ بھی احتمال ہے کہ قبر نبی پر بکثرت حاضر ہونے کی ترغیب کے لیے یہ حدیث وارد ہوئی ہو یعنی جس طرح عید سال میں صرف دو مرتبہ آتی ہے تم میری قبر پر حاضری کی یہ صورت نہ کرنا بلکہ بکثرت حاضری دینا اور اس شتئی کی تائید اسی حدیث کا دوسرا حصہ کرتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ ” اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ “ یعنی وہاں نماز پڑھنا نہ چھوڑو کہ وہ قبرستان کی طرح ہو جائیں جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے اس کی مراد یہ ہو کہ میری قبر پر حاضری کا کوئی وقت مخصوص نہ کرو جیسا کہ بعض چیزوں کی زیارت کے لیے دن مخصوص کر دیا جاتا ہے بلکہ جس دن چاہو حاضری دیا کرو اور یہ بھی معنی ہیں کہ میری قبر پر حاضری کے لیے ایسی زیب و زینت نہ کیا کرو جیسا کہ عید کے لیے کرتے ہو محض حاضری سلام و صلوة و زیارت کے لیے ہونی چاہیے کہ حاضری دینے کے بعد پھر زائر واپس لوٹ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے نبی ﷺ کی مراد کو بہتر جانتا ہے۔

پانچواں باب

زیارتِ قبرِ النبیؐ ثواب کا کام ہے

یہ بات کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے کہ زیارت قبر انبی ثواب کا کام ہے۔

کتاب اللہ سے ثبوت:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

”ولو أنهم اذ ظلموا أنفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔)

یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے پر راہنمائی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ گناہگار رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور وہاں مغفرت چاہیں اور رسول اللہ ﷺ ان کی مغفرت کی سفارش کریں۔ یہ آیت اگرچہ حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں آئی ہے لیکن یہ حضور ﷺ کا وہ رتبہ ہے جو وفات سے بھی کم نہ ہوگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونا تو حضور نبی اکرم ﷺ سے مغفرت کی دعا کرانے کے لیے تھا اور یہ بات آپ کے وصال مبارک کے بعد متصور نہیں۔ اس بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ثواب و رحیم ہونا تین امور پر منحصر ہے۔

۱۔ گناہگار کا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی چاہنا۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمانا۔

جہاں تک حضور نبی اکرم ﷺ کے دعا فرمانے کا تعلق ہے تو وہ آپ ﷺ نے تمام مومنین کے لیے فرمادی ہوئی ہے۔ آیت مبارکہ میں مذکور ہے۔

”واستغفر لذنوبك و للمؤمنين و المؤمنات“ [سورہ محمد: ۱۹]

اور استغفار کریں اپنے بعد آنے والوں کے لیے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے

اسی لیے عاصم بن سلیمان تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مرزبان صحابی سے کہا تھا۔ آپ کے لیے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے مغفرت کی دعا فرمادی تھی تو انہوں نے کہا: ہاں اور تمہارے لیے بھی۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اس روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔

پس مذکورہ تین امور میں سے استغفارِ رسول ﷺ سب مسلمانوں کے لیے ثابت ہے۔ پس اب اگر وہ حاضر ہو گئے اور انہوں نے استغفار کر لی تو وہ تینوں چیزیں متحقق ہو گئیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ قبول کرنے اور رحم فرمانے کی شرط تھیں۔ اور رسول اکرم ﷺ کا گناہ گاروں کے لیے استغفار کرنا، اس کے لیے یہ شرط نہیں تھی کہ وہ گنہگاروں کے استغفار کے بعد ہو۔ بلکہ مطلقاً رسول اکرم ﷺ کے استغفار کا ذکر کیا گیا ہے خواہ وہ استغفار پہلے ہو یا بعد میں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ ان (گنہگاروں) کے استغفار میں آپ ﷺ کا استغفار شامل ہو۔ اس لیے اگر ”واستغفر لہم الرسول“ کا عطف ”فاستغفروا اللہ“ پر کیا جائے تو گنہگاروں کا استغفار کرنا رسول اکرم ﷺ کے استغفار کے بعد ہونا ثابت ہوگا۔ لیکن اگر ہم ”واستغفر لہم الرسول“ کا عطف ”جاء وک“ پر کریں تو پھر رسول اکرم ﷺ کے استغفار کا ان کے استغفار کے بعد ہونا ضروری نہ ہوگا۔

یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم یہ سمجھ لیں کہ بعد از وصال رسول اللہ ﷺ استغفار نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ہم ایسا ہرگز خیال نہیں کرتے اور ہم آئندہ یہ واضح کریں گے کہ آپ بعد از وصال بھی امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اور اگر آپ کے بارے

میں اگر یہ عقیدہ بھی رکھا جائے کہ آپ اب امت کے لیے استغفار نہیں کرتے تو پھر بھی جب یہ معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت امت پر کمال درجے کی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اب بھی آنے والے کے لیے استغفار کر سکتے ہیں۔ بہر صورت یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنے والے کے لیے تینوں امور حاصل ہو جاتے ہیں خواہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہری میں آیا ہو یا آپ کے وصال مبارک کے بعد۔

اس آیت مبارکہ کا نزول اگرچہ خاص ایک قوم کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہوا تھا لیکن علت کے عام ہونے کی وجہ سے یہ حکم ہر آنے والے کے لیے ہوگا خواہ وہ آپ کی زندگی میں آپ کی خدمت میں پہنچا ہو یا وصال کے بعد، اسی لیے علمائے کرام نے آیت سے دونوں حالتوں میں اس حکم کا عموم سمجھا ہے اور جو شخص بھی آپ کی قبر انور پر پہنچے اس کے لیے اس آیت کی تلاوت اور استغفار کو مستحب قرار دیا ہے اور اس بارے میں شیخ عقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ مشہور ہے جو ہم تیسرے باب کے آخر میں ذکر کر چکے ہیں اور جس کو ہر مذہب کے علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اور مستحب خیال کرتے ہیں اور اس کو آداب زائر میں سے قرار دیتے ہیں۔

سنت مبارکہ سے دلائل:

جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو ہم باب اول اور باب ثانی میں ان احادیث کا ذکر کر چکے ہیں جو خاص طور پر آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں منقول ہیں اور وہ احادیث بھی ذکر کر چکے ہیں جن میں عام قبور کی زیارت کا حکم ہے اور ان میں آپ ﷺ کی قبر مبارک بھی داخل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو“ اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قبور کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔“ حافظ ابو موسیٰ اصہبانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”آداب زیارت القبور“ میں ذکر کیا ہے کہ زیارت قبور کا حکم حدیث حضرت بریدہ اور حضرت انس اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ اور حضرت ابی ابن کعب اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہم

میں وارد ہوا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک سید القبور ہے وہ بھی لامحالہ قبروں کے عموم میں داخل ہے اور اس کی زیارت بھی عام حکم میں شامل ہے۔

اجماع امت سے دلائل:

اجماع کی بات تو ہم قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے چوتھے باب میں نقل کر چکے ہیں۔ یہ یاد رکھیں علمائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ مردوں کے لیے قبور کی زیارت کرنا مستحب ہے بلکہ بعض ظاہر یہ اسی حدیث کی وجہ سے قبروں کی زیارت کے وجوب کے قائل ہیں۔ حضور ابو زکریا نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو زیارت قبور کے استحباب پر اجماع نقل کیا ہے۔

زیارت قبور کے منکرین کے اقوال:

”مصنف ابن ابی شیبہ“ میں امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے انہوں نے کہا ہے کہ اگر زیارت قبور کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ممانعت نہ ہوتی تو میں اپنی بیٹی کی قبر کی زیارت کو جاتا۔ اگر یہ نسبت ان کی طرف صحیح ہے تو یہی کہا جائے گا کہ اس بارے میں ناسخ قول ان تک نہیں پہنچا تھا۔ اور انہوں نے اپنے اس موقف کی کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی اس لیے یہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے ”وہ زیارت قبور کو مکروہ سمجھتے تھے“ لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہیں جو مکروہ سمجھتے تھے؟ لہذا ان کا یہ قول حجت نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کراہت کی وجہ بیان نہیں کی لہذا اس سے مراد زیارت قبور کی کوئی کراہت والی صورت ہی مراد ہوگی۔

پہن یہی دو قول ہیں جن سے زیارت قبور کو روکنے والا شخص استدلال کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ دو قول اس درجہ کے نہیں ہیں کہ صحیح احادیث اور مشہور سنت کے معارض ہو سکیں بلکہ اگر ان قولوں کو صحیح بھی مان لیا جائے تو یہ قول اس قدر شاذ ہوں گے جن کا اتباع اور ان پر اعتماد درست نہ ہوگا اس لیے کہ ہمیں قطعی طور پر مردوں کے لیے

زیارت قبول کا شریعت سے ثبوت ملتا ہے۔ اور آپ ﷺ کی قبر مبارک بھی اس عموم کے ماتحت آجاتی ہے لیکن ہمارا مقصود آپ ﷺ کی قبر انور کی زیارت کا مستحب ہونا خاص دلائل سے ثابت کرنا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کا مستحب ہونا:

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کا حکم خاص و عام دلائل سے ثابت ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر مردوں کے لیے غیر نبی کی قبر کی زیارت میں اختلاف بھی ہو تو بھی اس سے حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا مختلف فیہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اس لیے کہ زیارت قبر میں صاحب قبر کی تعظیم ہے۔ اور تعظیم نبی واجب ہے اور غیر نبی کی تعظیم واجب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے معاملہ میں مرد و عورت کا بھی فرق نہیں ہے اور قبر نبی کی زیارت کے لیے عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے دیگر قبور کی زیارت کے استحباب میں اجماع صرف مردوں کے لیے ہے۔

عورتوں کے لیے زیارت قبور کا حکم:

عورتوں کے لیے زیارت قبور کے مسئلہ میں ہمارے مذہب میں چار اقوال ہیں۔

۱۔ مشہور قول یہ ہے کہ ان کے لیے قبرستان جانا مکروہ ہے۔ شیخ ابو حامد، محاملی، ابن الصباغ، جرجانی، نصر مقدسی، ابن ابی عمرو رحمہم اللہ تعالیٰ اسی کے قائل ہیں اور اس کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہی نہیں ہے۔ صاحب المنہج ب اور صاحب البیان اسی کے قائل ہیں۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل ان کے لیے مکروہ ہے نہ مستحب بلکہ مباح ہے۔ اور اس قول کے قائل امام رویانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اگر ان کا زیارت کرنا غم تازہ کرنے اور نوحہ کرنے کے لیے ہے

تو حرام ہے۔ اور اگر محض عبرت کے لیے ہے تو مکروہ ہے مگر بوڑھی عورتوں کے لیے مباح ہے۔ جیسا کہ ان کے لیے مسجد میں جماعت کے لیے حاضر ہونا مباح ہے۔ اور یہ امام شاشی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف ہے۔ مرد اور عورت میں یہ فرق اس لیے ہے کہ مرد کے پاس ضبط اور قوت ہوتی ہے اس لیے وہ زیادہ آہ و بکاء نہیں کرتا جبکہ عورت اس کے برعکس ہے۔

جو حضرات عدم جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔“ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے اور اس کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

زیارتِ قبور کے جواز کے دلائل:

جو حضرات عورتوں کے زیارتِ قبور کے لیے نکلنے کے جواز کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا پس زیارت کیا کرو۔“ اس اجازت میں مرد و عورت سب داخل ہیں۔ مگر اس کے برعکس جو لوگ عدم جواز کے قائلین ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ صرف مردوں کو خطاب ہے اور صرف انہی کو اجازت ملی تھی۔

جواز کے قائلین یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر۔“ اور اس کو قبر کی زیارت سے منع نہیں کیا۔ اور یہ صحیح استدلال ہے۔

جواز کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قبرستان جا کر میں کیا دعا پڑھوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یوں کہنا: ”السلام علی اهل الدیار من المؤمنین“ (اہل دیار کے رہنے والوں پر سلام ہو مومنوں کی طرف سے۔) یہ بھی صحیح استدلال ہے۔ نیز ہم عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیع

تشریف لے جانے کا واقعہ ذکر کریں گے وہ بھی صحیح استدلال ہے۔

قبر انور کی حاضری کے مستحب ہونے کا قیاس سے جواز:

حضور نبی مکرم ﷺ کی قبر کی زیارت عبادت اور کارِ ثواب ہے۔ اس موضوع کو قیاس سے بھی ثابت کیا جاسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ حضور نبی اکرم ﷺ جنت البقیع اور شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے اور یہ جانا آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ دوسروں کے لیے بھی مستحب ہے۔ تو جب آپ ﷺ کی قبر انور کے علاوہ دوسری قبروں پر جانا مستحب ہوا تو پھر آپ کی قبر کی زیارت کیوں مستحب نہ ہوگی؟ جبکہ ہر مسلمان پر آپ ﷺ کے حقوق ہیں۔ اور ہر مسلمان پر آپ ﷺ کی تعظیم واجب ہے۔

اشکال:

اب اگر کوئی یہ کہے کہ عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت تو اس لیے کی جاتی ہے کہ وہاں پہنچ کر ان کی مغفرت کی دعا کی جائے۔ جس طرح کہ حضور ﷺ نے اہل بقیع کی زیارت فرمائی۔ تو حضور نبی مکرم ﷺ کا مقصد ان اصحاب القبور کی مغفرت کی دعا کرنا تھا نہ کہ اپنی مغفرت کرانا۔ لہذا حضور ﷺ اس سے مستغنی ہیں کہ آپ کی مغفرت کی دعا کی جائے اس لیے آپ کی قبر مبارک کی حاضری کیونکر کی جاتی ہے؟

جواب:

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت اس لیے نہیں ہے کہ حضور کی مغفرت کی دعا کی جائے بلکہ آپ کی تعظیم کے لیے اور تبرک حاصل کرنے کے لیے ہے۔ اور اس لیے ہے کہ ہمارے صلوة و سلام سے ہم پر رحمت نازل ہو اور ہمیں ثواب حاصل ہو جیسا کہ عام حالات میں ہمیں درود شریف پڑھنے کا حکم ہے یا حضور ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کرنے کا حکم ہے۔ یہ چیزیں تو خود حضور ﷺ کو ہماری دعا و درود سے پہلے حاصل ہیں ہمیں تو اس لیے حکم دیا گیا ہے تاکہ اس فعل سے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمیں حاصل ہو جائے۔

اعتراض:

اگر یہ کہا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت تعظیم کے لیے اور عبادت سمجھ کر کی جاتی ہے اور اس میں اندیشہ ہے کہ مبالغہ شروع ہو جائے اور اس کو پوجنا شروع کر دیا جائے جبکہ یہ احتمال عام قبروں کی زیارت میں نہیں ہے۔

جواب:

یہ بات تو اس قدر لچر اور مبنی بر جہالت ہے کہ اس کے جواب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ان اوہام کی بنیاد پر زیارت کے تمام احکام سے قطع نظر کی جائے گی تو پھر کوئی فرض قابل عمل نہ رہے گا۔ ہر واجب اور فرض پر اس طرح کے باطل اوہام پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ حقدین نے ان باطل اوہام کی بنیاد پر کبھی بھی زیارت قبر نبی سے قطع نظر نہیں کیا۔

اس کے علاوہ علمائے کرام نے وہ تمام حدود متعین کر دی ہیں جو تعظیم کے لیے ہیں اور عوام کو اس میں مبالغہ سے روک دیا ہے۔ اور ان تمام آداب کو واضح کر دیا ہے جو زیارت قبر نبی کے لیے ضروری ہیں۔ تو اب محض اس باطل وہم سے قبر نبی کی زیارت سے قطع نظر نہیں کیا جاسکتا۔ علمائے کرام کی جانب سے زیارت قبر النبی ﷺ کے آداب بیان کرنے کے بعد اس بات کا خطرہ نہیں کہ وہاں غیر اللہ کی عبادت ہوگی۔ اب اگر کوئی منصب نبوت کی تعظیم کو ترک کرے گا اور اس تعظیم کو خدا کی عبادت سمجھے گا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا اور جو تعظیم نبی اس پر فرض تھی اس کی ادائیگی میں اس نے کوتاہی کی۔

زیارت قبور کی اقسام:

زیارت قبور کی چار اقسام ہیں۔

پہلی قسم:

ایک قسم تو یہ ہے کہ زیارت سے مقصود محض موت کو یاد کرنا اور آخرت کو یاد کرنا ہوتا ہے۔ اس میں تو مطلقاً قبروں کی زیارت کافی ہے۔ خواہ زائر ان اہل قبور سے واقف

ہو یا نہ ہو۔ یہاں نہ استغفار کا قصد ہوتا ہے نہ برکت حاصل کرنے کا نہ ان کے حقوق ادا کرنے کا اور زیارت کی یہ صورت مستحب ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ”قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔“ وہ اس طرح کہ انسان جب قبر دیکھتا ہے تو اس کو موت اور اس کے بعد کی کیفیات یاد آتی ہیں اور اس کو نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ اس قسم میں تمام قبور کی زیارت شامل ہے اور تمام قبور کی زیارت کا یکساں حکم ہے جیسا کہ نماز کے ثواب کے بارے میں تین مسجدوں کے علاوہ تمام مساجد کا یکساں حکم ہے۔

دوسری قسم:

دوسری قسم یہ ہے کہ زیارت قبور کا مقصد اہل قبور کے لیے دعا کرنا ہو جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل بقیع کی زیارت کی۔ اور اس طرح کی زیارت ہر مسلمان کی قبر کے لیے مستحب ہے۔

تیسری قسم:

تیسری قسم یہ ہے کہ نیک لوگوں کی قبر کی زیارت کی جائے تاکہ برکت حاصل ہو۔ اس کے بارے میں ابو محمد شارح مساجد مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ نفع اور برکت حاصل کرنے کے لیے کسی قبر کی زیارت بدعت ہے سوائے قبر رسول اکرم ﷺ اور دیگر رسل عظام سلام اللہ علیہم کی قبروں کے۔ کسی اور قبر کی اس لحاظ سے زیارت کیا یہ واقعی بدعت ہے؟ اس بارے زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اس موقع پر صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت اور دیگر انبیائے کرام سلام اللہ علیہم کی قبور کی زیارت تبرک حاصل کرنے کے لیے جائز ہے۔

چوتھی قسم:

چوتھی قسم یہ ہے کہ قبور کی زیارت اہل قبور کے حقوق ادا کرنے کے لیے کی

جائے۔ اگر کسی کا کسی پر حق ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے اور قبر کی زیارت کرنا بھی صاحب قبر کے ساتھ نیکی کا برتاؤ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اپنی والدہ کی قبر کی زیارت اسی قسم کی تھی۔

منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور صحابہ کرام علیہم السلام پر بھی گریہ طاری ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ ان کی مغفرت کی دعا کروں تو اس کی اجازت نہ ملی۔ ہاں قبر پر حاضری کی اجازت مل گئی۔ لہذا تم بھی قبور کی زیارت کر لیا کرو کہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔“ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ یہ زیارت میت کے لیے رحمت ہوتی ہے اور وہ اس زیارت سے مانوس ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قبر میں میت اس زیارت کرنے والے سے زیادہ مانوس ہوتی ہے جو اسے دنیا میں محبت کرتا تھا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب کوئی مومن اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے جس سے اس کی دنیا میں جان پہچان تھی پھر وہ اس کو سلام کرتا ہے تو وہ (مردہ) اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔“ اس حدیث کو بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تذکرہ میں کہا ہے کہ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور ایسے بہت سے آثار ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ زندہ لوگ جب مردوں کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور ان کے لیے درود و سلام کا تحفہ بھیجتے ہیں تو مردے کو نفع پہنچتا ہے۔ جب یہ واضح ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ زیارت قبر نبوی ﷺ میں چار مقاصد جو ہم نے بیان کیے، وہ سب ثابت ہیں۔ پہلا تو وہ ظاہر ہے۔ اور دوسرا تو ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے لیے دعا کریں اگرچہ وہ بفضلہ تعالیٰ ہماری دعا سے بے نیاز ہیں۔

تیسری اور چوتھی وجہ اس طور پر پوری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آپ سے زیادہ برکتوں والا کوئی اور نہیں ہے اور نہ آپ سے زیادہ مسلمانوں پر کسی کا حق ہے تو

وہ فوائد جو آپ کی قبر کی زیارت میں پائے جاتے ہیں کسی غیر کی قبر میں متصور نہیں ہیں جیسا کہ مسجد حرام کی فضیلت دوسری مسجد میں متصور نہیں ہے۔ اسی طور پر قبر نبی کا قصد کرنا خصوصی طور پر ثابت ہوا اور یہ تو اس وقت ہے کہ جب قبر نبی کی زیارت کے سفر پر کوئی خاص دلیل نہ ہو اب جبکہ خاص دلائل بھی موجود ہیں تو حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت بعینہ مستحب ہے اور غیر نبی کی قبر کی زیارت علی الاطلاق مستحب ہے اور اس پر اجماع بھی منقول ہے بلکہ بعض علمائے کرام تو اس کے وجوب کے قائل ہیں۔

ابن ابی زید رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "النواذر" میں مذکور ہے۔ "زیارت قبور میں، وہاں بیٹھنے میں اور وہاں سے گذرتے وقت سلام بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ نفل حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر سے واپس آئے۔ اس عرصے میں آپ کے بھائی عاصم کی وفات ہو گئی تھی تو آپ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعا کی اور استغفار کیا۔ اور بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ دردناک اشعار بھی پڑھے۔

فان تک احزان و فائض دَمْعَةٍ
جَرَيْنَ دَمًا مِنْ دَاخِلِ الْجَوْفِ مُنْقَعًا
تَجَرَّعْتُهَا مِنْ عَاصِمٍ وَ احْتَسَيْتُهَا
فَاعْظَمُ مِنْهَا مَا احْتَسَيْتُ وَ تَجَرَّعًا
فَلَيْتَ الْمَنَايَا كُنَّ خَلْفَنَ عَاصِمًا
لَعِشْنَا جَمِيعًا اَوْ ذَهَبْنَا مَعًا
دَفَعْنَا بِكَ الْاَيَّامَ حَتَّى اِذَا آتَتْ
تَرِيْدُكَ لَمْ نَسْتَطِعْ لَهَا عَنكَ مَدْفَعًا

۱۔ اگرچہ یہ غم اور ہنسنے والے آنسو ہیں مگر انہوں نے باطن سے مجتمع خون بہا دیا ہے۔

۲۔ میں نے عاصم کی وجہ سے ان کو گھونٹ گھونٹ پیا اور نگل لیا اس سے بڑھ کر وہ ہے جو اس نے پیا اور نگلا۔

۳۔ پس کاش موتیں عاصم کو باقی رکھتیں تو ہم ساتھ جیتے یا ہمیں ساتھ لے جاتیں۔

۴۔ تیرے ذریعے ہم نے مصائب کی مدافعت کی حتیٰ کہ وہ جب آئے تیرے ارادے سے ہم ان کو تجھ سے دور نہ کر سکے۔

ابن حبیب کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا کیا جب آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے بھائی عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی اور آپ آئیں تو ان کی قبر پر گئیں۔ اور اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل بقیع کے استغفار کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں یوں دعا فرماتے تھے ”اے مومنوں اور مسلمانوں کی بستی والو! تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ! رحم فرمائے ہمارے اگلوں پر اور پچھلوں پر اور ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان کا بدلہ عطا فرما اور ان کے بعد ہمیں کسی فتنہ میں مبتلا نہ فرما۔“

اہل تبوز کو سلام کرنے پر یہ دلیل بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سلام کرنا مسنون عمل ہے۔ اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں پر بھی تشریف لے گئے ان کو سلام کیا اور ان کے لیے دعا کی۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیارت قبور کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”ابتداء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا پھر اجازت دیدی تھی تو اگر انسان کوئی کلمہ خیر کہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف:

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ یہ اجازت اس لیے دی گئی تاکہ زائر کو عبرت ہو۔ ہاں جو سفر سے واپس لوٹے اور اس کا کوئی عزیز مر گیا ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ دعا اور رحمت کی درخواست کرے۔ اور شہدائے احد کی قبروں پر بھی حاضری دینی چاہیے اور ان پر اسی طرح سلام پڑھنا چاہیے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر پڑھا جاتا ہے۔

بعض علمائے کرام نے زیارت قبور کے بارے میں ”لا باس“ کہا ہے۔ یعنی اگر کر لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لفظ سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو صرف مباح کہہ رہے ہیں لیکن مباح اور سنت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور شاید ان کے نزدیک زیارت قبور عبادت مریض کی طرح ہے۔ یعنی ان چیزوں کی طرح ہے جن کی اصل وضع، عبادت کے لیے نہیں ہے۔ اور اس پر آئندہ گفتگو ہوگی جب ہم اس موضوع پر بیان کریں گے کہ اگر کسی نے زیارت کی نیت کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ پس یہ اس طرح ہے جس طرح کہا جائے کہ مردوں کی زیارت زندوں کی زیارت کی طرح ہے مگر زندوں کی زیارت کو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ عبادت کے لیے ہے بلکہ اس کو کبھی تقرب الی اللہ کی نیت سے کر لیا جاتا ہے تو اس پر ثواب مل جاتا ہے اور کبھی تقرب کا قصد نہیں ہوتا تو اس پر ثواب مترتب نہیں ہوتا۔ اسی طرح زیارت قبور ہے اور اس میں قربت کی مختلف صورتیں ہیں ایک وجہ قربت کی یہ ہے کہ زیارت کرنے والا عبرت اور آخرت کو یاد کرنے کے لیے زیارت کرے تو یہ زیارت ہر ایک کے لیے مستحب ہے۔

دوسری وجہ قربت کی یہ ہے کہ ترحم اور دعا کے لیے زیارت کرے اور یہ ان قبروں کے لیے ہے جو کسی رشتہ دار کی ہوں اور وہ رشتہ دار زیارت کرنے والے کی عدم موجودگی میں فوت ہو گیا ہو جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیا جب وہ اپنے بھائی عامر کی موت کے بعد وطن واپس ہوئے تھے۔ اسی طرح آپ کے صاحبزادے کا وصال آپ کی عدم موجودگی میں ہوا تو واپس آ کر آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر بتاؤ۔ آپ کو قبر بتائی

گئی تو وہاں پہنچ کر اس کی مغفرت کی دعائیں فرمائیں۔ اس کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیا جب آپ کے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی وفات حبشی گاؤں میں ہوئی یہ گاؤں مکہ سے بارہ میل ہے۔ ان کا جنازہ مکہ لایا گیا اور ان کو وہاں دفن کیا گیا جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ پہنچیں تو ان کی قبر پر گئیں اور وہاں یہ اشعار پڑھے :

وَ كُنَّا كَنَدَمَانِي جَدِيمَةَ حِقْبَةَ
مِنَ الدَّهْرِ حَتَّى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا
فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَانِي وَ مَالِكَا
لِطَوْلِ اجْتِمَاعِ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعَا

اور ہم ایک عرصہ دراز تک جدیمہ کے دو ہم مجلسوں کی طرح تھے یہاں تک کہ یہ کہا گیا کہ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے۔

پھر جب ہم جدا ہو گئے تو گویا کہ میں اور مالک نے باوجود اجتماع کے طول کے ایک شب بھی ساتھ نہ گذاری تھی۔

اور پھر فرمایا: اگر میں وصال کے وقت موجود ہوتی تو اب قبر کی زیارت کو نہ آتی اور اگر میں اس وقت ہوتی تو اس جگہ دفن کراتی جہاں وصال ہوا تھا۔ ابن سعد نے طبقات میں ابن ابی ملیکہ سے نقل کیا ہے کہ میں اپنے گھر سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے ملنے چلا تو وہ ایک جگہ سے آتی ہوئی ملیں ان کے ساتھیوں نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر کی زیارت سے آرہی ہیں۔

امام محمد بن حسن سے السیر الکبیر میں بھی مذکور ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج کرنے یا عمرہ کرنے مکہ تشریف لائیں تو اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر گئیں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا اگر میں موت کے وقت ہوتی تو اب قبر کی زیارت کو نہ آتی یہ اظہار تاسف کے طور پر فرمایا کہ وہ پردیس میں فوت ہو گئے اور پھر قبر پر حاضری کے عذر کے طور پر فرمایا اس لیے کہ ایک حدیث سے بظاہر عورتوں کے قبرستان جانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”قبروں پر جانے والی عورتوں پر خدا کی لعنت ہے۔“ البتہ اس حدیث کی تاویل کی گئی ہے اور انہوں نے حدیث میں ظاہری ممانعت کی وجہ سے کہا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قبر کے علاوہ دیگر قبور کی زیارت بھی باعث ثواب ہے اور بسا اوقات اس زیارت کی تاکید ہو جاتی ہے جیسا کہ کسی رشتہ دار کی قبر کی زیارت رشتہ داری کی وجہ سے اس پر حاضری کی تاکید ہے۔ اور جس سے کوئی رشتہ نہ ہو اس کی قبر پر حاضری بھی عبرت حاصل کرنے کے لیے اور رحم کی درخواست کرنے کے لیے مستحب ہے عام مسلمانوں کی قبروں کا یہی حکم ہے۔ زیارت قبر نبی ﷺ کے حوالے سے مالکیہ کی نصوص ساتویں باب میں آئیں گی۔ جب کوئی کسی ایک قبر کی زیارت کر لیتا ہے تو سنت ادا ہو جاتی ہے جو کہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ اس معین قبر کی زیارت ہی سنت ہے تاکہ اس سے اس قبر کی فضیلت واضح ہو۔ بیشک تمام صلحاء کی قبور کی زیارت قربت ہے۔ اس کی مثال نماز مسجد میں پڑھنے کی مثل ہے کیونکہ اصل مقصود یہ ہے کہ نماز مسجد میں پڑھی جائے۔ اس لیے کسی بھی مسجد میں بھی نماز پڑھ لے گا تو یہ مقصد پورا ہو جائے گا کوئی خاص مسجد مطلوب نہیں سوائے ان تین مساجد کے کہ جن کو متعین کر دیا گیا ہے۔ اور ان مساجد میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہوگا۔

جب آپ یہ سمجھ گئے کہ زیارت قبور کا معاملہ مسجد کی نماز کی طرح کا ہے تو زیارت کے لیے کسی خاص قبر کا قصد مناسب نہیں ہے۔ جن علمائے کرام نے زیارت قبر کے لیے سفر کو ممنوع قرار دیا ہے اس سے مراد اس قسم کی زیارت ہے جہاں قبر سے عبرت حاصل کرنا مقصود ہو وہاں کسی خاص قبر کی نیت کرنا درست نہیں ہوگا۔ اب اگر بعض علماء نے باقاعدہ نیت کے ساتھ سواری پر زیارت قبور کے لیے جانے سے روکا ہے تو اس سے

ان کی مراد یہی ہوگی۔ مگر انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور سے یا ان لوگوں کی قبروں سے جن کے جنتی ہونے کی شرع نے گواہی دی ہے تبرک کی نیت سے سفر کیا جائے تو ان کے لیے سفر مستحب ہوگا۔ جیسا کہ مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس ان سب مساجد کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔

اگر کسی قبر کی زیارت کرنا مستحب ہے تو اس سے زیادہ تبرک حاصل کرنے کی نیت سے سفر کرنا بہتر ہے۔ ہاں اگر اس نے کسی خاص میت کے لیے دعا کی نذر کر لی ہو یا کسی ایسی ہستی کی کہ جس کے جنتی ہونے کی گواہی شریعت نے دے دی ہو جیسے سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما تو اس کا قصد کرنا مستحب ہوگا اور پھر نبی اکرم ﷺ کا درجہ تو ان سب سے بلند و بالا ہے جس طرح وہ مساجد جن کی عظمت کی شریعت نے گواہی دی ہے ان میں سے اعلیٰ درجہ مسجد حرام کا ہے۔ اور اس معنی میں سفر کی نیت نہیں کی جائیگی مگر صرف انبیائے کرام علیہم السلام کے مزارات کی۔

جب صرف قبرستان میں جا کر دعا کرنا مقصود ہو تو اور صاحب قبر کا کوئی خاص حق اس کے ذمہ نہ ہو تو اس وقت کسی خاص قبر کی نیت نہیں کی جائے گی۔ مگر کسی خاص میت کے لیے دعا کی نیت کی تھی تو پھر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا اس لیے کہ اس کا حق متعین ہو گیا۔ اب کوئی دوسری قبر اس کے قائم مقام نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ کسی متعین فقیر پر صدقہ کرنے کی نذر کی ہو تو اسی فقیر کو صدقہ دینا ضروری ہوگا۔ اگر کسی مخصوص قبر پر پہنچ کر دعا کرنے کی نذر کی ہو تو قرین قیاس یہ ہے کہ اس کی وفا ضروری ہوگی اس لیے کہ دعا عند القبور مقصود ہے جیسا کہ اہل بقیع کے لیے دعا۔ اس صورت میں بھی اس واجب کی ادائیگی کے لیے سفر کرنا درست ہوگا جبکہ نذر سے وجوب ہو چکا ہے مگر بغیر نذر کے سفر کرنا درست نہ ہوگا۔ اس لیے کسی مخصوص قبر کے پاس پہنچ کر دعا کرنا شرع میں ثواب نہیں ہے کیونکہ میت کے حق کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن ادائے حق کے لیے جیسا کہ والدین کی قبر کی زیارت اس کا بعینہ قصد کرنا مشروع ہے اور اس کے لیے سفر کرنا جائز بلکہ مستحب ہوگا اور سب سے بڑا حق نبی مکرم ﷺ کا ہے تو اس وجہ سے وہاں پہنچنے کے لیے بھی سفر

مستحب ہوگا۔

یہ تمام بحث اس صورت تھی جب کوئی خاص دلیل قبر النبی ﷺ کی زیارت کی نہ ہوتی جب کہ یہاں تو زیارت کے لیے سفر کرنے پر خلف و سلف کا اجماع ہے۔ جب کوئی شخص زیارت قبر نبی ﷺ کی نذر کرے تو کیا اس پر نذر لازم ہوگی؟ قاضی ابن کج نے تصریح کی ہے کہ اس نذر کا پورا کرنا واجب ہوگا اور زیارت کرنا لازم ہوگا۔ اور العبدی المالکی نے اس نذر کے لزوم کی تصریح کی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر مستحب یا مقرب فعل نذر سے واجب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ قربت کی دو قسمیں ہیں ایک قربت تو وہ ہے جو اصل وضع میں عبادت نہیں ہے بلکہ وہ اچھا عمل یا اخلاق حسنہ میں سے ہے جس کی ترغیب شارع نے عمومی فائدہ کی وجہ سے دی ہے۔ اس میں کبھی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی بھی مقصود ہوتی ہے تو ثواب مل جاتا ہے۔ جیسا کہ مریض کی مزاج پرسی، دور سے آنے والوں کی ملاقات اور سلام کو رواج دینا۔

اس قسم کی قربت کے لازم ہونے میں دو قول ہیں۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ نذر کرنے سے اس قربت کا لزوم ہو جائے گا اس لیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”جس شخص نے نذر مانی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے گا تو ضرور فرمانبرداری کرے۔“ اس قسم میں جنازے کی شرکت اور چھینکنے والے کو دعا دینا شامل ہے۔

دوسری قسم عبادات مقصودہ میں نذر ماننے کے حوالے سے ہے۔ عبادات مقصودہ وہ ہیں جن کی اصل وضع تقرب الی اللہ کے لیے ہے اور ان کا مخلوق کو مکلف بنایا گیا ہے۔ جیسے کہ عبادت نماز، روزہ، صدقہ اور حج۔ یہ قسم نذر سے بالاجماع لازم ہو جاتی ہے سوائے بعض مستثنیٰ صورتوں کے۔

بعض علمائے کرام نے اس طور پر وضاحت کی ہے کہ قسم اول وہ ہے جس کو ابتداء شرع نے واجب قرار نہیں دیا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کو ابتداء سے ہی واجب قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے اعتکاف کو دوسری قسم میں داخل کیا ہے اگرچہ وہ ابتداء واجب نہیں ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ اعتکاف کے معنی ایک جگہ ٹھہرنے کے ہیں اور اس کی جنس

جو شرعا واجب ہے وہ عرفات میں ٹھہرنا ہے۔ قسم اول میں تجدید وضو کو داخل کیا ہے اس لیے کہ شریعت میں بغیر حدث کے وضو واجب نہیں ہے۔ اور وضو مقصود بالذات بھی نہیں ہے بلکہ وہ نماز کی شرائط میں سے ہے۔ صحیح یہی ہے کہ تجدید وضو نذر سے واجب ہو جائے گا۔

جو صورتیں مستثنیٰ ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ کسی واجب کی ایک صفت کو تنہا اپنے اوپر لازم کرنا جیسا کہ طویل قراءت یا فرض نماز کو جماعت سے ادا کرنے کی نذر ماننا۔ اس میں دو قول ہیں۔ راجح قول یہی ہے کہ نذر ماننے سے لزوم ہو جائے گا۔ ایسی صورت کہ جس میں کسی شرعی رخصت کا ابطال ہو رہا ہو جیسے کہ سفر میں رمضان کے روزے کی نذر ماننا، اس میں بھی دو قول ہیں۔ راجح قول یہی ہے کہ لزوم نہ ہوگا۔ اسی طرح مریض کا نذر ماننا کہ وہ تکلیف کے ساتھ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کرے گا یا روزے کی نذر کرنا کہ وہ مرض میں بھی افطار نہ کرے گا۔ اس میں صحیح قول یہ ہے کہ لزوم نہ ہوگا۔

اگر کسی نے نفلوں میں قیام کی نذر مانی یا پورے سر کے مسح کرنے کی یا سر کے مسح کو تین بار کرنے کی نذر مانی یا سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر کی نذر مانی تو رافعی نے ان صورتوں میں لزوم و عدم لزوم دونوں کو جائز قرار دیا ہے مگر تیمم کی نذر منعقد نہ ہوگی اس لیے کی اس کا جواز ضرورت کے وقت ہے۔

اگر اس نے کسی خاص جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر نماز لازم ہو جائے گی۔ اور کیا یہ جگہ بھی متعین ہو جائے گی؟ اس بارے میں یہی موقف ہے کہ اگر اس نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی تو یہ جگہ لازم ہو جائے گی اور اگر اس نے مسجد نبوی کی نیت کی تھی تو مسجد نبوی یا مسجد حرام متعین ہوں گی اور اگر مسجد اقصیٰ کی نیت کی تھی تو وہ یا پہلی دونوں مسجدیں متعین ہو جائیں گی۔ (یعنی مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو مسجد حرام یا مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے سے نذر پوری ہو جائے گی کیونکہ یہ دونوں مسجدیں اس سے درجہ میں اعلیٰ ہیں) اور اگر اس نے ان کے علاوہ کسی اور مسجد کی نیت کی تھی تو وہ جگہ متعین نہ ہوگی اور اگر اس نے مسجد حرام میں جانے کی نذر مانی تو نذر لازم ہو جائے گی۔ اور اگر مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ پہنچنے کی نذر کی تھی تو اس میں امام شافعی رحمہ اللہ

تعالیٰ کے دو قول ہیں۔ اظہر قول یہ ہے کہ نذر لازم نہ ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”کتاب الام“ میں فرمایا ہے کہ بیت اللہ شریف پہنچنے کی نیکی فرض ہے اور باقی دونوں جگہ پہنچنا نفل ہے۔ اس قول کی دلیل میں حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے جس کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے۔ فتح مکہ کے دن ایک شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس نے نذر مانی تھی کہ اگر آپ نے بیت اللہ فتح کر لیا تو وہ بیت المقدس میں جا کر دو نوافل پڑھے گا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہاں نماز پڑھ لے“۔ اس کے دوبارہ سوال پر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ”یہاں نماز پڑھ لے“ تیسری بار سوال پر فرمایا: ”پھر تیرا جو جی چاہے وہ کر۔“

حضرت عمر بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اگر تم نے یہاں نماز پڑھ لی تو بیت المقدس میں پڑھنے والی نماز ادا ہو گئی۔“

یاد رکھیں کہ اگر بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو مسجد حرام میں نماز پڑھ لینے سے نذر پوری ہو جاتی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ استدلال غلط ہوگا کہ بیت المقدس میں نذر ماننے سے نذر لازم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ بیت المقدس میں نماز کی نذر مسجد حرام میں نماز ادا کرنے سے بدرجہ اولیٰ ادا ہو جائے گی اور اس لیے کہ دونوں مسجدیں انبیائے کرام علیہم السلام کی مساجد ہیں اور مکہ کی نماز بیت المقدس کی نماز سے افضل ہے تو لامحالہ بیت المقدس میں نماز کی نذر مکہ میں نماز پڑھنے سے ادا ہو جائے گی۔

اگر کسی نے بیت المقدس تک چلنے کی نذر نہ مانی ہو تو صرف نماز کا لزوم رہ جائے گا تو اس کی نذر بیت الحرام میں نماز سے پوری ہو جائے گی اور اگر چلی کر جانے کا بھی اس کے ذمہ لزوم مانا جائے تو بیت الحرام کی نماز سے نذر پوری نہ ہوگی۔ ہاں اگر وہ اس مسافت کی مقدار مکہ مکرمہ کی طرف بھی مسافت طے کر لے جو اس کے اور بیت المقدس

کے درمیان تھی تو بے شک نذر پوری ہو جائے گی۔ حدیث میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ اس شخص نے بیت المقدس تک جانے کی بھی نذر مانی تھی یا صرف نماز کی ہی نذر مانی تھی اگر صرف نماز کی نذر مانی جائے تو مکہ کی نماز سے اس کی ادائیگی ہو جانی ظاہر ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ بیت المقدس میں نماز کی نذر میں لامحالہ بیت المقدس تک جانے کی بھی نذر ہے تو اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیت المقدس جانے کی منت کا لزوم نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہم نے اس بحث کو بہت طویل کر دیا لیکن یہ بات ظاہر ہو گئی کہ بعض التزامات تو وہ ہیں جن کے نذر سے لازم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو قول صحیح کے مطابق لازم ہو جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو قول صحیح کے مطابق لازم نہیں ہوتے۔ اور آپ کو ان میں سے ہر قسم کا ماخذ معلوم ہو گیا۔ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کسی نذر کے لازم ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو اور یہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ ہمارے اصحاب کا دوسرا قول یہ ہے کہ نذر کے لزوم کی شرط یہ ہے کہ اس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو اور یہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔

قبر نبی ﷺ کی زیارت کی نذر ماننے کا حکم:

جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھ لیں کہ قبر نبی ﷺ کی زیارت ایک قربت اور باعث ثواب عمل ہے کیونکہ شریعت نے اس کی ترغیب دی ہے اور اس پر آمادہ کیا ہے۔ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ اس کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت عموم کی ہے اور ایک جہت خصوص کی۔ خصوص کی جہت تو یہ ہے کہ خاص دلائل سے اس کا باعث قربت ہونا ثابت ہے تو اب نذر ماننے سے اس کا لزوم یقینی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ اور اس کو ان عبادات مقصودہ کے ساتھ لاحق مانا جائے گا جو صرف عبادت کے طور پر کی جاتی ہیں۔ جیسا کہ نماز، صدقہ، روزہ، اعتکاف۔ اسی وجہ سے قاضی ابن کج رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی نے نذر مانی کہ وہ قبر نبی کی زیارت کرے گا تو اس کے لیے بالاتفاق اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

غیر نبی کی زیارت قبر کی نذر ماننے کا حکم:

اگر کسی شخص نے کسی غیر نبی کی قبر کی زیارت نذر مانی تو اس میں دونوں صورتیں ہیں۔ میں کہتا ہوں اور جن کا موقف ہے کہ یہ نذر لازم ہوگی یہی حق ہے۔ یہ ان دلائل کی بنیاد پر ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ البتہ غیر نبی کی قبر کی نذر میں لزوم و عدم لزوم ممکن ہے اس وقت ہو جب کہ مطلقاً قبر کی نذر مانی ہو اور لازم اس لیے قرار دیا ہو کہ جس طرح سفر سے آنے والوں کی زیارت کی منت اور سلام کو رائج کرنے کی منت لازم ہوتی ہے۔ یعنی ان چیزوں کی طرح جو اصل وضع میں قربت مقصودہ نہیں ہیں اگرچہ محض قربت ہیں۔ اور اس صورت میں اصح یہ ہے کہ لزوم ہو جائے گا۔ انبیائے کرام سلام اللہ علیہم کے علاوہ کسی معین قبر کی زیارت کوئی قربت نہیں ہے۔ اور قبر النبی ﷺ کی زیارت کی نذر ماننے سے اس کا لزوم ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جن کی وجہ سے زیارت مقصود ہوتی ہے۔

نذر کے وجوب کی شرط:

بعض لوگ نذر کے وجوب کی یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو جیسے کہ اعتکاف۔ اور اعتکاف کا وجوب نذر سے اس لیے ہو جاتا ہے کہ اس کی جنس کا ایک فرد وقوف عرفہ واجب ہے۔ اس کے لیے کہا جائے گا کہ زیارت نبی کی جنس کا بھی وجوب ثابت ہے اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہری میں آپ ﷺ کی طرف ہجرت تھی۔ تو اب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جو چیز نذر سے لازم ہوگی وہ تقرب ہوگی اور ہر تقرب کا لزوم نہیں ہوتا اور زیارت قبر نبی ﷺ ایسی قربت ہے جو نذر سے واجب ہو جاتی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ بعض علمائے کرام زیارت قبر نبی ﷺ کی نذر کا وجوب نہیں مانتے تو اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کو قربت نہیں مانتے۔

مجھے بعض باطل کی حمایت کرنے والوں کی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ القاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی زیارت قبر نبی کی نذر مانے تو اس پر وجوب ہو جائے گا یا نہیں؟

تو انہوں نے فرمایا اگر اس کا مقصود مسجد نبوی تھی تو وہاں جائے اور اس میں نماز پڑھے اور اگر اس نے قبر نبی ﷺ کا ارادہ کیا تھا تو عمل نہ کرے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے ” لا یعمل المظی الا الی ثلاثة مساجد “ سواری کام میں نہ لائی جائے سوائے تین مسجدوں کے۔

اب اگر اس روایت کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے درست مانا جائے تو اس کی اس طرح تاویل ضروری ہے کہ اس سے زیارت قبر نبی کی قربت ہونے کی نفی ثابت نہ ہو۔ اس لیے کہ خود امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، دیگر علمائے کرام اور جمیع امت مسلمہ سے اس عمل کا قربت ہونا منقول ہے۔

ایک تاویل تو یہ ہے کہ اس کو ایسی قربت مانا جائے کہ جس کا لزوم نذر سے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اہل مدینہ اور آس پاس کے لوگوں کے لیے مسجد قبا جانا قربت ہے لیکن نذر سے اس کا وجوب نہیں ہوتا۔ مگر محمد بن مسلمہ مالکی کے نزدیک نذر سے اس کا لزوم ہو جاتا ہے۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اس حدیث کو اس شخص کے لیے مانا جائے جو دور سے آنے کی نذر مانتا ہے۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سواری کا استعمال صرف تین مسجدوں کے لیے کیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر سفر کی نذر مانی ہے تو یہ نذر لازم نہیں ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مطلق سفر قربت نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے مسجد قبا کے قریب رہنے والوں کے لیے اس کی زیارت قربت ہے لیکن نذر سے اس کا لزوم نہیں ہوتا۔ یہ توجیہ تمام توجیہات میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قواعد سے قریب تر ہے۔

”التہذیب للمسائل المدونہ“ میں مذکور ہے کہ جس نے یہ نذر مانی کہ ”میں مدینہ یا بیت المقدس پہنچوں گا“ یا یہ کہا میں مدینہ یا بیت المقدس تک پیدل جاؤں گا۔ تو وہ یہ کہنا پورا نہ کرے جب تک اس نے ان دونوں جگہوں کی مسجدوں میں نماز کی نیت نہ کی ہو یا ان مسجدوں کا نام نہ لیا ہو اور یوں نہ کہا ہو کہ میں مسجد رسول یا مسجد بیت المقدس تک پیدل جاؤں گا۔ اگر اس نے ان مساجد میں نماز کی نیت نہ کی ہو تو اس صورت میں وہ سوار ہو کر جائے تو اس پر کوئی ہدی لازم نہ ہوگی۔ اس لیے کہ ان مسجدوں کا نام لینا

گویا کہ یہ کہنا ہے کہ میں ان مساجد میں نماز پڑھوں گا۔ ہاں اگر کسی اور شہر کی مسجد میں نماز کی نذر مانی تو وہاں جانا ضروری نہیں صرف اپنے شہر کی مسجد میں نماز ادا کر لینے سے نذر پوری ہو جائیگی۔ اور اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ وہ سرحد کی نگرانی کرے گا یا روزہ رکھے گا تو اگر وہ مقام ایسا ہے کہ وہاں جانا قربت ہے تو اس پر یہ نذر لازم ہوگی جیسے عسقلان یا اسکندر یہ ہے اگرچہ وہ نذر ماننے والا مدنی یا مکئی ہو۔ اور اگر کسی نے پیدل چلنے کی نذر مانی تو اس نذر کا پورا کرنا لازم نہیں ہوگا سوائے یہ کہ مکہ یا بیت اللہ یا مسجد حرام یا کعبہ یا حجر اسود یا رکن تک پیدل جانے کی نذر مانی ہو کیونکہ اس صورت میں تو یہ نذر لازم ہوگی۔ تہذیب کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مدینہ تک جانے کی نذر پورا کرنا لازم ہوگا۔ اگر مسجد کی تصریح کی گئی ہو یا وہاں جا کر نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ وہاں کسی اور حوالے سے جانے کی نذر کا کوئی لزوم نہیں ہے اگرچہ یہ قربت ہیں۔

تیسری تاویل یہ ہے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ زیارت قبر النبی ﷺ بالخصوص مطلوب ہے۔ ان احادیث مبارکہ کی بنیاد پر جو ہم نے شروع کتاب میں ذکر کر دی ہیں۔ اور سلف و خلف کے عمل کی بنیاد پر اور اسی طرح دیگر عام دلائل کی بنیاد پر بھی وہ مطلوب ہے کیونکہ زیارت قبور کے بارے میں جو عام احادیث صحیحہ مشہور ہیں ان میں حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک بھی داخل ہے۔

نذر کے ذریعہ اس کا لزوم پہلی جہت یعنی بالخصوص مطلوب ہونے کی بناء پر ہے۔ ہاں دوسری جہت یعنی عام دلائل کی بناء پر مطلوب ہونے کے اعتبار سے ہم نے واضح کیا تھا کہ زیارت کے متعدد مقاصد ہوتے ہیں۔ اور زیارت قبور اس طرح ہے جس طرح کہ دور سے آنے والوں کی زیارت کرنا۔ اور ہم نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ نذر ماننے سے آنے والوں کی زیارت لازم ہو جائے گی باوجودیکہ اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا یہ فعل تقرب ہے یا نہیں؟ کسی معین قبر کی زیارت کی نذر اگر اس کے لیے دعا مقصود ہے تو میت کے حق کی وجہ سے اس کا بھی لزوم ہو جائے گا۔ اور اگر زیارت سے مقصد برکت حاصل کرنا ہے تو بھی حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی نذر کا لزوم ہو جائے گا اور اگر عبرت

حاصل کرنا مقصود ہے تو اس کیلزام میں اختلاف ہے۔ اور اگر کوئی بھی مقصد معین نہیں کیا تو پھر لزوم نہ ہوگا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے والے نے شاید صرف بغیر مقصد آنے کے حوالے سے سوال کیا ہو اور امام صاحب نے اسی حیثیت سے سائل کا جواب دیا ہے اور نذر کو لازم قرار نہیں دیا۔ اور شاید امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں جو خاص روایات ہیں وہ نہ پہنچی ہوں اور وہ عام قبور والی احادیث کی بنیاد پر عدم لزوم کے قائل ہو گئے ہوں۔ حالانکہ یہ قبر مبارک سب سے زیادہ شرف والی ہے اور سب سے زیادہ زیارت کے لائق ہے مگر اس کے باوجود اگر بغیر مقصد آنے کی نذر بانی جائے تو ایسی نذر لازم نہیں ہوگی خواہ یہ قبر نبی ہو یا غیر کی قبر ہو۔

چوتھی تاویل یہ ہے کہ قبر پر جانے سے صاحب قبر کی زیارت مقصود ہوتی ہے۔ اور یہی زیارت ہے جس کو قربت کہا جاتا ہے۔ اور عام طور پر قبر کی زیارت کا مقصد صاحب قبر کی زیارت ہوتی ہے۔ کبھی قبر کی زیارت کا مقصد اس مقام کی زیارت ہوتا ہے، اس مقام کے کسی شرف کی وجہ سے ہے۔ اور یہ زیارت اگر اس جگہ کی زیارت ہے جس کی شرافت پر شرع شاہد ہے تو یہ قربت ہوگی ورنہ نہیں اور شاید امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب اسی بنیاد پر ہے۔ جس طرح کہ ان کا استدلال دلالت بھی کرتا ہے کہ ان کے مد نظر مکان کی زیارت ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبر کی زیارت اس اعتبار سے کہ وہ سر زمین کی زیارت ہے قربت نہیں ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول ”ذرت قبر النبی“ کی ممانعت کو اسی معنی پر محمول کیا ہے۔ اور اس صورت میں یا تو ہم امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی موافقت کریں گے حضور اکرم ﷺ کے فرمان ”لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد“ پر عمل کرتے ہوئے۔ اور حضور اکرم ﷺ کے فرمان ”من زار قبری“ کو اس معنی پر محمول کریں گے کہ ”جس نے میری زیارت کی جب کہ میں قبر میں مدفون ہوں“ جس طرح کے ذہن فوری طور پر ادھر ہی جاتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حضور کی قبر مبارک کی زیارت بھی قربت ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ”من زار“

قبری“ یہ خاص ہے بہ نسبت ”لا تشذ الرحال“ والی روایت کے۔ تو اس خاص کے ذریعہ اس عام کی تخصیص کر لی جائے گی اور مطلب یہ ہو گا کہ ”لا تشذ الرحال“ کی ممانعت سے زیارتِ قبر نبی مستثنیٰ ہوگی، اس فرمان ”من زار قبری“ کی وجہ سے۔

بہتر یہی ہے کہ حضور کے فرمان ”من زار قبری“ کے معنی ”من زار فی قبری“ (جس نے میری زیارت کی جب کہ میں قبر میں ہوں) لیے جائیں اور محض سرزمین کی زیارت کو قربت نہ مانا جائے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا تقاضا ہے۔ پس اس سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی بھی وضاحت ہو جائے گی اور یہ بات بھی ظاہر ہو جائے گی کہ امام صاحب کے قول کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ زیارتِ قربت نہیں ہے۔ اور نہ یہ معنی ہے کہ زیارت کا سفر قربت نہیں ہے بلکہ یہ تو سب علمائے کرام کے نزدیک قربت ہے۔ لہذا اگر اس مسجد نبوی ﷺ میں آنے کی نذر مانی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اس کے ذمہ لازم ہو جائے گی۔ اور شیخ ابو علی سنی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ وہ صرف زیارت پر اکتفاء کرے گا۔ اور امام رافعی کہتے ہیں کہ یہ ظاہر ہے۔ اور امام صاحب سنی اس حوالے سے توقف کیا ہے کہ زیارت مسجد سے اور اس کی تعظیم سے تعلق نہیں رکھتی اور انہوں نے اس حوالے سے توقف نہیں کیا کہ زیارتِ قربت نہیں بلکہ ایسا قول کسی نے بھی نہیں کیا۔ ہم چوتھے باب میں شیخ عبدی مالکی کا یہ قول تک نقل کر چکے ہیں کہ مدینہ منورہ تک زیارت کے لیے پیدل جانا، کعبہ اور بیت المقدس تک جانے سے زیادہ افضل ہے۔



چھٹا باب

زیارتِ بارگاہِ نبوی ﷺ کے لیے
سفرِ قربت ہے

بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری کا کتاب اللہ سے ثبوت:

بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری اور زیارت کے لیے سفر کرنا باعث تقرب ہے اور اس کی درج ذیل وجوہات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے)

پانچویں باب میں ہم اس کے بارے میں پوری بحث کر چکے ہیں اور بارگاہ نبوی میں حاضری کے لیے آنا بہر صورت ثابت ہو جاتا ہے خواہ وہ قریب سے آنا ہو یا دور سے۔ خواہ سفر کر کے آنا ہو یا بغیر سفر کے۔ لہذا یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ یہاں مطلق آنے کا ذکر ہے تو اس کی دلالت ہر آنے والے یعنی ہر فرد پر نہیں ہے اس لئے کہ یہاں آنے کا ذکر شرط کی ضمن میں ہے لہذا وہ آنے والے تمام افراد پر صادق ہوگا جس سے بھی آنا ثابت ہوگا اس کے لئے اللہ تعالیٰ تو تواب و رحیم ثابت ہوگا۔

دوسری دلیل..... زیارت کے تقرب ہونے کا سنت سے ثبوت:

زیارت کا قربت ہونا سنت سے بھی ثابت ہے کیونکہ حدیث مبارکہ ”من زار قبری وجبت له شفاعتی“ یہ عام ہے خواہ زیارت کرنے والا قریب مقام سے آیا ہو یا دور سے، خواہ سفر کر کے آیا ہو یا بغیر سفر کے، سب عموم میں داخل ہیں۔ خاص طور پر اس حدیث کے پیش نظر جس کی ابن السکن نے تصحیح بھی کی ہے ”من جاءنی زائراً لا تعمد حاجة الا زیارتی“ اس سے تو بظاہر سفر کر کے آنے والا مراد ہے اور یہ ہم پہلے بتا چکے

اس دلیل سے ثابت ہوا کہ جب غیر النبی کی قبر کی زیارت کے لئے نکلنا جائز ہو گیا تو حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنا اور نکلنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

چوتھی دلیل... اجماع امت سے ثبوت:

چوتھی دلیل سلف و خلف کا اجماع اور اتفاق ہے۔ لوگ حج سے فارغ ہو کر ہمیشہ سے ہر سال حضور اکرم ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جاتے ہیں اور بہت سے لوگ حج سے پہلے زیارت کر لیتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے اور ہمارے بڑوں نے دیکھا ہے اور علماء پرانے زمانے سے یہ بات نقل کرتے چلے آئے ہیں جیسا کہ ہم نے تیسرے باب میں بتایا ہے اور یہ ایسا یقینی معاملہ ہے کہ اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ سب لوگ مدینہ پہنچنے کا قصد کرتے ہیں خواہ ان کا حج کا راستہ ادھر سے گزرتا ہو یا نہ گزرتا ہو اس مقصد کے لئے بڑی مسافت طے کرتے ہیں رقم خرچ کرتے ہیں اور طرح طرح کی مشقیں برداشت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ خلف و سلف کا اجماع اور اتفاق جن میں علماء اور صلحاء داخل ہیں ناممکن ہے کہ کسی غلط بات پر ہو سکے۔ سب کا مقصد اس فعل سے تقرب الی اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور جو شخص زیارت کے لئے حاضر نہیں ہو سکتا اس کو انتہائی رنج و قلق ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ امت کا یہ اجماع غلط بات پر ہے تو وہ خود خطا کار ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ وہ اس سفر میں دوسری عبادت کا قصد بھی کر لیتے ہوں گے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ اس سفر میں دوسری عبادت کا قصد بھی کر لیتے ہوں گے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ضرور ایسا کرتے ہوں گے اس لئے کہ اکثر مصنفین مناسک کی بحث میں یہ کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ قبر النبی ﷺ کی زیارت کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی میں جانے کی اور وہاں نماز پڑھنے کی بھی نیت کر لے۔ منکرین زیارت بھی دراصل زیارت کے منکر نہیں ہیں بلکہ زیارت مستحبہ کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ زیارت کے ساتھ مسجد کا بھی قصد کر لے۔

میں کہتا ہوں کہ اس بارے میں یہ بحث کہ لوگ مدینہ منورہ کے سفر میں کس چیز

کا قصد کرتے ہیں؟ منصف مزاج آدمی اگر اس پر غور کرے گا اور لوگوں سے معلومات حاصل کرے گا تو سمجھ لے گا کہ لوگ جب مدینہ منورہ کا قصد کرتے ہیں تو وہ زیارت کا قصد کرتے ہیں اور راستہ طے کرتے ہوئے ان کے دل میں زیارت کے علاوہ ثواب کی دیگر باتوں کا خیال تک بھی نہیں آتا ہے ان کی بڑی غرض زیارت ہوتی ہے۔ اگر وہاں زیارت کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ وہاں کا سفر نہ کرتے۔ چنانچہ مسلمان بیت المقدس کا سفر بہت کم کرتے ہیں اگرچہ وہاں بھی نماز کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مدینہ منورہ جانے کا اصلی مقصد زیارت ہے جس طرح مکہ معظمہ جانے کا اصلی مقصد حج اور عمرہ ہے۔ اب اگر مسائل کو ہمارے بیان میں کوئی شک ہے تو وہ جانے والوں سے تحقیق کر لے۔

باقی رہا مناسک حج کے بارے میں کتب لکھنے والوں کا طریقہ جو وہ اختیار کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انہوں نے زیارت کے لئے مسجد نبوی کے قصد کو بمنزلہ شرط کے ذکر کیا ہے بلکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ زیارت کی قربت کے ساتھ دوسری قربتیں بھی حاصل کر لی جائیں۔ مسجد نبوی کے قصد کی قربت بھی حاصل کر لی جائے اور دیگر قربات مثلاً شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کا ثواب بھی حاصل کر لیا جائے۔ مصنفین نے اس خیال سے تنبیہ کی ہے کہ کہیں زیارت کو جانے والا دیگر قربات کی نیت کو زیارت کے اجر کی کمی کا سبب نہ سمجھ بیٹھے۔ اسی وجہ سے ابو عمرو ابن الصلاح نے تصریح کی ہے کہ دیگر قربات کا قصد زیارت کے ثواب میں کوئی کمی پیدا نہیں کرتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ سمجھے کہ مسجد نبوی کا قصد زیارت کے قصد کے لئے بمنزلہ شرط بیان کیا گیا ہے تو اس کی غلطی ہے۔

پانچویں دلیل..... قربت کا وسیلہ بھی قربت ہوتا ہے:

پانچویں دلیل یہ ہے کہ قربت کا وسیلہ بھی قربت ہوتا ہے۔ شریعت کے قواعد سب اس کے شاہد ہیں کہ وسائل کا اعتبار، مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف کر دے اور تمہارے درجات بلند کر دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ضرور بتائیں۔ ارشاد فرمایا: ”نا پسندیدگی کی حالت میں وضو کو مکمل طریقہ پر کرنا۔ مسجد کی

طرف زیادہ قدم چلنا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ تمہارے لئے سرحد کی حفاظت کی طرح ہے“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ زیادہ قدم چلنے کو جو شرف حاصل ہے وہ اسی درجہ سے ہے کہ وہ عبادت کا وسیلہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص نے وضو کیا اور بہت اچھے طریقے سے وضو کیا پھر وہ مسجد کی طرف نکلا اور اس کو کوئی چیز نہیں نکالتی سوائے نماز کے، وہ جو قدم بھی اٹھاتا ہے اس کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کی ایک غلطی معاف کر دی جاتی ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”نماز کا بڑا اجر اس شخص کے لئے ہے جو دور سے چل کر آئے“ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح روایت ہے کہ ”ایک شخص نے کہا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرا گھر مسجد کے قریب ہو بلکہ میں چاہتا ہوں کہ میرے نامہ اعمال میں مسجد تک چل کر آنے کا اور جب میں واپس اپنے گھر والوں کے پاس جاؤں تو چل کر جانے کا اجر لکھا جائے۔ تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے یہ سارا کچھ جمع کر لیا۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھر مسجد سے دور تھے اور ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے وہ گھر بیچ کر مسجد کے قریب گھر بنائیں مگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا اور فرمایا: ”بے شک تمہارے لیے ہر قدم کے بدلے ایک درجہ ہے۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے گھر میں وضو کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف چلا تا کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض میں فرض ادا کرے تو اس کے ہر دو قدموں میں سے ایک قدم اس کا ایک گناہ معاف کر دیتا ہے اور دوسرا اس کا ایک رتبہ بلند کر دیتا ہے۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص صبح یا شام مسجد کو جاتا ہے اللہ تعالیٰ

اس کے لئے جب بھی وہ صبح و شام گیا، مہمان نوازی کا کھانا تیار فرمادیتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے اس کو وہی ثواب ملتا ہے جو احرام باندھے ہوئے حاجی کو اور جو شخص چاشت کی نماز کے لئے نکلتا ہے اور اس نے یہ مشقت صرف اسی کام کے لیے کی تو اس کو عمرہ کرنے والے کا سا ثواب ملتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو لوگ تاریکیوں میں چل کر مسجدوں میں آتے ہیں ان کو قیامت کے دن کے مکمل نور کی بشارت دے دو۔“ اس حدیث کو امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ”یہی لوگ رحمت میں غوطہ لگانے والے ہیں۔“

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے غسل کیا اور خوب غسل کیا اور صبح کو روانہ ہوا اور خوب صبح کو روانہ ہوا اور امام کے قریب بیٹھا اور کوئی بیہودہ کام نہیں کیا اس کو ہر قدم پر ایک سال کے قیام و صیام کا ثواب ملے گا۔“ اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ پیدل چلا، سوار نہ ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اپنے مریض بھائی کی مزاج پرسی کے لئے چلا وہ جنت کی منزل میں چلا اور وہ جب وہاں جا کر بیٹھتا ہے تو رحمت خداوندی اس کو ڈھانپ لیتی ہے“ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے کسی مریض کی مزاج پرسی کی یا اپنے بھائی کی زیارت کی تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے: ”تو پاکیزہ بن گیا اور تیرا چلنا پاک بنا اور تو نے جنت کی منزل میں اپنا ٹھکانا بنا لیا“ اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

یہ تمام احادیث اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ قربت کا وسیلہ بھی قربت ہے۔ اس امر میں اختلاف کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے جب شریعت اسلامیہ ایسی باتوں سے بھری

ہوئی ہے اور قرآن اس پر ناطق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

” من ینخرج من بیتہ مهاجراً الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع أجرہ علی اللہ “ [النساء: ۱۰۰]

اور جو شخص بھی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے، پھر اسے (راستے میں ہی) موت آ پکڑے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہو گیا۔“

یہ آیت ہمارے موقف کی بہترین دلیل ہے کیونکہ زیارت رسول ﷺ کے لئے جو شخص گھر سے مسافر بن کر نکلا وہ ایک درجہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مہاجر ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یوں ہے۔

” یہ (حکم) اس لیے ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو پیاس (بھی) لگتی ہے اور جو مشقت (بھی) پہنچتی ہے۔ اور جو بھوک (بھی) لگتی ہے اور جو کسی ایسی جگہ پر چلتے ہیں جہاں کا چلنا کافروں کو غضبناک کرتا ہے اور دشمن سے جو کچھ بھی پاتے ہیں (خواہ قتل اور زخم ہو یا مال غنیمت وغیرہ) مگر یہ کہ ہر ایک بات کے بدلہ میں ان کے لیے ایک نیک عمل لکھا جاتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ اور نہ یہ کہ وہ (مجاہدین) تھوڑا خرچہ کرتے ہیں اور نہ بڑا اور نہ (ہی) کسی میدان کو (راہ خدا میں) طے کرتے ہیں مگر ان کے لیے (یہ) سب صرف و سفر) لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں (ہر اس عمل کی) بہتر جزا دے جو وہ کیا کرتے تھے۔ (التوبہ، ۱۲۰: ۱۲۱)

اس آیت میں جس قدر باتیں ہیں وہ ساری ان کے نامہ اعمال میں لکھ دی گئیں اور ان کا اجر ان کے لئے مقرر کر دیا گیا کیونکہ یہ ساری چیزیں جہاد کا وسیلہ تھیں بلکہ جہاد کی جو شرف حاصل ہے وہ بھی اسی لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سر بلندی کا وسیلہ اور سبب ہے۔ اصولین نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے جو شخص دور سے آ کر حج کرے

گا اس کا حج مکی کے حج سے افضل ہے اور حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ” برداشت کرنے والے میری وجہ سے جو کچھ برداشت کرتے ہیں وہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔“

اس میں کوئی شک نہیں جو شخص کسی قربت کے لئے کسی جائز چیز کو وسیلہ بنائے جس میں مشقت ہو جیسے سفر، تو وہ اس مشقت کو اللہ تعالیٰ کے لئے برداشت کرتا ہے۔ لہذا اس کا وہ عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے اور اس کی اس کوشش میں اللہ تعالیٰ اس کو جزا دے گا۔ کسی قربت کا وسیلہ اگر جائز کام ہے اور اس میں مشقت بھی نہیں ہے جبکہ وہ وسیلہ ہے تو عمل کرنے والے کو اس کا بھی اجر ملے گا۔ مثلاً کوئی شخص سوتا ہے تاکہ تہجد کی نماز کی اس میں طاقت آجائے تو اس نیند کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔ اسی لئے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے ”مجھے تو اپنی نیند میں بھی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اسی طرح امید ہے جس طرح تہجد کی نماز میں۔“

علماء نے اس قسم کے ثواب کے بارے میں بحث کی ہے کہ وہ نیت پر ہے یا عمل پر۔ اور صحیح یہی ہے کہ عمل پر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی یہی بتاتا ہے۔ ”تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو خرچہ بھی کرے حتیٰ کہ جو لقمہ بھی تو اپنی بیوی کے منہ میں دے گا اور اس سے تیرا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہو اس سے تیرا رتبہ بڑھے گا۔“ اسی طرح ایک صحیح حدیث میں آیا ہے۔ ”وہ اپنی شہوت حلال جگہ سے پوری کر رہا ہے تو اس کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔“

عبادات کی اقسام

عبادات چار قسم کی ہیں:

- ۱۔ وہ عبادت جن کی وضع ہی عبادت کے طور پر ہے جیسا کہ نماز، روزہ، صدقہ اور حج۔ جب یہ صحیح طور پر ادا کر دی جائیں تو وہ لامحالہ قربت ہوں گی۔ ان کا وجود شرعی اعتبار سے قربت کے سوا نہیں ہو سکتا۔

۲۔ دوسری قسم وہ عبادات ہیں جن کو شرع نے مکارم اخلاق کی وجہ سے لازم کیا ہے۔ جیسے سلام کو فروغ دینا۔ اور ان کے لزوم کا سبب مختلف مصالِح ہیں۔ اور یہی شارع کا مقصود ہے۔ اگر یہ امر خداوندی کے تحت وجود میں لائی جائیں تو قربت ہیں اور اگر یہ نیت نہ ہو تو پھر باقی مباحات کی طرح ہیں۔

۳۔ تیسری قسم میں وہ عبادات شامل ہیں جو مستقلاً تو عبادت نہیں مگر یہ کسی امر خیر تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں جیسے کہ چلنا۔ ان کا حکم بھی وہی ہوگا جس مقصود کے یہ تابع ہوں گی۔ اگر مقصد حرام ہے تو اس کے لئے چلنا بھی حرام ہوگا اور اگر مقصد مباح ہے تو اس کے لئے چلنا بھی مباح ہوگا اور اگر مقصد قربت ہے تو اس کے لئے چلنا بھی قربت ہوگا۔ اگر ان کا وجود بے مقصد ہے تو وہ عبث ہیں۔ اس قسم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب ان کا مقصد قربت ہو تو یہ بھی قربت ہوں گی۔

۴۔ اس سے مراد وہ عبادات ہیں جو وضع کے اعتبار سے مباح ہیں اور مقصود مصالِح دنیا حاصل کرنا ہے جیسا کہ کھانا، پینا، سونا جسمانی مصلحت کے لئے اب یہ بغیر کسی نیت کے جائیں یا دنیوی غرض سے کی جائیں تو مباح ہیں اور اگر دینی مصلحت سے کی جائیں تو موجب اجر ہیں۔ ان کا اجر نیت پر ہے یا ایسے عمل پر ہے جو نیت کے ساتھ ہو۔ دوسری رائے زیادہ بہتر ہے۔

ان باتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ قربت کا وسیلہ بھی قربت ہوتا ہے سفر زیارت کے قصد سے زیارت کے وسیلہ سے تو زیارت کی طرح وہ بھی قربت ہوگا۔

ازالہ اشکال:

اب اگر کوئی یہ کہے کہ زیارت قربت ضرور ہے لیکن قریب شخص کے لئے ہے نہ کہ دور سے آنے والے کے لئے تو ایسی صورت میں سفر قربت نہ ہوگا۔ اس کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ زیارت بہر حال قربت ہے۔ قریب کے لئے بھی اور دور سے آنے والے کے لئے بھی۔ زیارت کے مطلق دلائل کو قریب کے لئے خاص کرنا غلطی اور

خطا ہے۔

اعتراض کا جواب:

اگر کوئی یہ کہے کہ نماز مطلقاً قربت ہے اور اس کے لئے سفر قربت نہیں ہے بجز تین مسجدوں کے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی کوئی چیز قربت ہوتی ہے مگر اس کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے سے وہ قربت نہیں رہتی۔ پس مطلق نماز قربت ہے اور تین مسجدوں کے علاوہ کسی معین مسجد کی نماز چونکہ قربت نہیں ہے لہذا اس کے لئے سفر کرنا بھی قربت نہ ہوگا۔

اگر کوئی کہے کہ اس اصول کے مطابق تو نذر ماننا قربت ہونا چاہئے کیونکہ وہ بھی ایک وسیلہ ہے جو ایک نقلی عبادت کو واجب بنا دیتا ہے اور واجب نفل سے افضل ہے۔ حالانکہ نذر کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے نذر ماننے سے روکا ہے اور فرمایا ہے: ”وہ خیر کا سبب نہیں ہے بلکہ بخیل سے مال خرچ کرانے کی ایک تدبیر ہے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ نفل کو واجب بنانا قربت نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اس لئے کہ اس صورت میں اندیشہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر وہ یہ نفل نہ ادا کر سکا تو گناہگار ہوگا اور اس نفل کی ادائیگی بغیر اس نذر کے بھی ہو سکتی ہے تو نذر سے اس نے ایک خطرہ مول لیا اور کوئی فائدہ نہ ہوا۔

دوسری بات یہ یاد رکھئے کہ قربت کے وسیلہ کو قربت قرار دیا گیا ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اس مطلوب تک پہنچانے والا ہے لیکن کبھی اس میں ایسا عارضہ پیدا ہو جاتا ہے جو اس کو مکروہ بنا دیتا ہے جیسا کہ کوئی غصب شدہ زمین پر چل کر مسجد میں جائے تو یہ چل کر جانا اس عارضہ کی وجہ سے قربت نہ رہے گا کہ وہ غصب کردہ زمین پر چلا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات کیسے یقینی ہے جبکہ اصولیین میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ کسی چیز پر امر، اس کے موقوف علیہ پر بھی امر ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اسی وجہ سے اس بارے میں اختلاف ہے کہ مستحب چیز کا وسیلہ بھی مستحب ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ بتا دیں گے کہ کسی فعل کا قربت ہونا اعم ہے اس سے

تو جب مقدمہ پر وسیلہ کا اطلاق کیا جائے وہ اس حیثیت سے ہوگا کہ اس کے ذریعہ تقرب حاصل ہوا ہے نہ کہ اس حیثیت سے کہ وہ موقوف علیہ ہے بلکہ کبھی مقصد معین وسیلہ پر موقوف ہوتا ہے۔ پس اس کے وجوب میں بھی پہلے والا اختلاف ہوگا۔ اور کبھی مقصد بعینہ اس پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ اس سے پر موقوف ہوتا ہے جو اس سے اعم ہو اور بندہ اس کو وسیلے کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اور کبھی مقصد اصلاً نفس الامر میں اس پر موقوف نہیں ہوتا لیکن بندہ اس کا قصد کرتا ہے یا اس کے موقوف ہونے کا اس کو وہم ہوتا ہے یا اس کے دل میں آتا ہے کہ یہ اس پر موقوف ہے لیکن دوسرے کے دل میں ایسا خیال نہیں آتا۔ پس ان تمام صورتوں میں اسے وسیلہ اور قربت کا نام دیا جاتا ہے اور اس میں اصولیین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پس مقدمہ پر وسیلہ کا اطلاق اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ تقرب کی نیت نہ کی ہو اور اگر تقرب کی نیت نہ کی تو اس کو وسیلہ مجازاً کہا جاتا ہے اور اصولیوں کے نزدیک مقدمہ سے مراد موقوف علیہ ہوتا ہے خواہ اس میں پہنچنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو تو ان دونوں میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔

اگر ہم تسلیم کر لیں کہ مقدمہ وسیلہ کے مترادف ہے تو پھر بلاشبہ وہ قربت نہ ہوگا جب تک کہ اس کے ذریعہ کسی قربت کے تقرب ہونے کا قصد نہ کیا جائے۔ تو ہمارا یہ کہنا کہ قربت کا وسیلہ قربت ہے اسی معنی کے اعتبار سے ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کسی عمل کا قربت ہونا اس کے واجب اور مستحب ہونے کے علاوہ ہے اس لئے ایجاب یا ندب کا حکم ماہیت کلیہ پر ہوا ہے اور جو چیز خارج میں مشخص ہے تو طلب خاص طور پر اس سے متعلق نہیں ہرپس اس پر خصوصاً حکم نہ ہوگا کہ یہ واجب ہے۔ ہاں وہ اپنے ضمن میں واجب تک پہنچا دینے والی ہے۔ کسی شے پر قربت ہونے کا حکم لگانا کبھی تو یہ اس شے کی حقیقت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور یہ ایسی شے ہوگی جس کو وضع ہی قربت کے لیے کیا گیا ہے۔ پس یہ قربت ہو جاتی ہے۔ اور کبھی اس اعتبار سے قربت ہوتی ہے کہ اس سے تقرب کا قصد کیا جاتا ہے۔ پس فعل کے مشخص ہو جانے کے بعد اس پر حکم لگایا جائے گا۔

جب تم یہ سمجھ گئے تو اب سمجھو یہاں چند اعتبارات ہیں ایک مطلق سفر ہے دوسرے مدینہ کا سفر ہے۔ تیسرے مدینہ کا سفر قربت کی نیت سے کرنا ہے۔ تو پہلی دو قسمیں نہ مطلوب ہیں نہ قربت ہیں اپنے طور پر۔ تیسری قسم مطلوب اور قربت ہے۔ قربت کے تفاوت سے اس کے مراتب مختلف ہیں اس لیے کہ کبھی تو مقصد صرف زیارت ہوتی ہے اور کبھی اس کے ساتھ دوسری قربتوں کی نیت ہوتی ہے جیسے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا شہدائے احد کی زیارت کرنا اور کبھی ان کا مجموعہ ہوتا ہے یا ان میں قدر مشترک اور وہ مطلق قربت ہے۔ اور یہ چاروں صورتیں قربت کی ہیں کیونکہ مدینہ کا سفر قربت اس لئے نہیں ہے کہ وہ مطلق سفر ہے یا مدینہ کا سفر ہے۔ بلکہ اس بنیاد پر قربت بنا ہے کہ قربت کا قصد کیا ہے تو اب جہاں کہیں قربت کا قصد ہو قربت ثابت ہو جائے گی۔ چاروں میں سے ہر ایک پر قربت کا حکم لگانے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ بطور کلی کے ہو یا مشخص جزئی کے ہو۔ لیکن اس کے مطلوب یا مستحب ہونے کا حکم بخصوصہ وہ ان میں سے کسی مشخص پر نہیں ہے اس کا تعلق ان میں سے کسی ایک غیر متعین پر ہے اور جب اس کا وجود ہو جائے گا تو وہ قربت ہوگا اور مامور بہ اس کے ضمن میں ادا ہو جائے گا۔

اب اگر تم یہ کہو کہ سفر کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس میں مسافر نے زیارت کے ساتھ کسی دوسری عبادت کا بھی قصد کر لیا ہو۔ جیسا کہ مسجد نبوی میں نماز یا اعتکاف تو اس کے قربت ہونے میں تو اشکال نہیں ہے اور دوسری صورت سفر کی یہ ہے کہ محض زیارت کی نیت ہو۔ یہ صورت اور جس سفر میں کوئی نیت ہی نہ ہو اختلاف اور بحث اس صورت میں ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے، اس میں ہمیں اعتراض ہے۔ اس لئے کہ کسی شے اعم پر موقوف ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ انحصار پر بھی موقوف ہو اور وہ محض جو دور ہے اس کی زیارت تو مذکور تینوں قسموں پر موقوف ہے نہ کہ صرف قسم ثانی پر تاکہ تمہارا دعویٰ مکمل ہو سکے۔

میں کہتا ہوں یہ بات اس طرح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر تم اس بات کے قائل

ہو کہ قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے تو نہ اس استدلال کی ضرورت ہے نہ تقسیم کی۔ اور اگر تم یہ کہو کہ قربت کا وسیلہ قربت نہیں ہوتا تو تمہارے پاس ان دلیلوں کا کوئی جواب نہیں ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پھر تم پر یہ لازم ہوگا کہ زیارت کے سفر کے ساتھ اور کسی قربت کی نیت کر لی جائے تو بھی وہ سفر قربت نہ ہو اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ قربت کا وسیلہ قربت ہے تو جب ثابت ہو چکا کہ زیارت قربت ہے تو سفر کے بارے میں کیا اعتراض ہے۔؟ اور تمہارا یہ استدلال کہ ”کسی شے اعم پر موقوف ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ انحصار پر بھی موقوف ہو“ بہت عجیب ہے۔ کیونکہ اگر تم وسیلہ کی یہ تعریف کرو کہ جو مقصود سے تقرب کی نیت سے کیا جائے، تو اس صورت میں ہر وہ سفر زیارت جس میں کسی دوسری قربت کی نیت کی گئی ہو اور ایسا سفر جس میں محض زیارت کا قصد کیا گیا ہو یہ قربت ہوں گے کیونکہ ان کے ذریعے قربت تک پہنچنے کا قصد کیا گیا ہے۔ پس واجب ہوگا کہ یہ قربت ہوں خواہ زیارت بعینہ موقوف ہو یا نہ ہو۔ پس ان دو قسموں میں فرق کرنا باطل ہوگا۔

اگر آپ وسیلہ کی یہ وضاحت کریں کہ جس پر مقصود موقوف ہوتا ہے جس طرح آپ کے کلام کا ظاہر بتاتا ہے۔ اگر آپ اس کے ساتھ قربت کے قصد کی شرط لگاتے ہیں اور قربت کی علت کو یہ قصد بناتے ہیں تو وہ دونوں قسموں میں موجود ہے۔ اور اگر علت کو موقوف بناتے ہیں اور یہ کہتے ہیں یہ اعم پر موقوف ہے انحصار پر موقوف نہیں تو آپ پر لازم ہوگا کہ آپ کہیں ”قربت دونوں سفروں سے اعم ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کا خصوص قربت نہیں۔“ پس آپ کا دونوں قسموں میں فرق کرنا اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اور اگر اس کو مجرد لیں تو یہ باطل ہے کیونکہ مطلق سفر اس میں داخل ہے اور کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ یہ قربت ہے۔ بے شک سفر صرف سفر ہونے کے اعتبار سے یہ مباح ہے اور یہ قربت کے قصد سے قربت بنتا ہے پس جب علت حاصل ہو جائے گی تو معلول بھی حاصل ہو جائے گا اور اگر علت نہ پائی جائے تو معلول نہیں پایا جاتا۔ پس ایک قربت اور دوسری قربت میں آپ کا فرق کرنا اس کا کوئی سبب نہیں۔

پس اس تمام بحث کے بعد کہ زیارت بارگاہ نبوی ﷺ قربت ہے اور قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے، یہ ثابت ہو گیا کہ زیارت کے لیے سفر قربت ہے خواہ اس کے ساتھ کسی دوسری قربت کو شامل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اور اس میں شک کرنا سابقہ ثابت شدہ باتوں میں شک کرنا ہے۔ اور یہ زیب نہیں دیتا کہ آپ یوں کہیں کہ ”صرف زیارت کے لیے سفر یہ لاتشد الرحال کی نہی کے زمرے میں آتا ہے۔“ زیارت کے لیے سفر اور مسجد کے لیے سفر یہ مسجد کے لیے سفر ہے اور یہ حدیث کے تحت مباح ہے کیونکہ ہم حدیث کا معنی بیان کریں گے اور یہ نہی زیارت کے لیے نہیں آئی۔

اور اگر فرض کر لیا جائے کہ زیارت کے لیے سفر ممنوع ہے تو زیارت اور مسجد نبوی کے لیے سفر یہ بھی ممنوع ہونا چاہیے کیونکہ ایک سفر ممنوع ہے اور دوسرا مباح۔ اور اس کی وجہ سے آپ کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے۔

اور دونوں مقاصد سے عاری سفر اس کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً وہ سفر قربت کا ہو مگر زیارت کے علاوہ کسی اور قربت کے لیے ہو اور سفر مباح اور ان دونوں حالتوں کے علاوہ سفر، مگر ہمیں ان سے غرض نہیں۔ مگر سفر کی اقسام میں سے قسم ثانی میں آپ کا نماز میں قہر کرنے کے بارے میں قول۔ اس عبارت میں دو احتمالات ہیں۔

زیارت کا قصد کیا جائے اور اس کے ساتھ کسی دوسری قربت مثلاً تحیۃ المسجد وغیرہ کا قصد نہ ہو۔ اور کسی عقلمند سے ایسی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایسی نیت کرے گا۔ اور یہاں اس صورت کا معاملہ زیر بحث نہیں۔ لوگ اس صورت میں سوال کرتے ہیں جو پیش آتی ہے۔ اور اس کا حکم کیا ہے؟ پھر ہم کہتے ہیں اگر فرض کر لیا جائے.....

دوسرا معاملہ یہ ہے کہ زیارت کا قصد کیا جائے اور اس کے ذہن میں کوئی اور معاملہ نہ ہونہ کسی اور امر کی نیت کی ہونہ اس کی نفی ہو۔ پس اس صورت کے قربت ہونے میں کوئی تاثر نہیں کیونکہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ زیارت قرب ہے لہذا اس کا وسیلہ بھی قربت ہوگا۔ اور ظاہر ہے سوال کرنے والے کا تعلق دوسری صورت سے ہے کہ اس کا علم کیا

ہے؟ اور اس میں مخالف کا مدعا یہ ہے کہ زیارت کے ساتھ کسی دوسرے فعل کو بھی شامل کر لیا جائے تاکہ یہ سفر مستحب ہو جائے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ معترض کے نزدیک زیارت تب مستحب ہوگی جب زائر زیارت بارگاہ نبوی کے ساتھ مسجد کی زیارت کی بھی نیت کرے گا۔ اور اس کلام کا تقاضا یہ ہوا کہ اگر وہ کسی دوسری چیز کی زیارت کی نیت نہیں کرتا تو اس کا یہ سفر تقرب نہیں ہوگا خواہ وہ اس دوسرے فعل کی زیارت کی نیت کرے یا نہیں۔



فصل اول

شبهات کا بیان

پہلا شبہ..... حدیث کے معنی کی تعیین میں غلطی:

”لا تشد الرحال“ اس حدیث کا معنی سمجھنے میں مخالف کو یہ وہم ہو گیا کہ یہ حدیث زیارت کے سفر کی مخالفت کیلئے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ہم اولاً حدیث کے الفاظ ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے معانی بتائیں گے یہ حدیث متفق علیہ صحیح ہے اور اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے مشہور الفاظ یہ ہیں۔

”لا تشد الرحال الا الی ثلاث مساجد: مسجدی هذا و مسجد الحرام، و مسجد الاقصی“ (رخت سفر نہ باندھا جائے مگر تین مساجد کی طرف میری یہ مسجد اور مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی طرف)

ان الفاظ کے ساتھ سفیان ابن عیینہ نے امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے۔ معمر نے امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے ”تشد الرحال الی ثلاثة مساجد“ اور اس میں حصر نہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے طریق سے یہ الفاظ منقول ہیں۔

عن ابی ہریرۃ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال : إنما يسافر الی ثلاثة مساجد: مسجد الکعبة، و مسجدی، و مسجد ایلیناء

(مسلم، الصحيح، ۲: ۱۰۱۵، کتاب الحج، رقم: ۱۳۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (زیادہ

ثواب کے حصول کی نیت سے) صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے:
مسجد کعبہ، میری مسجد اور مسجد ایلیاء (بیت المقدس)

ان تینوں روایتوں کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”فضل المدینة“ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ میں منقول ہے۔ ”لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد: مسجدی هذا والمسجد الحرام، والمسجد الاقصی“ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔ ”انما تشد الرحال الی ثلاثة مساجد: مسجد ابراہیم و مسجد محمد و مسجد بیت المقدس“ (رخت سفر صرف تین مساجد کی جانب ہی باندھا جائے: مسجد ابراہیم، مسجد محمد اور مسجد بیت المقدس)

اس روایت کو اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور اس میں الفاظ بھی کے آئے ہیں۔ ”لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد: مسجد الحرام، و مسجد المدینة و مسجد بیت المقدس“

اب ہم اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ یہ استثناء مفرغ ہے اور اس کی تقدیر یہ ہوگی۔ ”کسی مسجد کی طرف رخت سفر نہ باندھا جائے مگر تین مساجد کی جانب۔ یا تقدیر یہ ہوگی رخت سفر نہ باندھا جائے کسی مکان کی طرف مگر تین مساجد کی طرف۔“

یہ دونوں تقدیریں ضروری ہیں تاکہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل ہو جائے اور ان دونوں تقدیروں میں پہلی تقدیر یعنی مسجد کی تقدیر زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ مسجد مساجد کی جنس قریب ہے اور اس میں زیادہ تخصیصات بھی نہیں کرنی پڑیں گی۔

سفر میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ چیز جو سفر کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ جیسے حج یا جہاد یا طلب علم یا والدین کی زیارت یا ہجرت وغیرہ۔

دوسری چیز وہ مکان ہوتا ہے جو سفر کا اختتام ہوتا ہے جیسے مکہ المکرمہ یا مدینہ

منورہ یا بیت المقدس یا اور کوئی جگہ خواہ کوئی غرض ہو۔ اب اس امر میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ عرفات کے میدان کیلئے رخت سفر باندھنا حج کے افعال کیلئے واجب ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے حالانکہ وہ تین مساجد میں داخل نہیں ہے۔ ایک الگ مقام ہے۔ اسی طرح طلب علم کے لیے سفر کرنا اور رخت سفر باندھنا بالاجماع جائز ہے خواہ ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ کوئی مکان ہو۔ اور کسی مکان کا سفر کبھی مستحب کبھی واجب علی الکفایہ اور کبھی فرض عین ہوتا ہے۔ اسی طرح جہاد کیلئے سفر اور خاص حالات میں بلاد کفر سے بلاد اسلام کی طرف ہجرت، والدین کی زیارت کیلئے سفر اور بھائیوں کی ملاقات کیلئے اور تجارت وغیرہ ان سب امور کیلئے سفر بالاتفاق جائز ہے حالانکہ وہ مساجد ثلاثہ کیلئے سفر نہیں ہے۔

اصل معانی اس حدیث کے یہی ہیں کہ مساجد میں سے صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کرنا چاہیے یا مقامات اور مکانوں میں سے صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کرنا چاہیے۔ اب دونوں تقدیروں پر اگر مساجد یا امكنہ غایت سفر ہیں اور باعث سفر کوئی اور چیز ہے مثلاً علم حاصل کرنا وغیرہ تو یہ سفر ہر مسجد اور ہر مکان کی طرف جائز ہوگا۔ تو حدیث کی یہ مراد نہیں ہو سکتی۔ پھر اس تقدیر پر قصد زیارت النبی ﷺ سے سفر کی غایت مسجد نبوی ہوگی اس لئے کہ وہ قبر شریف کے ساتھ ملحق ہے تو زیارت النبی ﷺ کیلئے سفر کی غایت تینوں مساجد میں ایک مسجد ہوئی اور اگر مساجد اور امكنہ کو علت سفر قرار دیا جائے تو علت کے معنی یہ ہوئے کہ ان مقامات کی تعظیم کی وجہ سے سفر کیا جا رہا ہے اور ان میں داخل ہو کر تبرک حاصل کرنا مقصود ہے اور یہ اس اعتبار سے ہوگا کہ سفر کرنے والا اس سرزمین کو دوسری سرزمینوں سے افضل قرار دے رہا ہے۔

سفر کی ممانعت کے اسباب:

خلاصہ یہ ہے کہ سفر کی ممانعت دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ایک تو یہ کہ غایت سفر مساجد ثلاثہ کے علاوہ اور کوئی مقام ہو۔ اور دوسرے یہ کہ علت سفر اس مکان و

مقام کی تعظیم ہو تو اب زیارت نبی کے لئے سفر کی غایت مسجد نبوی ہے۔ اور اس کی علت اس سرزمین میں مدفون کی تعظیم ہے نہ کہ اس مقام کی تو اس کو ممنوع کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ بلکہ میں کہتا ہوں کہ سفر مطلوب کے دو سبب ہونے چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ غایت تینوں مساجد میں کوئی مسجد ہو۔ دوسرے یہ کہ عبادت مقصود ہو اگرچہ وہ سفر مساجد ثلاثہ کے علاوہ کیلئے ہو؟ تو حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے سفر میں دونوں باتیں جمع ہیں تو یہ سفر بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔ اور وہ سفر جو ان اماکن کے علاوہ کیلئے ہو اور اس میں اس جگہ کی تعظیم مد نظر ہو وہ اس روایت کا مصداق ہوگا اور ممنوع ہوگا۔ اسی لئے روایت ہے کہ بعض تابعین نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کوہ طور کی زیارت کے سفر کا مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے ممانعت کی یہی روایت پڑھی اور اس کو سفر سے روکا اور فرمایا ”کوہ طور کو چھوڑو ہاں نہ جا“

مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر کی شرعی حیثیت:

مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی دوسری مسجد کیلئے سفر کر کے جانے کے بارے میں فقہائے کرام نے کلام کیا ہے۔ امام الحرمین نے اسے شیخ ابو محمد سے نقل کیا ہے کہ وہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مسجد کے لئے سفر کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور بسا اوقات کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ سفر مکروہ ہے اور کبھی کہہ دیتے تھے حرام ہے۔ شیخ ابو علی نے فرمایا کہ یہ سفر نہ مکروہ ہے نہ حرام۔ ہاں حضور ﷺ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ قربت صرف مساجد ثلاثہ کے سفر میں ہے کسی دوسری مسجد کے لیے سفر کرنے میں کوئی قربت نہیں ہے۔ دونوں اقوال میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اگر مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی دیگر مسجد کے سفر میں اس مسجد و مکان کی تعظیم مقصود ہے تو پھر ابو محمد کا قول صحیح ہے اور اگر تعظیم مقصود نہیں ہے تو پھر شیخ ابو علی کے قول کو ترجیح ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض فقہاء کا قول نقل کیا ہے کہ اگر یہ سفر نذر مان کر کرے تو ممنوع ہے اور اگر نیک لوگوں کے نشانات دیکھنے کیلئے محض فضیلت کی بنیاد پر

سفر کرے تو ممنوع نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ بغیر نذر کے مسجد قباء کا سفر فرماتے تھے۔ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے سفر کی نذر کے بارے میں تین مذہب ہیں۔

۱۔ یہ درست نہیں ہے..... یہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔

۲۔ مطلقاً جائز ہے..... یہ مذہب لیث ابن سعد کا ہے۔

۳۔ یہ نذر لازم ہوگی جبکہ رخت سفر باندھنا نہ ہو۔ جیسے کہ مسجد قباء۔..... یہ مذہب محمد بن سلمہ مالکی کا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص پیدل مسجد قباء جانے کی نذر مانے تو کیا یہ منت لازم ہوگی یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ لازم ہو جائے گی اور اس کو حکم دیا جائے کہ وہ پیدل جائے۔

عبد الملک رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الواضحہ میں لکھا ہے کہ یہی حکم اس شخص کا ہے جس نے اس مسجد میں جانے کی نذر مانی جس میں وہ پانچ وقتی نماز یا جمعہ پڑھتا تھا۔ اور جو مساجد دور ہوں ان میں جانے کی نذر لازم نہ ہوگی نہ پیدل جانے کی نہ سوار ہو کر جانے کی۔ اسی طرح ابن وہب وغیرہ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے مگر مساجد ثلاثہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر مسجد حرام کے بارے میں نذر مانی ہے خواہ پیدل جانے کی ہو یا سوار ہو کر جانے کی تو اس پر وہ نذر لازم ہو جائے گی۔ اور بقیہ دونوں مسجدوں کے بارے میں نذر لازم نہ ہوگی اور اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ ان دونوں مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے سوار ہو کر جائے۔ یہ مسائل تو بعینہ کسی مکان کے قصد کے بارے میں یا ایسی عبادت کے قصد کے بارے میں ہیں جو دوسری جگہ بھی ادا ہو سکتی تھی لیکن بغیر نذر کے کسی غرض کی وجہ سے سفر کرنے کے بارے میں نہ تحریم کا قول ہے نہ کراہت کا۔

اعتراض:

اگر تو یہ کہے کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم میں "باب سفر المرأة مع معوم الی الحج" میں فرمایا ہے کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ رخت سفر باندھنے اور

سفر کرنے کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ مثلاً نیک لوگوں کی قبروں پر جانے اور فضیلت والی جگہوں کے بارے میں ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد نے فرمایا: یہ سفر حرام ہے اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مختار ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔

جواب

ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب جو کہ امام الحرمین اور محققین نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہا ایسا سفر نہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ حدیث میں نفی سے مراد یہ ہے کہ پوری فضیلت تین مساجد کے سفر میں ہے۔ واللہ اعلم۔

امام رافعی اور امام نووی رحمہما اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم کے علاوہ دوسری جگہ جو نقل کیا ہے اس میں نیک لوگوں کی قبروں کا ذکر نہیں ہے اس میں ان کا وہی مطلب ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ امام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد حرام کے علاوہ کسی اور مسجد میں جانے کی نذر مانے تو علمائے کرام نے کہا ہے کہ نذر لازم نہ ہوگی اس لئے کہ مساجد مٹاؤں کے علاوہ کسی مسجد کا مقصد کوئی قربت نہیں ہے اور جو قربت اور عبادت مقصودہ نہ ہو تو اس کی نذر لازم نہیں ہوتی۔ اور میرے شیخ ان مساجد کے علاوہ کی طرف رخت سفر باندھنے کو منع کرتے تھے۔ اور اسی طرح رافعی نے کہا ہے کہ جب کسی نے ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف جانے کی نذر مانی تو اس کی نذر منعقد نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح کی بات امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مہذب میں کہی ہے۔

صحیح اغراض کے لئے مساجد اور دیگر مقامات کی زیارت کے لئے جانا علم حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا، جہاد کیلئے سفر کرنا، اس کے بارے میں ابو محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نہیں کہا اور ان کی طرف ممانعت کو منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے ایسا کلام کیا بھی ہے تو وہ غلط ہے اور وہ شخص حدیث کے مقصود کو نہیں سمجھا لیکن الحمد للہ یہ واضح ہے کہ انہوں نے ایسا کلام نہیں کیا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی بھی یہی تاویل کی ہے کہ حدیث میں الفاظ سے ان مقامات کی اہمیت واضح کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح قاضی

عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکمال میں کہا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول " لا تشد الرحال " میں ان مساجد کی تعظیم کا بیان ہے اور ان کی طرف خصوصیت سے سفر کرنے کا اشارہ ہے۔ اس لئے کہ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کی مساجد ہیں اور ان میں عبادت کرنے کی فضیلت ہے اور ان میں عبادت کا ثواب چند گنا ہے اور ان میں جانے کی نذر کا لزوم ہے بخلاف دیگر مساجد کے کہ ان کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے۔ خواہ نذر مان کر سفر کرے یا بغیر نذر کے سفر کرے ہاں محمد بن مسلمہ نے مسجد قباء کو ان تینوں مساجد کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام میں عام قبروں کی زیارت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس میں تو صرف مساجد ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کے سفر کی بات ہے۔

اعتراض

اگر تو یہ کہے کہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے " کتاب المغنی " میں کہا ہے کہ اگر کوئی زیارت قبور کیلئے سفر کرے یا دیگر متبرک جگہوں کا سفر کرے تو اس کو سفر کی رخصتیں حاصل نہ ہونگی اس لئے کہ یہ سفر ممنوع ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

" لا تشد الرحال... الخ "

جواب

صحیح یہ ہے کہ یہ سفر مباح ہے اس میں سفر کی رخصتیں حاصل رہیں گی۔ اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مسجد قباء پیدل اور سوار ہو کر تشریف لے جایا کرتے تھے اور قبور کی بھی زیارت کرتے تھے اور فرمایا۔ " ان قبروں کی زیارت کیا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں " حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان " لا تشد الرحال " کا معنی یہ ہو گا کہ دیگر مساجد کے سفر میں فضیلت نہیں ہے نہ کہ ان کی طرف سفر حرام ہے۔ اور سفر کے مباح ہونے کے لیے فضیلت شرط نہیں ہے اور نہ قصر صلوٰۃ وغیرہ کیلئے فضیلت والا سفر شرط ہے۔ اور فضیلت کا نہ ہونا سفر کو حرام بھی نہیں کرتا۔

میں نے ابن قدامہ کے کلام کا مطالعہ کیا لیکن مجھے ابن عقیل کا یہ قول نہیں ملا۔ ممکن ہے ان کا یہ قول مزارات کے دیکھنے کے بارے میں ہو اور ہماری بحث محض میت کی زیارت کے قصد کے سفر سے ہے جس میں مکان مقصود نہ ہو مگر ان کا موضوع وہ قبریں ہیں جن پر مقبرے تعمیر کئے گئے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر اس میں داخل نہیں کیونکہ جس جگہ وہ ہے اس کو مشہد (مقبرہ) نہیں کہا جاتا۔

اگر یہی کہا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف بھی کلام کے مدلول میں داخل ہے تو پھر قبر نبی کی تخصیص کرنا واجب ہو گا اور ان کے کلام کو قبر نبی کے ماسوا پر محمول کیا جائے گا اور تخصیص کی دلیل وہ دلائل ہیں جو خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں ہیں اور اس کیلئے سفر پر امت کا اتفاق ہے۔ اگر ابن عقیل نے ان دلائل کو معتبر نہ سمجھا ہو اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو بھی اپنے کلام کے مدلول میں شامل کرتے ہوں تو پھر ان کا قول یقیناً مردود ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جواز کی تقریر اس بات پر مبنی ہوئی کہ سرزمین کا قصد نہ ہو بلکہ اس ذات کا قصد ہو جو اس سرزمین میں مدفون ہے تو زیارت قبر نبی میں بھی سرزمین کا قصد ضرور ہے اس لئے کہ درود اور دعا تو دور سے بھی ہو سکتی تھی۔

اس کے بارے میں یہ سمجھ لیجئے کہ اگر سرزمین کا قصد اس شخصیت کی وجہ سے ہے جو اس سرزمین میں مدفون ہے تو ہم اس کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں۔ ہاں صرف سرزمین کا قصد یا ایسی چیز کا قصد جس کی تعظیم شرعاً نہیں ہے وہ ممانعت میں داخل ہے۔ پھر یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ زیارت میں سرزمین کا قصد ضرور ہو بلکہ بسا اوقات سرزمین کا تصور بھی نہیں ہوتا محض اس شخصیت کا تصور ہوتا ہے جو اس کے اندر مدفون ہے اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ زیارت کا مقصد دور سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اس لئے کہ مردے کے ساتھ بھی زندہ کا سا معاملہ ہوتا ہے۔

دیکھو جب حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کی رات جنت البقیع تشریف لے گئے تو وہاں کافی دیر تک قیام فرمایا پھر تین بار ہاتھ اٹھا کر دعائیں

مانگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر فرمایا: میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو حکم ہے کہ بقیع جا کر اہل بقیع کی مغفرت کی دعا کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں کس طرح دعا کیا کروں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو: ”اے اس آبادی کے ساکنو، مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پہلے جانے والوں اور بعد کے جانے والوں پر رحم فرمائے اور ہم بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے پاس پہنچنے والے ہیں۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

ذرا غور کریں! کس طرح حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بقیع تشریف لے گئے اور وہاں جا کر مغفرت کی دعا کی اور دور سے دعا کر دینے پر اکتفا نہ کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہی فعل قبرستان جانے اور مردوں کی زیارت کرنے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کی اصل ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ میں کس طرح دعا کیا کروں؟ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عورتوں کو زیارت کیلئے قبرستان جانا ممنوع نہیں ہے ورنہ حضور نبی اکرم ﷺ بجائے دعا سکھانے کے، ممانعت فرمادیتے۔

کچھ لوگوں نے بعض علمائے بغداد کی طرف سے کچھ فتاویٰ مجھے لا کر دیئے نہ معلوم وہ من گھڑت فتاویٰ ہیں یا واقعی ایسے لوگوں کے ہیں جو نام نہاد علماء ہیں اور حقیقتاً جاہل ہیں۔

پہلا فتویٰ:

ان میں سب سے پہلا فتویٰ ایک مالکی کا ہے جس میں تحریر ہے کہ شیخ ابو محمد الجوبینی نے اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ زیارت قبور کے لئے سفر کرنا حرام ہے اور اسی کو قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”اکمال“ میں اختیار کیا ہے۔ حالانکہ ایسا کہنے والا اس نقل میں بالکل جھوٹا ہے کیونکہ نہ شیخ ابو محمد نے یہ کہا نہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے۔

کوئی مشہد (مزار) نہ تھا جس کی زیارت کی جاتی ہو۔ نہ کسی نبی کی قبر پر نہ غیر نبی کی قبر پر۔ چہ جائے کہ اس کیلئے سفر کیا جاتا ہو۔ نہ حجاز میں، نہ شام میں، نہ یمن میں، نہ عراق میں، نہ مصر میں اور نہ مشرق میں۔ پھر لکھا۔ اسی وجہ سے قبروں کی زیارت شرعی زیارت کا مقصد اگر مومن کی قبر ہے تو اس کیلئے دعا و سلام کرنا ہے اور موت کی یاد دہانی ہے خواہ وہ مومن مردے کی قبر ہو یا کافر کی۔ مومن کی قبر کی زیارت خواہ وہ نبی کی ہو یا غیر نبی کی ایسی ہی ہے جیسے کہ اس کے جنازہ کی نماز، دونوں صورتوں میں اس کیلئے دعا کی جاتی ہے۔

بدعی زیارت وہ ہے جو نصاریٰ کی زیارت کی طرح ہے جس کا مقصد شرک ہے جیسا کہ اس صاحب قبر سے ضروریات مانگنا یا اس کو چھونا اور چومنا یا اس کو سجدہ کرنا۔ یہ سب وہ کچھ ہے جس کا نہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا نہ رسول نے اور نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اس کو مستحب گردانا۔ نہ سلف یہ کرتے تھے نہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس اور نہ کسی دوسری قبر کے پاس۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے تھے نہ اس کی کسی مخلوق کی نہ نبی کی نہ غیر نبی کی، نہ وہ مردے سے سوال کرتے تھے اور نہ غائب سے اور نہ وہ کسی میت یا غائب سے مدد چاہتے تھے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی بلکہ ان میں سے غیر اللہ سے کسی شے کا سوال ہی نہیں کرتے تھے۔“

میں نے ابن تیمیہ کا جو کلام نقل کرنا تھا وہ نقل کر دیا۔ میں ان کے خط کو خوب پہچانتا ہوں۔ اس عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کا اختلاف زیارت اور زیارت کے سفر دونوں میں ہے۔ البتہ کلام میں خلط ملط ہے۔ کلام کا شروع چاہتا ہے کہ ان کے نزدیک زیارت کی پہلی قسم تو جائز ہے اور زیارت کی دوسری قسم جائز نہیں۔ البتہ انہوں نے زیارت کی تیسری قسم کو بالکل حذف کر دیا کہ زیارت قبر سے تبرک کیلئے ہو شرک کے لئے نہ ہو۔

زیارت کی اقسام:

دراصل زیارت کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ سلام اور دعا کیلئے زیارت:

زیارت کی اس قسم کو ابن تیمیہ نے جائز قرار دیا اور اس کو شرعی زیارت کہا ہے۔ پس ان کیلئے ضروری ہو گیا کہ وہ اس زیارت کے سفر کو بھی جائز قرار دیں۔ اگر وہ "لا تشد الروح حال" والی روایت سے دونوں میں فرق کریں تو ہم اس کا جواب ذکر کر چکے ہیں۔

حصول برکت اور صاحب قبر کے لیے دعا کے لیے زیارت:

زیارت کی دوسری قسم یہ کہ زائر اپنے لئے برکت حاصل کرے اور صاحب قبر کیلئے دعا کرے۔ ابن تیمیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کو تیسری قسم یعنی بدی زیارت میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ دین اور سلف صالحین کے طرز عمل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بعض نیک مردوں سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام اور مرسلین کرام علیہم السلام اور کی قبروں کی زیارت سے برکت بدرجہ اولیٰ حاصل کی جاسکتی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اس معاملہ میں انبیائے کرام علیہم السلام اور عام مسلمانوں کی قبریں ایک سا حکم رکھتی ہیں تو اس نے بہت ہی غلط بات کہی۔ اور اس بات کا بطلان بالکل ظاہر ہے اور اس نے انبیائے کرام علیہم السلام کا درجہ گھٹا کر عام مسلمانوں کے برابر کر دیا ہے جو یقینی طور پر کفر ہے۔ اس لئے کہ جو کسی بھی نبی کے رتبہ کو کم کرے تو وہ یقیناً کافر ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ نبی کا رتبہ گھٹانا نہیں ہے بلکہ تعظیم میں مبالغہ کو روکنا ہے۔ اس پر میں یہ کہوں گا کہ یہ جاہلانہ بات اور بے ادبی ہے۔ ہم پانچویں باب کے شروع میں اس پر کافی بحث کر چکے ہیں اور ہم یقینی طور پر کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی موت کے بعد بھی اس سے زیادہ تعظیم کے مستحق ہیں۔ جس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہوگا وہ اس میں شک نہ کرے گا۔

شُرکِ والی زیارت:

زیارت کی تیسری قسم یعنی قبر کی زیارت سے شرک باللہ کرنا، ہم اس کے کرنے سے پناہ مانگتے ہیں اور جو اس کو اختیار کرے اس سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی مسلمان بھی جو حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کرتا ہے تیسری قسم جو کہ شرکِ والی ہے، کو اختیار نہیں کرتا۔ اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا فرما دی ہوئی ہے: ”اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے“ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی دعا لامحالہ مقبول ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ”شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں اس کی پوجا کی جائے۔“

ہمارا یقین ہے کہ زیارتِ قبر نبی کرنے والا کوئی شخص بھی شرک نہیں کرتا۔ رہا قبر نبی کو چھونا اور بوسہ دینا اور سجدہ کرنا اور اس طرح کے دوسرے افعال جو بعض جاہل کر بیٹھتے ہیں۔ پس جو ایسا کرتا ہے اس کے اس فعل کی مذمت کی جائے اور اس کو زیارت کے آداب سکھائے جائیں لیکن اصل زیارت کو ممنوع نہیں قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے سفر کو ناجائز قرار دیا جاسکتا بلکہ جہالت سے اس نے جو غلط افعال کئے ہیں (صرف ان افعال کی مذمت کے ساتھ) اس کا زیارت کرنا اور زیارت کیلئے سفر کرنا قابل تعریف ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس اپنی ضروریات طلب کرنا، اس مسئلہ کو ہم استعانت کے باب میں بیان کریں گے۔

زیارت کے بارے میں شبہ ثانیہ:

اب ہم دوسرے اور تیسرے شبہ پر گفتگو کرتے ہیں جن پر ابن تیمیہ کا کلام مبنی ہے۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ زیارت کا سفر غیر مشروع ہے اور ایسی بدعت ہے جس کو کسی نے آج تک پسند نہیں کیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، نہ تابعین نے، اور نہ ہی بعد میں آنے والے کسی عالم نے۔

شبہ کا رد:

اس بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام سے مدینہ طیبہ کا سفر محض زیارت قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ شام سے قاصد روانہ کرتے تھے تاکہ وہ ان کی طرف سے قبر نبی پر صلوٰۃ و سلام پڑھے۔ اسی طرح سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر نبی پر پہنچ کر سلام پڑھتے تھے اور پھر حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں پر سلام پڑھتے تھے۔ یہ سارے واقعات اس عقیدہ کی تکذیب کرتے ہیں کہ ”زیارت قبر نبی اور اس کیلئے سفر کرنا بدعت ہے۔“

اگر ابن تیمیہ سے اس عام ممانعت کیلئے ثبوت مانگا جائے اور اس دعوے پر ان سے دلیل طلب کی جائے تو وہ کبھی پیش نہ کر سکیں گے۔ ایک صاحب علم کیلئے کب درست ہے کہ وہ محض اپنے چند گمانوں کی بنیاد پر اس بات کا انکار کر دے جس پر شرق و غرب میں اور ہر زمانہ میں مسلمان متفق رہے ہوں اور آنے والے اس پر گزرے ہوؤں کا عمل دیکھتے آئے ہوں اور وہ اس کو بیک جنبش قلم بدعت لکھ ڈالے؟

اب اگر کوئی یہ کہے کہ سلف کا زیارت کی قسم اول پر عمل تھا وہ حاضری کے وقت صرف صلوٰۃ و سلام و دعا پر اکتفا کرتے تھے نہ کہ زیارت کی دوسری اور تیسری قسم پر، یہ محض اس کی اپنی اختراع ہوگی۔ اس کو کیسے معلوم ہو گیا کہ سلف صرف زیارت کی قسم اول پر جو شرعی ہے، عامل تھے اور خلف سب بالاتفاق قسم ثانی پر جو بدعت ہے، عامل ہیں؟ اس لئے کہ باطنی ارادوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے۔ کسی کو یہ حق کہاں سے مل گیا کہ وہ یہ کہہ دے کہ سلف میں سے کوئی قبر نبی سے برکت حاصل نہیں کرتا تھا اور خلف سب کے سب زیارت کی بدی قسم اختیار کرتے ہیں؟

پھر آگے چل کر ابن تیمیہ نے کہا کہ قبر نبی کی زیارت کیلئے جو سفر کرتا ہے وہ اس کو قربت سمجھ کر کرتا ہے اور جبکہ ایسا ہے تو یقیناً اس کا سفر حرام ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے سلف نے جو سفر کیا اگر وہ محض سلام کیلئے ہی تھا وہ اس کو یقیناً قربت سمجھتے

تھے۔ اگر ابن تیمیہ کو ذرا بھی احساس ہوتا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر سلف نے سفر کیا ہے تو وہ کبھی اس سفر پر حرام ہونے کا فتویٰ نہ دیتے۔ بس ان کے خیال میں تو یہ جم گیا ہے کہ سفر زیارت میں شرک پوشیدہ ہے اور اسی بنیاد پر انہوں نے اس طرح کی غلط باتیں کہہ ڈالیں۔

ان کا یہ دعویٰ کہ اگر کوئی اس سفر کی نذر مانے گا تو بلا اختلاف اس پر یہ نذر لازم نہ ہوگی۔ یہ محض ان کا دعویٰ ہے اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اگر ہم ان سے مطالبہ کریں کہ وہ آئمہ کا اس طرح کا اتفاق دکھائیں کہاں پر منقول ہے؟ اور اس میں یہ تصریح دکھائیں کہ اس طرح کے سفر کی نذر خواہ قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہو یا غیر نبی کی قبر کیلئے وہ نذر واجب نہ ہوگی۔ جب وہ ایسا کر پائیں گے تب ان کا مقصد پورا ہو سکے گا اور وہ یہ کبھی نہ کر پائیں گے۔

ہم پہلے یہ بات نقل کر چکے ہیں کہ زیارت قبر نبی کی نذر لازم ہو جاتی ہے تو اسی طرح اس کیلئے سفر کی نذر بھی لازم ہوگی۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شب شام کو فتح کیا تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت کیلئے کبھی سفر نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اس لئے ہوا ہو کہ کسی نبی کی قبر یعنی طور پر متعین نہیں ہے۔ صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک متعین ہے اور ان کا یہ کہنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کسی نبی کی قبر کی زیارت نہیں کی تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں دیگر اہم امور میں مشغول رہے ہوں۔ اور جبکہ یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں قبور کی زیارت کی ہے تو محض معراج کی رات میں زیارت نہ کرنے سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ یہ سنت نہیں ہے؟

امام ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ معراج والی وہ حدیث جس میں مذکور ہے ”اتریں یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے۔ پس اتریں اور یہاں نماز پڑھیں اور یہ بیت اللہ ہے آپ کے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے یہاں اتریں اور نماز پڑھیں۔“ یہ روایت جھوٹی ہے۔ یہ بالکل صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کا راوی بکر بن زیاد باہلی ہے جس کو ابن حبان نے

شیخ دجال کہا ہے۔

اس حدیث کو ابوالقاسم الہکی بن عبدالسلام الرمیلی نے اپنی کتاب ”فضائل زیارة قبر ابراہیم“ میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور ابوسعید السمعی نے رمیلی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ حافظ اور کثرت سے روایت کرنے والے تھے۔ انہوں نے مصر، شام اور عراق کا سفر کیا۔ اور یہ بہت بڑے فاضل تھے۔ اور میں کہتا ہوں کہ رمیلی نے اس کتاب میں حدیث مذکور کے ساتھ دیگر آثار بھی جمع کئے ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کا ذکر ہے۔ اس حدیث کی طویل سند بیان کرنے کے بعد اس کا متن یوں ذکر کرتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ لما أسرى بي إلى بيت المقدس مرّ بي إلى جبرئيل عليه السلام إلى قبر ابراهيم عليهما السلام فقال أنزل صلّ هاهنا ركعتين فان هاهنا قبر ابيك ابراهيم عليه السلام ثم مرّ بي إلى بيت لحم فقال أنزل صلّ هاهنا ركعتين فان هاهنا ولد اخوك عيسى عليه السلام ثم أتى بي إلى الصخرة “

رواه ابن حبان عن محمد بن احمد ابن ابراهيم ثنا عبد الله بن سليمان بن ابي عمرة ثنا بكر بن زياد.

اس حدیث کا ہم نے ذکر کر دیا ہے ورنہ اس حدیث کے موضوع ہونے سے ہمارے مقصود پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ کسی خاص وقت میں زیارت نہ کرنا اس کے استحباب کی نفی نہیں کرتا۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مقامات اور آثار کی زیارت نہیں کرتے تھے، اگر صحیح بھی ہو تو ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہمارا مقصود تو ان مقامات میں مدفون شخصیتوں کی زیارت ہے نہ کہ مقامات کی زیارت کو ثابت کرنا۔ اور ہم پہلے دونوں باتوں کا فرق واضح کر چکے ہیں۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے لفظ زیارت کا ثبوت نہیں ہے، اس دعوے کا باطل ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اور ایسی احادیث ذکر کر چکے ہیں جن میں زیارت کا ذکر موجود ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے زمانہ میں نبی یا غیر نبی کی قبر پر کوئی مشہد (مقبرہ) نہ تھا کہ اس کی زیارت کی جاتی چہ جائیکہ اس کیلئے سفر ہوتا۔ اگر اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مشہد کے نام کے ساتھ کسی نبی یا غیر نبی کی قبر موسوم نہ تھی تو یہ درست ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو مشہد نہیں کہا جاتا۔ اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قبر کی زیارت نہ ہوتی تھی، تو یہ باطل ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کی جاتی تھی۔ رہا ان کا زیارت کو شرعی اور بدعی کی طرف تقسیم کرنا، اس کی بحث ہم کر چکے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مطلق زیارت کے معترف ہیں تو اس سے لازمی طور پر زیارت کیلئے سفر کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

مکروہ افعال کی وجہ سے حاضری کی ممانعت:

اگر زیارت قبور میں بعض جاہلوں کی جانب سے ایسی باتوں کا صدور ہو جائے جن کی ممانعت ہے تو اس کی وجہ سے زیارت کو ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا اور اگر کوئی یہ کہے کہ افعال قبیحہ کی وجہ سے علاوہ بھی زیارت کی ممانعت ہے تو وہ جھوٹا اور جاہل ہے۔ اگر وہ اس کو حرام قرار دیتا ہے تو وہ اس چیز کو حرام کہہ رہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور اگر وہ زیارت کو اس بنیاد پر کہ زیارت کی بعض قسمیں ممنوع ہیں یا اس میں کسی محرم فعل کی آمیزش ہو جاتی ہے ممنوع قرار دیتا ہے تو وہ جاہل ہے۔ اسی طرح جو شخص زیارت میں بعض ممنوع چیزیں مل جانے کی وجہ سے مطلق زیارت کے مستحب ہونے کا انکار کرے وہ جاہل ہے کیونکہ بسا اوقات نماز میں وہ اوصاف جمع ہو جاتے ہیں جو ممنوع ہیں مثلاً غصب کردہ زمین میں نماز پڑھنا لیکن اس کے باوجود نماز کو قربت اور فرض سمجھا جائیگا اور غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنے کو برا کہا جائے گا۔ اسی طرح زیارت قبور کا معاملہ ہے۔ حضور نبی

اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ” قبروں کی زیارت کرو۔“ اب اگر بعض انواع ممنوع طریقہ پر ادا کی جاتی ہیں تو اسی خاص نوع کو بدعت کہا جائے گا لیکن مطلقاً زیارتِ قبور کو بدعت کہنا بذات خود بدعت ہوگا۔

زیارت کے بارے میں شبہ ثالثہ:

تیسرا شبہ یہ ہے کہ قبور کو مساجد بنانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ بعض بزرگوں نے قرآن مجید میں مذکور قوم نوح کے اس قول: ” قالوا لا تدرن آلهتکم و لاتدرن وذا و لاسواعا و لایغوث و یعوق و نسر“ [نوح: ۲۳] (اور انہوں نے کہا کہ ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور ہرگز مت چھوڑو وہ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق کو اور نہ نسر کو) کے بارے میں کہا ہے کہ یہ لوگ قوم نوح کے نیک لوگ تھے جب یہ فوت ہو گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں کو معکف بنالیا اور وہاں ان کی تصویریں بنائیں۔ پھر جب وقت گزرتا گیا تو لوگوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔

امام ابن تیمیہ نے یہ خیال کیا کہ زیارت اور اس کیلئے سفر کو روکنا توحید کی محافظت ہے اور ان کے لیے سفر کرنا شرک تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ ان کا باطل خیال ہے اس لئے کہ مجرد زیارت یا اس کیلئے سفر، شرک تک نہیں پہنچاتا بلکہ شرک تک پہنچانے والی چیز تو قبور کو مساجد بنانا، ان پر مرنے والوں کی تصویریں بنانا، ان کو معکف بنانا ہے اور یہ چیزیں ممنوع ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے: ” یہود اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنالیا۔“ اور جب حبشہ کے ہار یہ گرجا گھر کی باتیں حضور کو سنائی گئیں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ” یہی وہ لوگ ہیں ان میں سے جب کوئی نیک شخص مرتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے ہیں پھر اس میں تصویر لگا دیتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریر ترین مخلوق ہیں۔“

محض سلام اور دعا اور زیارت نہ شرک ہیں نہ شرک تک پہنچانے والے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی وجہ سے یہ چیزیں مشروع ہوئی ہیں اور تو اتر سے

ان کا ثبوت ہے اور ان پر امت کا اتفاق ہے۔ اگر تصویریں بنانے کی طرح قبروں کی محض زیارت، شرک تک پہنچانے والی ہوتی تو یہ کبھی بھی مشروع نہ ہوتی اور حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہدائے احد اور اہل بقیع کی قبروں کی کبھی زیارت نہ کرتے۔ پس جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان کے علاوہ ہمیں کسی چیز کو حرام قرار دینے کا ہرگز حق نہیں ہے اگرچہ ہمارا خیال ہو کہ وہ حرام تک پہنچانے والی ہے اور ہم اسی چیز کو مباح کہہ سکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا ہے اگرچہ ہمارا خیال ہو کہ وہ کسی حرام تک مفضی نہیں ہے اور مباح ہے اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے زیارت کو مباح قرار دیا ہے اور وہ مشروع اور سنت رسول ہے تو ہم نے بھی اس کو مباح قرار دیا ہے اور قبور پر مساجد بنانے اور تصویریں آویزاں کرنے کو حرام کیا ہے تو ہم نے بھی اس کو حرام قرار دیا ہے۔

اب اگر کوئی زیارت کو تصویریں بنانے پر قیاس کر کے حرام قرار دے تو وہ نص شرعی کا مخالف ہوگا۔ جیسا کہ کوئی شخص اگر قبروں کو مساجد بنانے اور ان پر تصویریں بنانے کو جب کہ وہ شرک تک مفضی نہ ہوں، جائز قرار دے تو وہ بھی نص کا مخالف ہوگا۔ وہ وسائل جن سے مقصود کا تحقق نہیں ہوتا ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم ان پر مقصود کا حکم لگا دیں۔ ہاں اگر شارع کی تصریح ہو تو بیشک ان پر مقصود کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ یہ اس طرح کے سد ذرائع کی بات ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ شرک کی طرح شرک تک پہنچانے والا ذریعہ بھی بے شک حرام ہے مگر وہ باتیں جو کبھی شرک کی طرف مفضی ہوتی ہیں اور کبھی نہیں ہوتیں تو ان میں سے جن کو شارع نے حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہیں اور جن کو حرام قرار نہیں دیا وہ مباح ہیں کیونکہ وہ کسی محذور کو مستلزم نہیں ہیں۔ ہم جن امور پر بحث کر رہے ہیں وہ اسی قسم کے ہیں۔ ان میں سے شریعت نے قبروں کو مساجد بنانے اور ان میں تصویریں بنانے، ان کو اعتکاف گاہ بنانے کو حرام قرار دیا ہے۔ زیارت، سلام، دعا کو مباح قرار دیا ہے۔ ہر ذی شعور انسان ان دونوں باتوں کے فرق کو سمجھ سکتا ہے اور یہ مانے گا کہ زیارت کی دوسری قسم جب کہ شرعی احکام کی رعایت کے ساتھ کی جائے تو وہ کسی ممنوع تک مفضی نہیں ہوتی اور جو کوئی سد ذرائع کے حوالے سے روکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس

کے رسول ﷺ کے خلاف بات کہتا ہے اور زائر کو جو کہ درست کام کر رہا ہے اس پر بلا وجہ اعتراض کر رہا ہے۔

اس بات کا علم ضروری ہے کہ یہاں دو باتیں بہت اہم ہیں۔ ایک تو حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کا واجب ہونا اور ان کے مرتبہ کو تمام مخلوق سے بڑا سمجھنا۔ دوسرا اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں اور اپنے افعال میں اپنی تمام مخلوق سے منفرد اور یکتا ہے۔ اب اگر کوئی کسی کو باری تعالیٰ کا شریک کرے تو وہ مشرک ہے اور ربوبیت کے معاملے میں جو تعلیمات حضور نبی اکرم ﷺ نے دی ہیں ان کے معاملہ میں مجرم ہے اور جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ کو کسی معاملہ میں گھٹائے گا تو وہ حضور کا مجرم ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ رسول ﷺ کے لیے واجب کیا ہے اس پر وہ ظلم کرنے والا ہوگا۔ اور جو شخص مختلف قسم کی تعظیموں سے حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرتا ہے لیکن وہ امور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے ثابت نہیں کرتا تو وہ درست عقیدہ پر ہے اور اُس نے جانب ربوبیت اور جانب رسالت کی محافظت کی ہے اور یہی عدل ہے جس میں نہ زیادتی ہے نہ کمی۔

یہ واضح بات ہے کہ زیارتِ قبر نبی ﷺ تبرک اور تعظیم کی نیت سے حضور نبی اکرم ﷺ کو درجہ ربوبیت تک نہیں پہنچاتی اور نہ اُس سے بڑھ کر ہے جس کی قرآن اور سنت نے ہمیں تعلیم دی ہے اور نہ اُس تعظیم سے بڑھ کر ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی قولاً و فعلاً آپ کی زندگی میں اور آپ کے پردہ فرما جانے کے بعد کی ہے۔ اب امام ابن تیمیہ نے نہ معلوم کیوں اس کو بدعت قرار دیا ہے؟ اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ لوگوں کا قبر نبی ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنا شرک باللہ ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) جو دلیل اُن کے خلاف ہوتی ہے وہ اُس کی تاویل کرتے ہیں اور شبہات سے اپنی تائید کرتے ہیں۔ یہ تو ایسی بیماری ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حق نصیب فرمائے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ جب انہوں نے زیارت کا قصد کیا تھا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تھا؟

دوسری فصل

ابن تیمیہ کے فتاویٰ کی تلاش

میں نے اس سے پہلے ابن تیمیہ کا وہ فتویٰ نقل کیا ہے جس میں اُن سے براہ راست زیارت کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا تھا بلکہ مزارات سے متعلق فتویٰ میں انہوں نے ضمناً اس موضوع پر گفتگو کی تھی۔ اب ہم اُن کا وہ فتویٰ نقل کرتے ہیں جو حکومت کے پاس ہے اور جو اُن کے قلمی فتوے کی بعینہ نقل ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

سوال:

”کیا فرماتے ہیں علمائے کرام (اللہ اُن سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے) ایک شخص ہے جس نے انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی قبر مثلاً حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کی نذر مانی۔ تو کیا اُس کے لئے جائز ہے کہ اس سفر میں قصر نماز ادا کرے؟ اور کیا یہ زیارت شرعی ہے یا نہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے۔“ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اُس نے مجھ سے جفا کی اور جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی وہ اُس شخص کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔“ اور حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ ”رخت سفر نہ باندھا جائے مگر مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے لئے۔“ فتویٰ دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے گا۔“

جواب:

تقی الدین ابن تیمیہ نے اپنے قلم سے یہ جواب لکھا۔ ”جس شخص نے صرف انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبور کی زیارت کے لئے سفر کیا اُس کے لئے نماز

قصر کرنے کے بارے میں دو قول ہیں۔

ایک تو متقدمین علمائے کرام کا قول ہے جو ناجائز سفر کے دوران قصر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ جیسے ابو عبد اللہ ابن بطہ اور ابو الوفاء وغیرہ کہتے ہیں یہ گناہ کا سفر ہے۔ اس میں قصر نماز کی اجازت نہ ہوگی۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی گناہ کے سفر میں قصر نماز جائز نہیں ہے

دوسرا قول اُن لوگوں کا ہے جو ناجائز سفر میں بھی قصر کی اجازت دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک زیارت کے سفر میں قصر جائز ہوگا۔ یہ قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض متاخرین شوافع اور حنابلہ کا ہے اور ابو حامد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو الحسین ابن عبدوس اور ابو محمد ابن قدامہ اس سفر کو گناہ کا سفر قرار نہیں دیتے ہیں اور قصر کی اجازت دیتے ہیں۔ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے قول ”قبروں کی زیارت کیا کرو“ کے عموم سے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ بعض لوگ جن کو فن حدیث میں مہارت نہیں ہے۔ اس سفر کے جواز پر امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت ”مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَلَكَ اَنْعَامًا زَارَنِي فِي حَيَاتِي“ جس شخص نے میری موت کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔“ سے استدلال کرتے ہیں اور بعض لوگ زیارت کے سلسلہ میں ”مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي“ (جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اُس نے مجھ سے جفا کی) سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کو کسی عالم نے روایت نہیں کیا۔ اور یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسا کہ ”جس شخص نے میری اور میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ایک سال میں زیارت کی میں اُس کے لئے اللہ تعالیٰ سے جنت کی ضمانت دیتا ہوں“ سے استدلال ہے۔ یہ دونوں روایتیں بالاتفاق باطل ہیں۔ کسی بھی عالم نے اُن سے اس مسئلہ پر استدلال نہیں کیا۔ دارقطنی والی روایت سے تو بعض علمائے کرام نے استدلال کیا بھی ہے۔

ابو محمد مقدسی نے زیارت قبر نبی ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت کے لیے سفر کے جواز پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ مسجد قباء کی

زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور ” لا تشد الرحال “ والی روایت کو استحباب کی نئی پر محمول کیا ہے یعنی مساجد ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کا سفر مستحب نہیں ہے۔

جو لوگ زیارت کے سفر کے قائل نہیں ہیں وہ صحیحین کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ” رخت سفر نہ باندھا جائے مگر تین مساجد، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کی طرف۔“ اس حدیث کی صحت پر تمام آئمہ متفق اور عمل پیرا ہیں۔ اب اگر کوئی شخص نذر مانے کہ وہ تینوں مساجد کے علاوہ کسی مسجد یا مشہد میں جا کر نماز پڑھے گا یا اعتکاف کرے گا یا ان کے لئے سفر کرے گا تو اُس پر وہ نذر لازم نہ ہوگی اس پر آئمہ کا اتفاق ہے اور اگر کسی نے نذر مانی کہ مسجد حرام میں حج یا عمرہ کے لئے پہنچے گا تو اُس پر تمام علمائے کرام کے نزدیک یہ نذر لازم ہوگی اور اگر نذر مانی کہ مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھے گا تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ نذر لازم ہوگی البتہ امام ابوحنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ نذر لازم نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اُن کے یہاں نذر کے لزوم کے لئے یہ شرط ہے کہ اُس کی جنس کی کوئی چیز شرعاً واجب ہو۔ جمہور ہر طاعت کی نذر کو لازم قرار دیتے ہیں اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا قول ہے۔ ” جس کسی نے نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو وہ ضرور اطاعت کرے اور جس کسی نے نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا وہ نافرمانی نہ کرے۔“

مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی جگہ اور کسی مقام کی نذر کسی عالم کے نزدیک لازم نہیں ہے یہاں تک کہ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ مسجد قباء کی نذر بھی اس پر لازم نہیں ہے کیونکہ وہ مساجد ثلاثہ میں داخل نہیں ہے حالانکہ اس کی زیارت مدنی کے لئے مستحب ہے اس لئے کہ مدنی کو اس کی زیارت میں رخت سفر باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے ” جس نے گھر میں وضو کیا پھر مسجد قباء میں پہنچا اور اس کا مقصد محض نماز ہے تو اس کو ایک عمرہ کا ثواب ملے گا۔“ علمائے کرام نے کہا کہ انبیائے کرام علیہم السلام و صالحین کی قبور کی زیارت کے لئے سفر بدعت ہے۔ کسی صحابی یا تابعی نے یہ

نہیں کیا نہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اس کو مستحب بتایا تو اب اگر کوئی اس کو عبادت سمجھے گا اور کرے گا تو وہ سنت اور اجماع امت کا مخالف ہے۔

ابو عبد اللہ ابن بطہ نے اپنی کتاب ”الابانة الصغری“ میں اس کو بدعت اور سنت و اجماع کا مخالف قرار دیا ہے۔ اس سے ابو محمد کی دلیل کی کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ جب قباء کی زیارت کرنے جاتے تھے تو رخت سفر نہیں باندھا جاتا تھا۔ یہ ان کی دلیل ہے کہ نذر سے اس کا لزوم نہ ہوگا۔

ان کا یہ کہنا کہ ”لا تشد الرحال“ صرف استحباب کی نفی پر محمول ہے۔ اس میں دو باتوں کا احتمال ہے: ایک تو یہ کہ انہوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ سفر نہ نیک کام ہے نہ قربت نہ اطاعت اور نہ وہ حسنات میں سے ہے۔ اب اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبور کی زیارت قربت اور عبادت اور طاعت ہے تو اس نے اجماع کے خلاف کیا اور اگر اس نے اس اعتقاد سے سفر کیا تو وہ بالاجماع حرام ہوگا تو اس کی تحریم یقینی ہے اور یہ واضح بات ہے جو قبر نبی وغیرہ کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے وہ عبادت و طاعت ہی سمجھ کر کرتا ہے۔ ہاں اگر وہ کسی اور مقصد سے سفر کرتا ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں وہ جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں نفی نہیں کی متقاضی ہے اور نہی تحریم کا تقاضا کرتی ہے۔ اور جو احادیث زیارت کے سلسلہ میں بیان کی ہیں وہ سب بالاتفاق ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ اصحاب سنن میں سے کسی نے ان کو روایت نہیں کیا اور نہ کسی امام نے ان کو دلیل سمجھا بلکہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ جو اہل مدینہ کے سب سے بڑے عالم اور اس مسئلہ سے خوب واقف ہیں انہوں نے ”زرت قبر نبی ﷺ“ (میں نے قبر نبی کی زیارت کی) کہنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ اگر یہ لفظ ان کے زمانہ میں مستعمل ہوتا اور وہ زیارت کو مشروع سمجھتے یا حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول ہوتا تو عالم مدینہ کبھی اس کو مکروہ نہ کہتے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ جو اپنے زمانے میں سنت کے سب سے بڑے عالم تھے

جب ان سے زیارت کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو ان کا اعتماد صرف اس حدیث پر تھا ”جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح میری طرف لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کا جواب دے سکوں“ اور زیارت کے سلسلہ میں کوئی اور حدیث بیان نہ کی تھی۔ امام مانک رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطاً میں صرف سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوتے تھے تو ”السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا عمر“ کہتے تھے اور پھر واپس ہو جاتے تھے۔

سنن ابوداؤد میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری قبر کو عید نہ بناؤ مجھ پر درود بھیج دیا کرو تمہارا درود مجھ تک پہنچ جائے گا تم جہاں کہیں بھی ہو گے۔“ سعید ابن منصور رحمہ اللہ تعالیٰ کی سنن میں ہے کہ عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قبر نبی کے پاس آ جا رہا ہے اور وہاں دعا کرتا ہے تو انہوں نے فرمایا ارے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”میری قبر کو عید نہ بناؤ اور جہاں کہیں ہو وہاں سے درود بھیج دیا کرو کہ درود مجھ تک پہنچ جائے گا۔“ درود بھیجنے میں تو اور وہ شخص جو اندلس شہر میں ہے دونوں یکساں ہیں۔ صحیحین کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں فرمایا ”یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت انہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنا لیا ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میدان میں بنتی لیکن اس بات کو ناپسند کیا کہ اس کو مسجد بنایا جائے۔“ یعنی حجرے میں اسی لئے دفن کئے گئے کہ کہیں لوگ قبر کو مسجد بنا لیں چنانچہ عبدالملک کے زمانہ تک جبکہ حجرہ عائشہ جس میں قبر نبی ہے مسجد سے جدا تھا تو کوئی صحابی اور تابعی حجرہ میں نہ نماز پڑھنے جاتا تھا نہ کوئی قبر کو چھونے نہ وہاں دعا کرنے، یہ سب کچھ وہ لوگ مسجد میں کرتے تھے۔ صحابہ کرام اور تابعین جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے تھے اور دعا کرتے تھے تو قبلہ رخ ہوتے تھے قبر کی طرف منہ نہ کرتے تھے۔

سلام کے وقت میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ یہی کہتے تھے کہ قبلہ رخ

رہے۔ (قبر کی طرف منہ نہ کرے) اکثر آئمہ اس کے قائل ہیں کہ خاص سلام کے وقت قبر نبی ﷺ کی طرف رخ کر لے، دعا کے وقت قبر کی طرف رخ کرنے کا کوئی امام قائل نہیں ہے۔ ایک جھوٹی روایت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے ورنہ مذہب ان کا دیگر آئمہ کی طرح ہے، تمام آئمہ اس پر متفق ہیں کہ قبر کا مسح نہ کیا جائے نہ اس کو بوسہ دیا جائے۔ یہ سب کچھ توحید کی محافظت ہے۔

شرک کی جڑ یہ ہے کہ قبر کو مسجد بنایا جائے بعض بزرگوں نے قرآن مجید میں مذکور قوم نوح کے اس قول: ” قالوا لاتذرن آلهتکم و لاتذرن ودا و لاسواعا و لایغوث و یعوق و نسر“ کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ قوم نوح کے نیک لوگ تھے۔ جب یہ مرے تو لوگوں نے ان کی قبروں کو مختلف بنایا پھر وہاں ان کی تصویریں بنائیں پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کی پوجا شروع ہو گئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے اور اس کو ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم نے نقل کیا ہے۔

سب سے پہلے وہ لوگ جنہوں نے مزارات کی زیارت کی احادیث وضع کیں وہ رافضی بدعتی ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے مساجد کو معطل اور مشہدوں کو آباد کر رکھا ہے۔ اللہ کے گھروں کو برباد کر رکھا ہے جن کے بارے میں حکم ہے کہ ان کو آباد کرو اور اللہ تعالیٰ کا یہاں ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کی عبادت کرو اور مشاہد و مقابر کو آباد رکھتے ہیں جہاں شرک کرنے میں جھوٹی باتیں بناتے ہیں اور ایسی بدعتیں کرتے ہیں جن کا نہ کتاب اللہ میں ذکر ہے نہ سنت رسول اللہ میں۔ قرآن میں تو صرف مساجد کا ذکر ہے۔ نہ کہ مقابر و مشاہد کا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ” قل امر ربی بالقسط و اقیموا وجوہکم عند کل مسجد و ادعوه مخلصین له الدین “ [اعراف: ۲۹] (اے حبیب! فرمادیں کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور تم ہر مسجد کے وقت و مقام پر اپنے رخ (کعبہ کی طرف) سیدھے کر لیا کرو اور تمام فرمانبرداری اس کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کیا کرو۔“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ” انما یعمر مساجد اللہ من

بھی قصر بلا خوف جائز ہوگا اس میں دو قول نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ اس صورت میں مسافر کی دو حالتیں ہوں گی۔ یا تو وہ اس طور پر سفر کرے گا جیسا کہ دیگر مباح مقاصد کے لئے سفر کرتا ہے تو بھی قصر بلا خوف جائز ہوگا یا یہ خیال کر کے سفر کرے گا کہ یہ قربت ہے اس پر ہم عنقریب گفتگو کریں گے۔

دوسرا اعتراض:

ابن تیمیہ کی تقریر کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ اس سفر کو بالاتفاق حرام قرار دے رہے ہیں جس کا ہم انکار کر چکے ہیں۔ ہاں صرف ابن عقیل کے قول کے اعتبار سے اس کی حرمت کا شبہ ہوتا ہے۔ اگر اس نسبت کو صحیح مان لیا جائے تو بھی اس میں حضور ﷺ کی قبر کے سفر کی تصریح نہیں ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سفر میں نماز کے قصر کی ممانعت کی اور اس کی ابن بطہ، ابن عقیل اور علمائے متقدمین کے بہت سے گروہوں کی طرف نسبت کی ہے لیکن انہوں نے اپنے اس قول پر کوئی دلیل قائم نہ کی اور نہ یہ بتایا کہ متقدمین کے وہ کون سے گروہ ہیں جنہوں نے اس سفر میں نماز کے قصر کو منع کیا ہے؟

تیسرا اعتراض:

ابن تیمیہ نے کہا کہ علمائے متقدمین نے اس سفر میں نماز قصر کرنے کو منع کیا ہے جیسا کہ ابن بطہ اور ابن عقیل۔ ابن عقیل کو انہوں نے متقدمین میں شمار کیا پھر قصر کے جواز کے بارے میں کہا کہ یہ قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض متاخرین کا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قسبیین میں سے امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن عقیل کا زمانہ ایک ہے بلکہ ابن عقیل کی وفات امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد ہوئی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا سن وفات ۵۰۵ ہے جبکہ ابن عقیل کا سن وفات ۵۱۳ ہے۔ اب معلوم نہیں کہ ابن تیمیہ نے کس بنیاد پر ابن عقیل کو متقدمین میں اور امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کو متاخرین میں شمار کیا ہے۔ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اپنے قول کی تائید کی وجہ سے ابن عقیل کو متقدمین میں شمار کیا ہے اور یہ ان کی شان سے بعید تھا۔

ابن تیمیہ کا رد:

” ان من زارنی بعد مماتی فکأنما زارنی فی حیاتی “ اس حدیث کے بارے میں ابن تیمیہ نے کہا یہ حدیث ابن ماجہ میں ہے۔

حالانکہ یہ ابن ماجہ میں کہیں موجود نہیں ہے۔ ” فمن حج ولم یزرنی فقد جفانی “ اس حدیث کے بارے میں ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ ” کسی عالم نے اس کی روایت نہیں کی۔ “ ابن تیمیہ کا یہ کہنا سراسر غلط ہے اس لیے کہ اگرچہ اس حدیث میں ضعف ہے لیکن ہم پچھلے ابواب میں اس کے راویوں کا تذکرہ کر چکے ہیں۔

اسی طرح ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ” مساجد ثلاثہ کے علاوہ کے لئے اگر کوئی شخص کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانے گا تو نذر لازم نہ ہوگی۔ “ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس پر دو قول ہیں۔ ایک قول کے اعتبار سے یہ نذر لازم ہو جائے گی۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ” علمائے کرام نے تصریح کی ہے مسجد قبا کے لئے سفر نہ کرے کیونکہ وہ مساجد ثلاثہ میں داخل نہیں ہے “

یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ امام لیث ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مساجد ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کی نذر بھی لازم ہوگی۔ بعض مالکیہ سے بھی منقول ہے کہ مسجد قبا کے لئے نذر ماننے والے کے لئے سواری کا استعمال جائز ہے اور ان مالکیہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے قبائے شریف لے جانے کو کہا ہے کہ یہ سفر بغیر نذر کے تھا۔

ان دونوں مذاہب کے بعد ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ” علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ مسجد قبا کے لئے سفر ناجائز ہے۔ “

ابن تیمیہ کا یہ قول بھی درست نہیں ہے۔ اسی طرح ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ” زیارت قبور کے لئے سفر بدعت ہے۔ کسی صحابی اور کسی تابعی نے ایسا سفر نہیں کیا نہ حضور

نبی اکرم ﷺ نے ایسے سفر کا حکم دیا نہ اس کو مسلمانوں کے کسی امام نے مستحب قرار دیا۔ اب اگر کوئی زیارت قبور کے لئے سفر کرے گا تو وہ سنت اور اجماع امت کے خلاف عمل کرے گا۔“ امام ابن تیمیہ کا یہ صریح جھوٹ ہے کیونکہ ہم ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے بارے میں بتا چکے ہیں جنہوں نے یہ سفر کیا ہے اور جن علمائے کرام نے اس کو مستحب گردانا ہے۔

ایک اور غلط بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے یہ قول اپنی طرف سے نہیں بلکہ دوسروں کا مقولہ کر کے بیان کیا ہے اور یہ نہیں بیان کیا کہ اس کا قائل کون ہے؟ شاید ان کا مقصد یہ ہو کہ اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں سے اتار کر دوسرے پر ڈال دیں لیکن وہ اس طرح سے اس نقل کی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتے تھے۔ بہر حال اس قول کی برائی ان کی طرف ہی نسبت ہوگی۔

پھر انہوں نے اس قول کی نسبت ابو عبد اللہ ابن بطہ کی طرف کی اور کہا اپنی ”الابانة الصغریٰ“ میں یہ انہوں نے کہا ہے۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں ہم نے ان کا قول ”الابانة“ میں اس کے خلاف دیکھا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کی دو کتابوں کا نام ”الابانة“ ہے۔ ابن تیمیہ نے ان کا جو قول نقل کیا ہے وہ ”الابانة الغریٰ“ کا ہے اور جو قول ان کا ہم نقل کر رہے ہیں وہ الابانة الکبریٰ کا ہے۔ اب اگر یہ صحیح ہے تو الابانة الصغریٰ کا یہ قول حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے علاوہ دیگر قبور پر محمول کیا جائے تاکہ دونوں قولوں میں تضاد نہ ہو۔ اور اگر ان کا قول وہی ہے جو ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے تو پھر ان کا یہ قول ناقابل التفات ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ ابو عبد اللہ ابن بطہ کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان سنی حدیث کے بارے میں سماع کا دعویٰ کر دیتے تھے اور ابو القاسم الازہری نے ان کو ”ضعیف ضعیف ضعیف“ کہا ہے اور ان کی ایک سند بیان کی ہے کہ وہ بغوی سے روایت کرتے ہیں اور بغوی، مصعب سے اور مصعب، مالک سے اور مالک، زہری سے اور زہری، سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے وہ حضور نبی

اکرم ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نظم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے“ اور یہ روایت اس سند سے بالکل ”ضعفی“ ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ نیک بزرگ اور مستجاب الدعوات تھے۔ بہر حال ہم نے ان کے احوال اس لئے لکھ دیئے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ ان سے غلطی بھی ممکن ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا کہ ابو محمد المقدسی کا یہ کہنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ قول ”لا تشد الرحال“ نفی استحباب پر محمول ہے دو صورتوں کا محتمل ہے۔ ایک یہ کہ انہوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ سفر نیک کام نہیں ہے نہ قربت ہے نہ طاعت، نہ وہ حسنات میں سے ہے اس لئے جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبور کی زیارت قربت اور طاعت اور عبادت ہے تو اس نے اجماع کی مخالفت کی۔

ابن تیمیہ کا یہ قول انتہائی درجہ کا مبہم اور فاسد ہے۔ مبہم تو اس لئے ہے کہ پڑھنے والا خیال کرے گا کہ اس نے ماسبق سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ یہ سفر قربت نہیں ہے اور ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ لیث ابن سعد اور بعض مالکیہ کے کلام کا تقاضہ ہے کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کا سفر بھی قربت ہے تو اجماع کا دعویٰ باطل ہے۔ ابن تیمیہ کا مقصد ابو محمد مقدسی پر ان کے اس قول پر الزام قائم کرنا تھا کہ ”لا تشد الرحال“ کو نفی استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس تقدیر پر کہ ان کو یہ تسلیم ہے کہ یہ سفر عمل صالح نہیں ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ سفر قربت نہیں ہے اور جو یہ اعتقاد کرے کہ یہ سفر قربت ہے اس نے ابو محمد کی مخالفت کی۔ اجماع کی مخالفت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس عبارت کا فساد اس طور پر ہے کہ ابو محمد نے اس سفر کے جواز پر گفتگو کی ہے اور اس کا مقصد سفر کا جواز ثابت کرنا ہے۔ انہوں نے حرمت کی نفی کی اور مذکورہ حدیث کو صرف فضیلت کی نفی پر محمول کیا اور حدیث کا مطلب یہ بتایا کہ ”کسی جگہ کے لئے سفر کرنا بجز مساجد ثلاثہ کے مستحب نہیں ہے۔“ اور اس لیے اس میں تاویل کرنی پڑے گی کیونکہ طلب علم وغیرہ کے لئے سفر کرنا بہر حال سب کے نزدیک مستحب ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بغیر کسی اور عارض کے محض اس جگہ کے لئے سفر کرنا مساجد ثلاثہ

تکے علاوہ مستحب نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی وجہ ہو جیسے کسی عزیز کی تیمار داری، طلب علم وغیرہ تو دوسری جگہ کا سفر بھی مستحب ہو جائے گا لیکن ابو محمد نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ انہیں تو نماز کے قصر کے جواز کو بیان کرنا تھا اس لئے انہوں نے سفر کا جائز ہونا ثابت کیا۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: جب اس اعتقاد سے سفر کیا کہ وہ طاعت ہے تو یہ بالاجماع حرام ہوگا تو حرمت امر یقینی ہوگئی۔

یہ بھی ابن تیمیہ کا کلام مبہم اور فاسد ہے۔ ایہام اس اعتبار سے ہے کہ اکثر لوگ جو اس کو سنیں گے سمجھیں گے یہ ابتدائی کلام ہے اس میں تحریم پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور یہ فیصلہ قطعی ہے۔ اس کا فساد اس طور پر ہے کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ سفر بالاجماع طاعت نہیں ہے۔ پھر اگر کوئی طاعت سمجھ کر سفر کرتا ہے تو اس کا بالاجماع حرام ہونا کیسے ہو جائے گا۔ اس لیے کہ کوئی اگر مباح فعل کو قربت سمجھ کر کرتا ہے تو نہ وہ گنہگار ہوگا نہ اس فعل کر حرام قرار دیا جائے گا بلکہ اگر اس کا یہ اعتقاد کسی غلط دلیل پر مبنی ہو تو وہ اپنے گمان کے اعتبار سے ثواب کا مستحق ہوگا۔ ورنہ اس کی نادانی سمجھی جائے گی اور اسکو نہ گناہ ہوگا نہ ثواب اور اس کا فعل اپنی جگہ مباح رہے گا اسمیں تحریم کہاں سے پیدا ہوگئی تھی۔

یہ گفتگو تو اس مباح میں تھی جس کو عبادت کے طور پر انجام دیا حالانکہ اس کا اعتقاد اس کے عبادت ہونے کا نہ تھا تو یہ اس کی وجہ سے گناہگار ہوگا اور یہ فعل حرام ہوگا کیونکہ اس نے تقرب الی اللہ ایسے فعل سے کیا تھا جو قربت نہ تھا۔ نہ اللہ کے نزدیک نہ اس کے خیال میں۔ یہیں سے اس مسئلہ میں غلطی واقع ہوئی ہے اور یہی حال تمام بدعتوں کا ہے۔ اور جس کسی نے کوئی فعلی بدعت ایجاد کی اس کا ایجاد کنندہ گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے دین میں ایسی چیز داخل کی جو ہیتاً دین کا جز نہ تھی کیونکہ اس نے تقرب الی اللہ ایسی چیز سے کیا جس کو وہ خود سمجھتا ہے کہ دین کی بات نہیں ہے لیکن عوام میں سے جو اس کا مقلد ہوگا اگر وہ ایسی چیز ہے جس میں تقلید ہو سکتی تھی جیسے کہ دین کے فرعی مسائل، اور اس نے اس فعل کو اس طور پر انجام دیا کہ وہ عبادت شرعیہ ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر وہ ایسا فعل ہے جس میں تقلید جائز نہیں ہے جیسے کہ دین کے اصول تو اس پر گناہ

ہوگا اور ہمارا یہ مسئلہ فروغ میں سے ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ کسی نے اس سفر کو مستحب قرار نہیں دیا اور پھر اس کو کسی شبہ کی بنیاد پر مستحب سمجھ کر کیا تو اس نے نہ حرام کیا نہ وہ گنہگار ہوگا اور اس مسئلہ میں تو سب استحباب کے قائل ہیں لہذا اس میں گناہ کا کوئی احتمال نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ کا یہ کہنا: بدیہی بات ہے کہ زیارتِ قبر نبی کا جو بھی سفر کرتا ہے وہ اس کو طاعت سمجھ کر کرتا ہے۔

ابن تیمیہ کے اس کلام سے یہ واضح ہوا کہ وہ فرضی طور پر بات نہیں کر رہے بلکہ مسلمانوں کا جو عمل ہے اس کے متعلق بات کر رہے ہیں لہذا انکے خیال کے اعتبار سے سب کا یہ سفر باجماع المسلمین حرام ہے۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔ تو پھر ان کے نزدیک تمام زمانوں میں تمام مسلمان جو اطرافِ عالم سے زیارت کے لئے آتے ہیں امر حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ابن تیمیہ کا یہ کلام ظاہر کرتا ہے کہ وہ زیارتِ قبر نبی کرنے والوں کو گمراہ اور معصیت کار سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی ایسی لغزش ہے جس کا کوئی مداوا نہیں ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: اگر یہ فرض کیا جائے کہ کوئی کسی مباح غرض کے لئے قبر نبی کا سفر کرے تو یہ جائز ہے۔

لیکن یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔ اس کلام کا مفہوم یہ نکلا کہ زیارت کی غرض مباح نہیں ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا: نفی نفی کو چاہتی ہے اور نفی کا اقتضاء تحریم ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابو محمد کے اس قول کا رد کر رہے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ "لا تشد الرحال" میں نفی کا معنی یہ ہوگا کہ دیگر کسی مقام کی طرف اگر رخت سفر باندھا جائے گا تو اس سفر کرنے والے کو ثواب نہیں ہوگا جو ان تین مساجد کی طرف رخت سفر باندھنے پر حاصل ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفی نفی کا معنی نہیں

دیتی بلکہ مجازاً نہی کے معنی میں مستعمل ہوتی ہے۔ ابو محمد یہ کہہ سکتے ہیں کہ نفی کی حقیقت خبرے جو نہ تحریم کو چاہتی ہے نہ کراہت کو۔ اور نہی کے دو معانی ہیں۔ ایک حقیقی جو تحریم ہے۔ دوسرے معنی مجاز جو کراہت ہے۔ جب نفی کو اپنی حقیقت خبریہ سے نہی کے معنی میں استعمال کیا جائے تو دونوں احتمال ہوتے ہیں تحریم اور کراہت۔ اور جو معانی بھی مراد لئے جائیں اس میں وہ مجاز ہوتی ہے۔ اس لئے کہ خبر اس معنی کے لئے موضوع نہیں ہے۔ اب اگر کسی مرجح کی وجہ سے تحریم میں استعمال راجح ہو تو یہ بعض مجازات کو بعض پر ترجیح دینا ہوا۔ اب کبھی یہ ترجیح دوسری ترجیح کے معارض ہوتی ہے تو ابو محمد کو حق حاصل ہے کہ وہ یوں کہیں کہ تحریم میں یہ لفظ اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے۔ یا اسمیں اس کا استعمال ظاہر نہیں ہے اس لئے کہ خبر فقط نہی میں مستعمل نہیں ہے بلکہ اس کے معنی میں مستعمل ہے اور اس کے معنی حقیقی بھی ہیں اور مجازی بھی۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: زیارت قبر نبی ﷺ کے سلسلہ کی جس قدر احادیث ہیں وہ سب کی سب اہل علم کے نزدیک ضعیف بلکہ موضوع ہیں اور کسی معتبر صاحب سنن نے ان کو روایت نہیں کیا۔

ہم شروع کتاب میں اس بات کا بطلان ظاہر کر چکے ہیں اور یہ کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”زرت قبر النبی ﷺ“ کہنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ ہم نے اس کی مراد بھی باب چہارم میں سمجھا دی ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: اگر یہ لفظ مشروع ہوتا تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کبھی اس کو مکروہ نہ قرار دیتے۔

یہ بات تو بہت بے موقع ہے۔ اس لئے کہ بحث اس لفظ میں نہیں ہے بلکہ اس کے معنی میں ہے۔ مؤطا میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو منقول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ سے وہ سب ابن تیمیہ کے خلاف ہے اس لئے کہ اس سے زیارت کے معنی کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ ”لا تتخذوا قبوری عیداء“ پر ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں اور اس کا صحیح مفہوم بتا چکے ہیں اور یہ حدیث کہ ”یہود اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت

انہوں نے اپنے انبیائے کرام کی قبروں کو مساجد بنایا، بھی ابن تیمیہ کے دعویٰ کی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے قبر نبی کو مسجد نہیں بنایا ہے اور اگر زیارت کو مسجد بنانے پر قیاس کیا جائے تو یہ بالکل غلط بات ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: عادت کے خلاف صحرا کی بجائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جو دفن کیا گیا وہ اسی لئے کیا گیا کہ کوئی قبر کے پاس نماز نہ پڑھ سکے اور اس کو مسجد نہ بنا سکے تاکہ وہ قبر بت نہ بنے۔

یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ حجرہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تو حضور نبی اکرم ﷺ اس وقت دفن کئے گئے جب یہ حدیث سامنے آئی کہ نبی اس جگہ دفن ہوتا ہے جس جگہ اس کا وصال ہوتا ہے۔ یہ مشہور بات ہے اس کو ہر کس و ناکس جانتا ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: جب تک قبر نبی ﷺ مسجد سے جدا تھی کوئی صحابی یا تابعی قبر کے پاس نماز پڑھنے یا اس کو چھونے یا وہاں دعا کرنے نہیں جاتا تھا۔

اس پر ہم یہ کہتے ہیں اس سے ابن تیمیہ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ زیارت کے آداب یہی ہیں۔ ہم بھی وہاں نماز پڑھنے کو اور قبر کے مسح کرنے کو منع کرتے ہیں حالانکہ یہ بات بھی بالا جماع ممنوع نہیں ہے۔

ابو الحسن عسکری ابن حسن نے اپنی کتاب اخبار المدینہ میں لکھا ہے کہ مروان بن الحکم آیا تو اس نے دیکھا ایک شخص قبر نبی سے چمٹا ہوا ہے۔ مروان نے اس کی گردن سے پکڑ کر اس کو قبر سے جدا کیا اور کہا تو جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا تھا؟ وہ شخص مروان کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: میں جانتا ہوں کہ میں نہ پتھر کے پاس آیا ہوں نہ اینٹ کے، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ پھر وہ شخص بولا: دین پر اس وقت ماتم نہ کرو جب اسکے متولی اہل لوگ ہوں، اس وقت ماتم کرو جب نا اہل متولی بنے ہوئے ہوں۔ جو اس روایت کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین جب حضور نبی اکرم ﷺ کو سلام

کرتے تھے اور دعا کرتے تھے تو قبلہ رہ ہوتے تھے قبر کی طرف منہ نہ کرتے تھے۔

اس قول سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ سلف صالحین سلام کے وقت دعا بھی کرتے تھے۔ اب رہا ان کا حجرہ میں داخل نہ ہونا تو یہ ادب کی وجہ سے تھا۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ وہ دعا کے وقت قبلہ رہ ہوتے تھے تو اس سے زیارت کا انکار یا سفر کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔

ابن تیمیہ کا یہ قول: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بارگاہ نبوی ﷺ میں سلام بھیجنے کے وقت قبلہ رو ہوتے تھے۔

ابو اللیث سمرقندی نے فتاویٰ میں ایک حکایت میں جو حسن ابن زیاد کی حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے یہی کہا ہے۔ سروجی حنفی نے کہا کہ ہماری نزدیک قبلہ رو کھڑا ہو۔ کرمانی نے کہا: شوافع وغیرہ نے کہا ہے کہ دعاء کے وقت پشت قبلہ کی طرف اور منہ قبر کی طرف ہونا چاہیے اور یہی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور بعض حنفیہ نے کہا ہے: قبلہ رخ ہونے میں دو عبادتیں ادا ہوں گی ایک قبلہ رخ ہونا یہ بھی عبادت ہے، دوسرے دعا۔

اکثر علماء کا قول ہے کہ دعا قبر کی طرف رخ کر کے مانگے۔ یہ بہتر ہے اور اس میں ادب ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ زندوں کا سا معاملہ کرنا چاہیے اور بلاشک و شبہ زندہ کو سلام اس کی طرف رخ کر کے کیا جاتا ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: اکثر علماء نے کہا ہے کہ سلام کے وقت خاص طور پر قبر کی طرف منہ کرے۔ یہ خاص کی قید کہاں مذکور ہے؟ اس کا حوالہ مطلوب ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے اکثر علمائے کرام سلام و دعاء دونوں حالتوں میں قبر کی طرف رخ کرنے کے قائل ہیں جبکہ احناف کی مشہور کتابوں میں اس مسئلہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ روایت منقول ہے کہ ایوب سختیانی آئے اور قبر نبی کے قریب پہنچے، قبر کی جانب رخ کیا اور قبلہ کی جانب ان کی پشت تھی۔ ابراہیم حربی نے اپنی مناسک میں لکھا ہے۔ قبلہ کی جانب پشت کرو اور قبر نبی کے وسط کی

طرف رخ کرو اور سلام و دعا پڑھو۔ اس کو آجری نے کتاب الشریعہ میں ذکر کیا ہے۔

ابن تیمیہ نے یہ کہنا: آئمہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے کہ دعاء کے وقت قبر کی جانب منہ کیا جائے۔ ہاں ایک جھوٹی روایت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے منسوب ہے جبکہ ان کا مذہب اس کے خلاف ہے۔

امام ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ آئمہ میں سے کوئی بھی دعا کے وقت قبر کی جانب منہ کرنے کا قائل نہیں ہے غلط ہے۔ اس کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ابو عبد اللہ سامری حنبلی جو کہ "المستوعب فی مذہب احمد" کے مؤلف ہیں، نے کہا ہے کہ قبر نبی کو منہ کے سامنے کرے، قبلہ کی جانب پشت کرے اور منبر النبی کو بائیں ہاتھ کی جانب کرے۔ پھر انہوں نے سلام و دعا کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ سلام و دعاء دونوں حالتوں میں قبر کی طرف منہ کرنے کے قائل تھے۔

یہی حال ہمارے علماء کا ہے کہ وہ مطلقاً قبر نبی کی طرف رخ کرنے کو کہتے ہیں تو بظاہر دعا و سلام دونوں میں قبر کی طرف رخ کرنے کے قائل ہیں۔ اسی طرح ہم نے ابھی ابراہیم حربی کا قول نقل کیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے کہ قبر نبی کے پاس پہنچے، قبلہ کی جانب پشت کرے، قبر کی دیوار کی جانب رخ کرے اور چار ہاتھ قبر کے سرہانے سے دور کھڑا ہو پھر حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام پڑھے پھر داہنی جانب کو بٹھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے، پھر تھوڑا سا اور داہنی جانب کو بٹھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے۔ پھر پہلی جگہ پر حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے آجائے اور حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے لئے دعا میں وسیلہ بنائے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں آپ کو شفیع بنائے پھر قبر کے سرہانے کی جانب بڑھ جائے۔ پھر قبر اور اس ستون کے درمیان کھڑا ہو جو وہاں ہے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اپنے اور اپنے والدین کے لئے دعائیں کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دعا میں قبلہ رخ ہونا بھی بہتر ہے اور قبر کی طرف رخ کرنا بھی بہتر ہے اور ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی عالم نے بھی اس کو مکروہ کہا ہے۔ اس کے

باوجود اگر کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے تو اسے ثبوت مہیا کرنا چاہیے۔

ابن تیمیہ کا یہ قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک جھوٹی روایت منسوب ہے۔

جس حکایت کو ابن تیمیہ نے جھوٹی حکایت بتایا ہے اس کو قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الشفاء کے تیسرے باب میں ذکر کیا ہے اور اس حکایت پر کوئی نکیر نہیں کی ہے اور نہ یہ کہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ ابن حمید نے بیان کیا ہے ابو جعفر امیر المومنین کی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مسجد نبوی میں ایک بحث ہوئی جس میں ابو جعفر نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا اے ابو عبد اللہ! بناؤ میں قبلہ رخ ہو کر دعا کروں یا سرکار دو عالم ﷺ کی جانب رخ کر کے؟ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ سے روگردانی کیوں کرتے ہو جبکہ وہ تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ ان کی طرف رخ کرو اور ان کو شفیع بناؤ اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے الشفاء کے تیسرے باب ”فی تعظیم امرہ و وجوب توفیرہ و برہ ﷺ“ میں بیان کیا ہے۔ اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اور نہ کسی نے یہ کہا ہے کہ ان کا مذہب اس کے برعکس ہے۔ بلکہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے الشفاء کے چوتھے باب کی ایک فصل ”فی حکم زیارة قبرہ“ میں بیان کیا ہے کہ ابن وہب کی روایت ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام پڑھے اور دعا مانگے تو قبر کی جانب رخ کرے نہ کہ قبلہ کی جانب اور قبر کے قریب ہو کر سلام کرے، قبر کا مسح نہ کرے۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب امام کے بہت بڑے شاگرد نے بیان کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ قبر کا استقبال کرے نہ کہ قبلہ کا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ عبد اللہ ابن وہب نے مبسوط میں یہ بھی کہا ہے: مناسب یہ ہے کہ دعا کے لئے قبر کے پاس قیام نہ کرے سلام کرتا ہوا گزر جائے تو دونوں روایتوں میں اگر اختلاف ہے تو دعا کے لئے ٹھہرنے یا نہ ٹھہرنے میں ہے، استقبال قبر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ہم پہلے بہت سے مالکی علمائے کرام کے اقوال بیان کر چکے ہیں کہ قبر کے پاس رکے اور دعا کرے اور

کسی نے یہ نہیں لکھا کہ دعا قبلہ رخ ہو کر کرے اور قبر کی جانب پشت رکھے تو اب کسی ذی علم کے لئے کیسے جائز ہے کہ یوں کہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ بلکہ تمام علمائے کرام کا مسلک اس حکایت کے خلاف ہے اور اس وہم و خیال سے اس حکایت کو جھوٹی روایت کہے جبکہ اس روایت کا ایک ایک راوی ثقہ اور معتبر ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت قدر، امانت اور ثقاہت متفق علیہ ہے۔ اور ان کے شیخ ابو القاسم احمد بن محمد بن احمد بن مخلد بن عبدالرحمن بن احمد بن قتی ابن مخلد بہت صاحب علم اور جلالت والے ہیں۔ اس کو ابن بشکوال نے ذکر کیا ہے۔ اور ان کے شیوخ کا ذکر کیا ہے کہ جن سے انہوں نے سنا۔ اور پھر کہا۔ اس کو ابو العباس العذری نے اجازت لکھا اور وہ قرطبہ کے صدر المفتیان بن گئے۔ اور یہ بہت زیادہ علمی گھرانے والے اور فضل و کمال والے تھے۔ اور بہت زیادہ مسائل جاننے والے اور فتویٰ دینے والے تھے۔ آپ شعبان میں ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۳۲ھ میں وصال فرمایا۔

ابن بشکوال نے ابو عبد اللہ محمد بن عبدالرحمن بن علی بن سعید بن عبد اللہ بن سیزین جن کی کنیت ابو عبد اللہ تھی کو بھی ذکر کیا ہے۔ یہ اہل علم و معرفت اور فہم والے تھے۔ اور فروع اور اصول کے جاننے والے تھے۔ اشبیلیہ کے قاضی رہے۔ اور ان کی بہت شہرت تھی۔ ۵۰۰۳ھ میں وصال فرمایا۔ اور قاضی عیاض نے ان کو اشعری کہا ہے۔

اور اسی طرح ان کے شیخ ابو العباس احمد بن عمرو بن انس بن دلہات العدوی، ان کے بارے میں ابن بشکوال نے کہا کہ انہوں نے اپنے والدین کے ساتھ مشری کا سفر کیا اور بیت اللہ شریف میں شہر رمضان میں پہنچے اور کافی عرصہ وہاں مقیم رہے اور وہاں حافظ ابو ذر الہروی سے کسب فیض کیا اور صحیح بخاری ان سے سات بار سنی اور یہ حدیث کو سمجھنے اور روایت کرنے میں بہت ماہر تھے۔ اور بہت زیادہ ثقہ تھے۔ اور ان سے بہت سے اکابر نے روایت کیا ہے جن میں ابن عبدالبر اور ابن حزم اور ابو علی الغسانی ہیں۔

اسی طرح ان کے شیخ ابو الحسن علی بن الحسن بن علی بن فہر الرازی المصری الحافظ

ہیں انہوں نے حسن بن رشیق اور اسماعیل بن ابی محمد الازدی سے روایت کیا ہے۔ اور انہوں نے مسند الموطا ان کے مؤلف حرم سے روایت کیا ہے۔ اور ان سے امام بیہقی اور امام الجزائری نے روایت کیا ہے۔ اور ابن المنذر نے کہا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔

اور ان کے شیخ ابوالحسن عبداللہ بن المنجاب القاضی ہیں ان سے ابوالحسن الجوزی نے حدیث الاسلام کو روایت کیا ہے۔ حدیث اس طرح ہے۔ ”ان تسلّم وجہک فتقیم الصلاة و تؤتی الزکاة و تصوم رمضان و تحج البيت و تعتمر“

ان کے ایک اور شیخ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ابن کابجر ہیں انہوں نے اپنے والد گرامی سے اور داؤد بن رشید اور احمد بن عبدالصمد الانصاری اور حسن بن شیبہ اور عمر بن شبہ النیرمی سے روایت کیا ہے۔ اور ان سے مفضل بن سلمہ اور عبدالصمد الطیبی اور ابوالقاسم الطبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام دارقطنی نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ: لا بأس به۔ اور خطیب بغدادی نے ان کو ذکر کیا ہے۔

اسی طرح ان کے شیخ ابن حمید جن کو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ ابوسفیان محمد بن حمید المعمری ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کو امام مالک سے روایت کرنے والوں میں ذکر کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے۔ انہوں نے امام مالک سے ان کی موطا لکھی۔ اور وہ کہتے تھے میں قسم کے کفارہ میں لباس لینے والوں میں سے تھا۔ اور یہ ثقہ تھے اور امام مسلم نے ان سے روایت کیا ہے۔

امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کے راویوں کی جلالت قدر اور ثقاہت کو مدلل طریقہ پر بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کے راویوں پر غور کرو اور دیکھو کہ یہ حکایت ابن وہب کی روایت سے کس قدر مطابقت رکھتی ہے۔ ابن وہب کی عظمت کا بیان کرتے ہوئے امام سبکی نے ذکر کیا کہ علاقے مدینہ جب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی روایت میں باہم مختلف ہوتے تھے تو وہ ابن وہب کی آمد کا انتظار کرتے تھے تاکہ ان سے اس روایت کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ ابن بکیر کہا کرتے تھے کہ ابن وہب ابن القاسم سے زیادہ فقیہ ہیں۔

اب ہمارے لئے چند راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم صرف ابن وہب کی روایت کو لیں چونکہ اس کو ترجیح حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ دونوں روایتوں پر عمل کریں اس لئے کہ یہ اختلاف حلال و حرام کا نہیں ہے، نہ کراہت و عدم کراہت کا۔ قبلہ رخ ہونا بھی حسن ہے اور قبر کی طرف منہ کرنا بھی حسن ہے۔ تیسرے یہ کہ ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ قبلہ رخ رہے قبر کا استقبال نہ کرے۔ اس سے اصل مسئلہ زیارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہم نے مالکی علماء کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں کسی میں ہم نے نہیں پڑھا کہ دعا کے وقت استقبال قبر ممنوع ہے نہ یہ کہ وہ مکروہ ہے اور نہ یہ کہ وہ خلاف اولیٰ ہے سوائے مبسوط کے۔ بہر حال ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور تمام علماء کا مذہب ہے کہ جب سلام پڑھے تو قبر کی طرف منہ کرے اور جب دعا مانگے تو قبر کی طرف پشت کرے صحیح نہیں ہے اور اسی بنیاد پر انہوں نے اس حکایت کو مردود قرار دیا۔ زیارت کے سلسلہ میں ہم مالکی علماء کا کلام چوتھے باب میں بیان کر چکے ہیں جس سے ابن تیمیہ کے اس دعوے کی تردید ہو جاتی ہے۔

کچھ تھوڑی سی بات باقی ہے وہ ہم یہاں ذکر کئے دیتے ہیں۔ ابو الحسن نخعی نے تبصرہ میں ذکر کیا ہے۔ ”جو مدینہ پہنچے وہ سب سے پہلے مسجد نبوی میں جائے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ پھر قبر نبی پر جائے اور سلام پڑھے۔“ یہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اور ابن حبیب نے کہا ہے کہ جب داخل ہو تو بِسْمِ اللّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ کہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ جس وقت داخل ہو تو سلام سے ابتداء کرے پھر تحیۃ المسجد پڑھے اور اگر اس کا داخلہ اس دروازے سے ہو جو قبر نبی سے متصل ہے اور اس کا گزر قبر کے پاس سے ہو تو ٹھہر کر سلام پڑھے۔ پھر وہاں جائے جہاں نماز پڑھنی ہے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ابن بشیر مالکی نے ”کتاب التنبیہ علی مبادی التوجیہ فی دخول مکة و حکم الطواف و الركوع و السعی“ میں کہا ہے کہ جو شخص مدینہ میں داخل ہو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے مسجد نبوی میں نوافل پڑھے پھر قبر نبی کے پاس جائے۔ رسول اللہ

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ” کتاب رؤس المسائل “ میں محافظ ابو موسیٰ اصہبانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ” جب کوئی حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس پہنچے تو قبلہ کی طرف پشت کرے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی جانب رخ کرے درود بھیجے اور دعا کرے۔

میں نے عبد اللہ ابن عبد الحکیم الکبیر کی کتاب کی شرح میں دیکھا ہے کہ ابن وہب نے کہا ہے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا گیا کہ سلام کرنے والا حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کس جگہ کھڑا ہو تو انہوں نے فرمایا: ” اُس گوشہ میں قبلہ رو کھڑا ہو جو منبر کے قریب قبلہ کی جانب ہے اور میں پسند نہیں کرتا کہ وہ قبر کو چھوئے۔ “ یہ ممکن ہے کہ یہ نسخہ غلط ہو اس لیے کہ ابن وہب کی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت پہلے گزر چکی ہے اس میں قبر کے استقبال کا حکم ہے نہ کہ قبلہ کا۔ ابو موسیٰ کی روایت اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی تائید کرتا ہے اور ممکن ہے ان سے دو روایتیں ہوں۔ ایک میں قبلہ کا استقبال اور دوسری میں استدبار ہو۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ دعا کے وقت استقبال قبلہ کے قائل تھے تو اس سے زیارت قبر نبی ﷺ اور اس کے لئے سفر اور تعظیم قبر نبی کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود اگر کوئی ایسا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ گمراہ ہے۔ اس کے بعد جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ اور ان کے اشکالات اپنے مقصود پر دلالت نہیں کرتے۔



آٹھواں باب

حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا
اور آپ ﷺ سے مدد حاصل کرنا
اور آپ ﷺ کی شفاعت چاہنا

توسل کی اقسام:

توسل کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:

اس سے مراد توسل کی یہ صورت ہے کہ صاحب حاجت حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے آپ کے مرتبہ کے طفیل اور آپ ﷺ کی برکت کے طفیل اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے۔ یہ ہر حالت میں جائز ہے خواہ اس کا وقوع حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے پہلے ہوا ہو یا حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں یا آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد۔ اور ہر حالت میں اس کے جواز پر صحیح احادیث موجود ہیں۔

توسل کی پہلی حالت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے قبل آپ کے وسیلہ سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے قبل آپ کے وسیلہ جلیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاجات طلب فرماتے تھے۔ ہم ان احادیث میں سے پہلے اس حدیث کو بیان کرتے ہیں جس کو امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی "المستدرک علی الصحیحین" میں نقل کیا ہے اور اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "حضرت آدم علیہ السلام نے جب اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تو دربار الہی میں عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! میں بحق محمد (ﷺ) درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف فرما دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم! تم محمد کو کیسے جان گئے میں نے تو ابھی ان کو پیدا بھی نہیں کیا۔ انہوں نے عرض کیا اے باری تعالیٰ! جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح مجھ میں پھونکی میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ عرش کے پایوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے تو میں جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخصیت کا نام لکھا ہے وہ یقیناً تمام مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس پر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے صحیح کہا۔ بیشک محمد تمام مخلوق میں میرے لئے محبوب تر ہیں اور جبکہ تم نے ان کے حق کا واسطہ دے کر مغفرت چاہی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کر دی اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔“

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے دلائل النبوة میں روایت کیا ہے۔ امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ ”و هو آخر الانبياء من ذريتك“

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بھی نقل کیا ہے۔

أوحى الله الى عيسى عليه السلام يا عيسى آمن بمحمد و امر من ادركه من امتك ان يؤمنوا به فلو لا محمد ما خلقت آدم و لولا ما خلقت الجنة و النار و لقد خلقت العرش على الماء فاضطرب فكتبت عليه ”لا اله الا الله“ فسكن“

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ عليه السلام سے بذریعہ وحی فرمایا کہ اے عیسیٰ حضرت محمد صلى الله عليه وسلم پر ایمان لاؤ اور اپنی امت سے کہو: جو ان کو پائے ان پر ایمان لائے۔ اگر محمد صلى الله عليه وسلم نہ ہوتے تو میں آدم عليه السلام کو پیدا نہ کرتا اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا۔ پس میں نے اس پر لا اله الا الله لکھا تو ٹھہر گیا۔

ابن تیمیہ کی لاعلمی:

ابن تیمیہ نے حضرت آدم عليه السلام کے توسل کی روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ بے اصل ہے اور کسی صحیح سند کے ساتھ منقول نہیں ہے۔ ان کا یہ دعویٰ محض اپنا خیال اور وہم ہے۔ انہوں نے بہت سی باتیں اپنی طرف سے کہہ کر اس کو جھوٹ قرار دیا ہے۔ یہ ان کی ساری باتیں اس بات پر مبنی ہیں کہ ان کے علم میں یہ نہ آیا کہ امام حاکم رحمہ اللہ

ان لفظوں کے یہی معنی مراد لینے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اس شخص کے واسطے سے درخواست کر سکتا ہے یا نہیں جس کے بارے میں اس کو یقین ہے کہ اس شخص کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک رتبہ اور قدر و منزلت ہے۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا عند اللہ بڑا رتبہ اور قدر و منزلت ہے۔ طریقہ یہی ہے کہ ایک انسان جب شفاعت چاہتا ہے تو وہ ایسے شخص کا حوالہ دیتا ہے جس کے بارے میں اس کو یقین ہوتا ہے کہ اس کا حوالہ دینے سے اس کی درخواست منظور ہو جائے گی خواہ شفاعت کرنے والا نہ خود موجود ہو اور نہ آ کر شفاعت کر رہا ہو۔ اسی طور پر حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے شفاعت طلب کی گئی ہے۔ اور اس صورت میں سائل نہ غیر اللہ سے سوال کرتا ہے، نہ غیر اللہ کو پکارتا ہے۔ محبوب اور معظم شخص کا واسطہ قبولیت کا سبب بنتا ہے جیسا کہ صحیح دعاؤں میں مذکور ہے بعض دعاؤں میں ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے۔ ”اے اللہ تعالیٰ! میں تیرے ہر نام کے ذریعہ تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تیرے اسمائے حسنیٰ کے ذریعے تم سے سوال کرتا ہوں۔ میں تم سے اس واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کی تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کی پناہ مانگتا ہوں تیری سزا سے۔ اور تیری بارگاہ کی پناہ مانگتا ہوں تیرے ہر طرح کے غضب سے۔“

حدیث غار سے استدلال:

غار والی حدیث میں نیک کاموں کے واسطے سے دعا کرنے کا ذکر ہے۔ اور وہ صحیح حدیث ہے۔ اس حدیث میں تمام مقامات پر درخواست اور سوال صرف اللہ تعالیٰ سے ہی ہے اور جن چیزوں کے ذریعہ سوال کیا گیا ہے وہ متعدد ہیں۔ اس سے نہ شرک پیدا ہوا نہ غیر اللہ سے سوال ہوا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سوال کرنے سے نبی کریم سے سوال نہیں ہے بلکہ ان کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے سوال ہے۔ اور جب اعمال کے واسطے سے سوال جائز ہوا جو کہ مخلوق ہیں تو نبی کریم کے واسطے سے سوال بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ

کہنا کہ اعمال کے ذریعہ سوال دراصل ان اعمال کی جزاء کی درخواست ہے، درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر جزاء سے درخواست کا تعلق ہوتا تو پھر اعمال کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تو پہلی امتوں کا قصہ ہے اس سے استدلال درست نہیں۔ کیونکہ اگر اعمال کے واسطہ سے سوال شرک ہوتا تو گذشتہ امت کے لئے بھی جائز نہ ہوتا۔ اس لئے کہ شرک تو کسی امت میں بھی جائز نہیں سمجھا گیا۔

ہم نہیں سمجھتے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنا کر دعا کرنے میں کیا قباحت ہے۔ ان لفظوں کا تقاضا یہ ہے کہ جس کے واسطہ سے سوال کیا جا رہا ہے اس کو اس ذات کے ساتھ خصوصی تعلق ہے جس سے سوال کیا جا رہا ہے۔ لہذا حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانے میں یہی بات ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کے واسطہ سے سوال کیا جا رہا ہے وہ اس ذات سے اعلیٰ ہوتا ہے جس سے درخواست کی گئی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے جس شخص نے تم سے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے اس کو دیدو۔ کوڑھی، گنجه اور اندھے کے قصہ والی حدیث میں ہے۔ میں تجھ سے اس ذات کے واسطہ سے درخواست کرتا ہوں جس نے تجھے خوبصورت رنگ اور خوبصورت کھال عطا کی ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ کا حق کا واسطہ دینا:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے کہا تھا۔ میں تم سے سوال کرتی ہوں اس حق کا واسطہ دے کر جو میرا تمہارے اوپر ہے۔ اور کبھی جس ذات سے سوال کیا جا رہا ہے وہ اس سے افضل ہوتی ہے جس کے واسطہ سے سوال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے سوال نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے کیا جائے۔ اور اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

حق النبی ﷺ کا واسطہ دینے کا جواز:

اسی طرح حق النبی ﷺ کا واسطہ دے کر درخواست کرنا بھی درست ہے۔ حق سے مراد رتبہ اور منزلت ہے یا حضور کا وہ حق مراد ہے جو آپ کا امت پر ہے یا وہ حق مراد

ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے خود اپنے اوپر ثابت کر لیا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ پر کسی طرح کا وجوب نہیں ہے۔ اسی لئے فقہاء نے ان معانی کے اعتبار سے اس لفظ کے استعمال کو منع کیا ہے۔

توسل کی دوسری حالت:

اس سے مراد توسل کی یہ صورت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کی ذات کو وسیلہ بنایا جائے۔ اس کے ثبوت کے لئے وہ روایت کافی ہے جو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جامع کی کتاب الدعوت میں نقل کی ہے۔

حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”ایک نابینا صحابی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ”میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے بینائی مل جائے۔“ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اگر تو چاہتا ہے تو میں تیرے لئے بینائی کی دعا کر دوں اور اگر تو اسی حالت پر صبر کرے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے۔“ انہوں نے عرض کیا: میں تو دعا کرانا چاہتا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں۔“ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اچھا تو جا وضوء کر اور اچھی طرح وضو کر اور پھر یہ دعا مانگ۔“

”اللہم انی اسألك و أتوجه اليك بنبيك محمد نبی الرحمة ، یا محمد

انی توجہت بك الی ربی فی حاجتی لیقضی لی ، اللہم شفعه لی“

اے اللہ تعالیٰ ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

تیرے نبی کریم محمد ﷺ نبی الرحمة کے واسطے سے۔ اے محمد ! میں تمہارے

واسطے سے اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا ہوں اپنی حاجت کے سلسلہ میں

تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے۔ اے اللہ تعالیٰ تو ان کی شفاعت میرے

بارے میں قبول فرمائے۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔ امام نسائی

رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس میں اضافہ ہے کہ وہ شخص دعا کر کے کھڑا ہوا تو اس کی بینائی آچکی تھی۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا تو اچھا ہو گیا۔ ایک سند میں ہے کہ اس نابینا نے کہا: ”اے محمد! میں آپ کے توسل سے اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ مجھے بینائی عطا کر دے۔ اے اللہ تعالیٰ! میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما لے اور میرے بارے میں میری شفاعت قبول فرما لے۔“

اس حدیث کے راوی حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم جدا بھی نہ ہوئے تھے اور نہ بات لمبی ہوئی تھی کہ اتنے میں وہ شخص آیا اور وہ یوں تھا گویا کہ اس کی آنکھوں میں کبھی کوئی خرابی ہی نہ تھی۔ اس حدیث کے بارے میں ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصحیح ہمارے لئے کافی ہے اور ہمارے دعوے کے ثبوت کے لئے یہ حدیث بہت کافی ہے۔

اعتراض:

اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سب کچھ تو اس طور پر ہوا کہ نبی کریم نے اس کی شفاعت کی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے کہا تھا کہ یوں کہہ۔ اے اللہ تعالیٰ میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی مکرم کے واسطے سے۔

جواب:

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بھی اس دعا کا استعمال کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی قبولیت کا تعلق حضور نبی اکرم ﷺ کی اس وقت کی شفاعت سے نہ تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کہیں اس کی صراحت نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے شفاعت کر کے پھر اس کو اس دعا کی تعلیم دی تھی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہوا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے شفاعت کر کے اسکو دعا کی تعلیم دی تھی تو بھی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے غیر اللہ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے اور پھر یہ بات کہ آگر حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کر چکے تھے تو پھر اس دعا کی تعلیم کی ہی ضرورت نہ تھی۔ حضور اکرم ﷺ کی منشاء تو یہ تھی کہ خود ضرورت مند اضطراری اور انکساری کی حالت میں آپ کے واسطے سے فریاد کرے تاکہ اس کا مقصد مکمل طریقہ پر پورا ہو اور یہ بات حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں، اور حضور کی غیبت میں اور آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد ہر حالت میں حاصل ہو سکتی ہے اس لئے کہ ہمیں امت پر حضور کی شفقتوں کا علم ہے اور اس بات کا علم ہے کہ حضور ﷺ اپنی پوری امت کے لئے استغفار اور شفاعت فرماتے رہے ہیں۔ اب جبکہ بندہ کی توجہ بھی اس کے ساتھ مل جائے گی تو وہ غرض حاصل ہو جائے گی جس کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے نابینا صحابی کی رہنمائی فرمائی تھی۔

توسل کی تیسری حالت:

اس سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے آپ کے وصال مبارک کے بعد توسل کیا جائے۔ طبرانی نے معجم کبیر کے پچاسویں جز میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ”ایک آدمی اپنی ضرورت پوری کرانے کے لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چکر کاٹا کرتا تھا لیکن وہ اس کی طرف توجہ نہ کرتے تھے وہ آدمی حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انہوں نے اس سے فرمایا جا! وضوء کر اور پھر مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھ اس کے بعد یہ دعا مانگ۔ ”اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے نبی محمد ﷺ کے واسطے سے جو کہ نبی الرحمة ہیں۔ اے نبی مکرم! میں آپ کے واسطے سے متوجہ ہوں آپ کے رب کی طرف تاکہ وہ میرے ضرورت پوری کر دے۔“ اور اپنی ضرورت کا تصور رکھنا۔ پھر چل میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ اس شخص نے حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ کے کہے پر عمل کیا اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا تو

دربان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کو لے جا کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی مسند پر بٹھادیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا۔ تیری کیا حاجت ہے۔ اس نے اپنی ضرورت بتائی تو انہوں نے وہ فوراً پوری فرمادی اور فرمایا تو نے آج تک اپنی حاجت کا ذکر کیوں نہ کیا تھا؟ تیری جو ضرور ہوا کرے آ کر ہم سے کہہ دیا کر۔ اب وہ شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس سے عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کا شکریہ ادا کر کے کہنے لگا کہ وہ تو میری ضرورت کی طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے آپ نے ان سے کہا تو انہوں نے میری ضرورت پوری کی۔ حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا۔ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے تیرے بارے میں کوئی سفارش نہیں کی۔ ہاں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھا کہ ایک نابینا آیا اور اس نے دعا کی درخواست کی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہی دعا سکھائی تھی چنانچہ وہ فوراً بینا ہو گیا تھا۔ میں نے تجھے وہی دعا سکھا دی تھی۔

توسل کی دوسری قسم:

توسل کی اس قسم سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کا طلب کرنا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا۔ اس کے تو اس قدر واقعات ہیں جن کو شمار کرنا بھی دشوار ہے۔ مسلمان اپنی ہر ضرورت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہتے تھے۔ اور آپ کی پناہ میں آتے تھے۔

صحیحین میں مذکور ہے کہ ”ایک شخص جمعہ کے روز مسجد میں آیا۔ اس وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا۔ ”یا رسول اللہ! جانور ہلاک ہو گئے، راستے بند ہو گئے، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ بارش برسا دے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کفرمائی۔ ”اے اللہ تعالیٰ! بارش برسا، اے اللہ تعالیٰ! بارش برسا۔“ پیچھے سے ابر کا ایک ٹکڑا ڈھال جیسا نمودار ہوا اور وہ ابھر کر آسمان کے درمیان پہنچ کر پھیل گیا۔ پھر بارش

شروع ہوگئی۔ راوی نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اس قدر بارش ہوئی کہ ہمیں ایک ہفتہ تک سورج نظر نہ آیا۔“

حضور نبی اکرم ﷺ کا شفاعت فرمانا:

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”دلائل النبوة“ میں ابو جزة السعدی سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت حضور اکرم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے حضور کی خدمت میں نبی فزارہ کا ایک وفد آیا اور عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! ہمارا علاقہ قحط میں مبتلا ہے، ہمارے باغات خشک ہیں، ہمارے بچے ننگے ہیں، ہمارے جانور تباہ ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں وہ ہم پر بارش برسا دے۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت فرمادیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ سے میں شفاعت نہ کروں گا تو اور کون کرے گا؟ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کی کرسی میں آسمانوں اور زمینوں کی وسعت ہے اور وہ اس کی عظمت اور جلال سے چوں چوں کر رہی ہے۔ پھر بقیہ حدیث ذکر کی۔ پھر حضور ﷺ کھڑے ہو گئے اور منبر پر تشریف لے گئے۔ اور دعا میں فرمایا: اے اللہ تعالیٰ! اپنے شہروں کو، اپنے جانوروں کو سیراب فرما دے اور اپنی رحمت پھیلا دے اور اپنے مردہ شہروں کو زندہ کر دے۔“ اور پھر لمبی دعا اور طویل حدیث ذکر کی۔

سنن ابوداؤد میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ! ہماری جانیں مشقت میں پڑ گئی ہیں، بال بچے ضائع ہو گئے ہیں، مال اور جانور ہلاک ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہماری سیرابی کے لئے دعا فرمادیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے آپ کو اور آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کو شفیع بناتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کبخت تو کیا کہہ رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے لئے شفیع نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے ارفع و بلند تر ہے اور پھر وہ کرسی کے چوں چوں کرنے کی بات فرمائی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو شفیع بنانے پر جو ناپسندیدگی فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ شفیع اس شخص سے تواضع اور انکساری کے ساتھ بات کرتا ہے جس سے وہ شفاعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ

کر کے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ ابھی چھوڑے بھی نہ تھے کہ آسمان نے اپنے وہاں کھول دیئے۔ دیہاتیوں نے آکر کہنا شروع کر دیا۔ ہم ڈوبے، ہم ڈوبے۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے دعا کی: اے اللہ تعالیٰ! ہمارے اطراف پر، اب ہم پر نہیں۔“ تو مدینہ منورہ پر سے بادل پھٹ گیا اور مدینہ پر تاج کی طرح بن گیا۔ اس پر حضور اس قدر ہنسے کہ حضور ﷺ کے دندان مبارک نظر آنے لگے پھر فرمایا۔ ابو طالب کی بھلائی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو بہت خوش ہوتے۔ کوئی ہے جو ان کے اشعار ہمیں سنائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ انہوں نے عرض کی حضور ان کے اشعار یہ ہیں:

وَ اَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
 ثَمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْارَامِلِ
 يَطُوفُ بِهِ الْهَلَاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ
 فَهُمْ عِنْدَهُ فِي نِعْمَةٍ وَ فَوَاضِلِ
 كَذَبْتُمْ وَ بَيْتِ اللَّهِ يُبْزَى مُحَمَّد
 وَ لَمَّا نَطَاعِنُ حَوْلَهُ وَ نُنَاضِلِ
 نُسَلِمُهُ حِينَ نُنْصَرِعُ حَوْلَهُ
 وَ نَزْهَلُ عَنْ اَبْنَانَا وَ الْخَلَائِلِ

۱۔ آپ بہت ہی روشن چہرہ مبارک والے ہیں کہ آپ کے چہرے کے طفیل بادلوں سے بارش مانگی جاتی ہے۔ اور آپ تیسوں کی جائے پناہ، بیواؤں کی عصمت ہیں۔

۲۔ تباہ شدہ آل ہاشم ان کے چکر کاٹتے ہیں۔ تو وہ انکے پاس اکرام اور انعامات میں ہوتے ہیں۔

۳۔ کعبہ کی قسم تم نے جھوٹ بولا (جب یہ کہا) کہ محمد ﷺ کو مغلوب کر دیا

جائے گا۔ حالانکہ ابھی تک ہم نے اُن کے چاروں طرف (آپ کی حفاظت کے لیے) نیزہ بازی کی نہ تیر اندازی۔

۴۔ ہم اُن کو اس وقت سپرد کریں گے جب ہم اُن کے چاروں طرف پچھاڑ دیئے جائیں گے۔ اور ہم اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں گے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اشعار سن کر فرمایا کیا خوب ہیں۔ پھر ان اشعار سن کر بنو کنانہ میں سے ایک شخص کھڑا اور اس نے یہ اشعار کہے:

لَكَ الْحَمْدُ وَ الْحَمْدُ مِمَّنْ شَكَرَ

سُقِينَا بِوَجْهِ النَّبِيِّ الْمَطَرِ

دَعَا دَعَا اللَّهَ خَالِقَهُ دَعْوَةً

إِلَيْهِ وَ اشْخَصَ مِنْهُ الْبَصَرَ

فَلَمْ يَكُنْ إِلَّا كَمَا سَاعَةً

وَ اسْرَعَ حَتَّى رَأَيْنَا الدَّرَرَ

دفاق العز الى جم البعاف

اغاث به الله عليا مضر

فَكَانَ كَمَا قَالَ عَمَّةُ أَبُو

طَالِبٍ اَبْيَضَ ذُرٌّ غُرٌّ

فَمَنْ يَشْكُرِ اللَّهَ يَلْقَى الْمَزِيدَ

وَمَنْ يَكْفُرُ اللَّهَ يَلْقَى الْغَيْرَ

۱۔ تیری ہی تعریف ہے تعریف اس کی جانب سے جو شکر گزار ہے۔ ہم نبی کے چہرے کی وجہ سے بارش سے سیراب کئے گئے۔

۲۔ انہوں نے اپنے خالق اللہ تعالیٰ کو صرف ایک بار پکارا۔ اور ان کی نگاہ اوپر کو اٹھی۔

۳۔ نہ ہوئی مگر تھوڑی دیر اور اس سے بھی جلد کہ ہم نے موتی (بارش کی بوندیں) دیکھ لئے۔

۴۔

۵۔ پس آپ اسی طرح ہی ہیں جس طرح کہ آپ کے چچا ابو طالب نے کہا: بہت روشن چہرہ مبارک اور چمکتی پیشانی والے۔

۶۔ پس جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور زیادہ (نعمتیں) حاصل کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے وہ حوادث سے دو چار ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر کسی شاعر نے اچھے شعر کہے ہیں تو تیرے شعر بہت اچھے ہیں۔ اس سلسلہ میں احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال بے شمار ہیں۔ اگر وہ تلاش کئے جائیں تو ہزاروں مل جائیں گے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بہت واضح ہے۔

”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیماً“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔)

حضور نبی اکرم ﷺ کے قرابت داروں سے توسل:

جس طرح حضور اکرم ﷺ کی ذات سے توسل جائز ہے، ان بزرگوں کے ذریعہ بھی توسل مستحسن اور جائز ہے جن کو حضور سے خاص نسبت ہے۔ جب قحط پڑتا تو

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا تو سئل اختیار کرتے تھے اور کہتے تھے۔ اے اللہ تعالیٰ! جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے نبی مکرم کو وسیلہ بناتے تھے، تو ہمیں سیراب فرمادینا تھا اب ہم تیرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، ہمیں سیراب فرمادے۔ تو وہ سیراب ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ عام الرمادہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تھا۔ اسی لئے حضرت عباس ابن عتبہ نے کہا ہے۔

بِعَمِّي سَقَى اللَّهُ الْحِجَازُ وَ أَهْلَهُ

عَشِيَّةً يَسْتَسْقِي بِشَيْبَتِهِ عُمَرُ

میرے چچا کے طفیل اللہ تعالیٰ نے حجاز اور اہل حجاز کو اس شام سیراب کیا جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے بڑھاپے کے طفیل سیرابی کی درخواست کر رہے تھے۔

بغداد میں حمزہ ابن القاسم الہاشمی نے استسقاء کی دعا کی تو اس میں کہا کہ اے اللہ تعالیٰ! میں اسی کی اولاد ہوں جس کے بڑھاپے کا واسطہ دے کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی۔ وہ برابر اسی طرح سے دعا کرے رہے حتیٰ کہ بارش ہونے لگی۔

روایت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بارش کی دعا کی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دعا کر کے فارغ ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الہی میں یوں عرض کی۔ ”اے اللہ تعالیٰ! آسمان سے بلا گناہ کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور توبہ سے نلتی ہے میرے واسطہ سے قوم تیری طرف متوجہ ہے۔ چونکہ میرا تیرے نبی سے رشتہ ہے اب ہم گناہوں کے بارے میں تیرے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لئے تیرے سامنے ہیں۔“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ دعا فرما ہی رہے تھے کہ آسمان میں پہاڑ جیسے بادل گرجنے لگے۔

اسی طرح کا تو سئل دوسرے نیک لوگوں کے ذریعہ کرنا بھی درست ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی مسلمان ہی نہیں بلکہ دیگر کسی مذہب کے ماننے والے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات مبارکہ اور آپ کی قبر مبارک کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل کیوں اختیار کیا؟ تو اس کو سمجھ لیجئے کہ ان کے اس فعل سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قبر مبارک کے توسل کا انکار لازم نہیں آتا۔

حضرت ابو الجوزاء نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہنچ کر قحط کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی چھت میں سوراخ کر دو تا کہ قبر اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا تو بارش شروع ہو گئی اور اس قدر بارش ہوئی کہ عشب گھاس بکثرت پیدا ہوئی اور اونٹ اس قدر موٹے ہو گئے کہ چربی سے ان کے بدن پھٹنے لگے۔ اسی لئے اس سال کو عام النطق (پھٹن) کا سال کہا جانے لگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل دو وجوہات کی بنا پر اختیار کیا۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان سے بھی دعا کرانی تھی جیسا کہ انہوں نے کی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بارش کی دعا کرنے والوں میں اور اس بارش سے نفع اٹھانے والوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اور وہ خود بھی بارش کے محتاج تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس وقت ان باتوں سے بے نیاز تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری، ان کی اپنی حاجت اور آپ کی ضعیف العمری یہ سب صفتیں جمع تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے حیا فرماتا ہے۔ خصوصاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بوڑھے رشتہ دار سے اور مضر کی دعا ضرور قبول کرتا ہے۔ اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل اختیار کیا تھا۔

اعتراض:

اگر مخالف یہ کہے کہ ہم ان دلائل کی بنیاد پر جو ذکر کئے گئے ہیں توسل اور شفاعت طلب کرنے کو منع نہیں کرتے البتہ دعاء میں سجاہ الہی کہنے کو اور استعاذہ کرنے کو منع کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں سے یہ خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ جس شخصیت کی

وجاہت کا واسطہ دیا جا رہا ہے یا جس کے ذریعہ استغاثہ کیا جا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے بڑی شخصیت ہے۔

جواب:

ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کا ادنیٰ تصور بھی کسی مسلمان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ بجاہ النبی میں حضور نبی اکرم ﷺ کے عالی مرتبہ ہونے کا اعتراف ہے۔ اور ایک عالی رتبہ اپنے سے بڑے عالی رتبہ سے سفارش کرسکتا ہے۔ لہذا اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی اللہ تعالیٰ پر بڑائی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ غرضیکہ توسل، تشفع، تجوہ، استغاثہ، یا حضور نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ کرنے یا کسی دوسرے نبی یا کسی نیک شخص سے کرنے کے یہی معنی ہیں جو ہم نے بتائے کہ استغاثہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو صرف واسطہ قرار دیا گیا ہے۔ اب اگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تو وہ اپنی عقل پر ماتم کرے۔

شفاعت کی دوسری حالت:

شفاعت کی دوسری حالت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد قیامت کے میدان میں حضور نبی اکرم ﷺ سے شفاعت کی درخواست ہو۔ یہ شفاعت وہ ہے جس پر امت کا اجماع ہے۔ اسی کتاب میں ہم اس کی مزید تشریح کریں گے۔

شفاعت کی تیسری حالت:

اس سے مراد یہ ہے کہ شفاعت کی درخواست حضور نبی اکرم ﷺ سے آپ کی برزخی زندگی میں کی جائے۔ یہ بھی دلائل سے ثابت ہے امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”دلائل النبوة“ میں مالک الدار سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی قبر کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! اپنی امت کے

لئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا فرمادیں آپ کی امت برباد ہو رہی ہے۔“ یہ دعا کرنے کے بعد جب وہ سویا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے خواب میں فرمایا: ”عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔“ پاس جاؤ اور ان سے ہمارا سلام کہو اور کہ دو کہ بارش ہوگی اور ان سے کہنا سمجھداری سے کام لو، سمجھداری سے۔“ وہ شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو سارا واقعہ سنایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے۔ میں تو بقدر طاقت کوئی کوتاہی نہیں کرتا۔

روایت کا مفہوم:

اس روایت سے یہی بتانا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد برزخی زندگی میں بھی آپ سے بارش کی دعا کے لئے درخواست کی جاسکتی ہے۔ اس حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ دعا کرانا کوئی مستعبد چیز نہیں ہے جبکہ یہ ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اس حالت میں سائل کے سوال کا علم ہوتا ہے اور بسا اوقات آپ جواب بھی دیتے ہیں۔

توسل کی تیسری قسم:

اس کی صورت یہ ہے کہ اپنا مقصد حضور نبی اکرم ﷺ سے طلب کرے۔ بایں معنی کہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اور طلب کر کے اس کے مقصد کو پورا فرمادیں۔ اس سلسلہ کی یہ روایت ہے کہ ایک صحابی نے حضور سے عرض کیا کہ جنت میں مجھے اپنا ساتھ عطا فرمائیں۔ تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بکثرت سجدے کر کے اس معاملہ میں میری مدد کر۔“ اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بہت سے اقوال ہیں۔ اس سوال میں بھی مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ مقصد حضور پورا فرمادیں گے بلکہ مقصد یہ ہوتا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ مقصد کے لئے شفاعت فرمادیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ اس مقصد کو پورا فرمادیں گے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”دلائل الغیۃ“ میں مذکور ہے کہ عثمان ابن ابی العاص

سے مراد اس کا وہ رتبہ اور قدر ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔

استغاثہ کا معنی و مفہوم:

استغاثہ کا معنی ہے غوث (مدد) طلب کرنا۔ اب کبھی غوث، اس غوث کے خالق سے طلب کی جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ” اذ تستغيثون ربكم “ [انفال: ۸] جس وقت تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔

اور کبھی غوث کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے جس کی طرف اس کی نسبت اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ وہ یہ فعل سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ ان ہی معانی کے اعتبار سے ہے۔

استغاثہ کبھی متعدی بنفسہ ہوتا ہے اور کبھی باء کے ساتھ اس کا تعدیہ کر دیا جاتا ہے تو اِسْتَعَاثْتُ النَّبِيَّ اور اِسْتَعَاثْتُ بِالنَّبِيِّ کے ایک ہی معانی ہیں۔ یعنی ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے مدد طلب کی کہ وہ ہمارے لئے دعا فرمادیں۔ غوث کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف خلق کے اعتبار سے ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف کسب (اس فعل کو ادا کرنے) کے اعتبار سے ہے۔ تو استغاثہ بالنبی یا توسل بالنبی بالکل درست اور جائز ہے۔ لغت بھی اور شرعاً بھی جیسا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا تھا۔ اَعِثْ اِنْ كَانَ عِنْدَكَ غَوَاثٌ۔ اگر تیرے پاس مدد ہے تو مدد کر۔

امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”معجم کبیر“ میں ایک روایت ہے جو بظاہر غیر اللہ سے استغاثہ کو منع کرتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ چلو اس منافق کے بارے میں ہم رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کریں۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم آپ سے اس منافق کے بارے میں استغاثہ کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ استغاثہ مجھ سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔“

اس روایت کے راوی ابن لہیعہ ہیں اور ان پر کافی اعتراضات ہوئے ہیں۔ پھر بھی اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو چند معانی پر محمول کی جائے گی۔ ایک تو یہ کہ

معاملہ دراصل یہ تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بحکم الہی منافقین پر مسلمانوں کے احکام جاری کر رکھے تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کسی خاص منافق کو قتل کرانا چاہتے تھے تو ظاہر ہے کسی منافق کے بارے میں حکم الہی کے خلاف حضور اکرم ﷺ عمل نہیں فرما سکتے تھے تو حضور کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ اس معاملے کا تعلق تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہے، اس لیے میں اس میں کچھ نہ کروں گا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نہایت ایزدی کے خلاف دعا بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اور کسی شرعی حکم میں بغیر وحی الہی کے تبدیل نہیں کر سکتے تھے تو لَا يُسْتَعَاذُ بِی (مجھ سے استغاثہ نہیں ہوتا) اگرچہ عام تھا لیکن مراد یہ خاص معاملہ تھا۔

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ حقیقتاً مستغاث بہ اللہ تعالیٰ ہے اور غیر اللہ کا مستغاث نہ ہونا مجازاً ہے۔ تو حضور کا یہ فرمانا: ” لَا يُسْتَعَاذُ بِی اِنَّمَا يَسْتَعَاذُ بِاللّٰهِ “ ایسا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو اونٹ عطا فرمائے اور پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اونٹ نہیں دیے اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں۔ تو ایسا فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ مجھ سے استغاثہ کرنا دراصل اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کرنا ہے کیونکہ حقیقتاً مستغاث بہ وہی ہے۔ اور اس طرح سے کئی بار احادیث میں آیا ہے۔

قرآن کریم فعل کی نسبت اس فعل کے سرانجام دینے والے کی طرف کرتا ہے۔ جس طرح حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ ” تم میں سے کسی کو اس کا فعل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ “ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ ” ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون “ (جنت میں داخل ہو جاؤ ان افعال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔) اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ” اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ایک آدمی کو ہدایت عطا فرمائے گا۔ “ پس سرکارِ دو عالم ﷺ نے ادب کے طور پر ہدایت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ” و جعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا “ (اور ہم نے ان میں سے آئمہ بنائے جو ہمارے امر کی ہدایت دیتے ہیں۔) پس اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی نسبت ان آئمہ کی طرف فرمائی ہے اور یہ سبیل کسب

ہے۔ اور اسی قبیل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول اپنے نبی مکرم ﷺ کے لیے ہے۔ ” انک لتهدی الی صراط مستقیم “ (بے شک آپ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔) اور رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ” انک لاتهدی من احببت “ (بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو چاہیں) دراصل اس میں اپنے محبوب کو تسلی دینا ہے اور بوجھ کو دور کرنا ہے جو آپ ﷺ پر آپ کے چچا ابو طالب کے اسلام قبول نہ کرنے پر تھا۔ گویا کہ آپ ﷺ کو یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ نے اپنی ذمہ داری نبھا دی ہے اور باقی رہا ہدایت کا معاملہ تو وہ دینا آپ کے ذمہ نہیں۔ پس آپ اس حوالے سے پریشان نہ ہوں۔

بہر حال استغاثہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے جس سے غوث حاصل ہو سکے۔ بایں معنی کہ وہ خالق اور موجد غوث ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ۔ اور اس شخص سے بھی کیا جاسکتا ہے جو غوث کا سبب بن سکے۔ بخاری شریف میں قیامت کے دن کی شفاعت والی حدیث میں مذکور ہے۔ ” استغاثوا بآدم ثم بموسیٰ ثم بمحمد “ (یعنی لوگوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے استغاثہ کیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر حضرت محمد ﷺ سے۔)

پس یہ لفظ استغاثہ کے استعمال میں حجت ہے۔ لیکن اس کی ضرورت نہیں کیونکہ استغاثہ اور سوال کا معنی ایک ہی ہے خواہ اس کو جس لفظ سے بھی تعبیر کیا جائے۔ اور اختلاف اس کی ضروریات میں ہے باقی رہا شرعی جواز تو وہ واضح ہے۔ اور حضور نبی اکرم ﷺ سے سوال کرنے کا انکار، یہ درست نہیں کیونکہ اس کے جواز کا ثبوت ہم نے احادیث مبارکہ اور آثار سے فراہم کر دیا ہے۔



نواں باب

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

کی اخروی زندگی کا بیان

جو احادیث ہم نے گزشتہ باب میں بیان کیں وہ اس موضوع پر مشتمل تھیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف واپس کر دی جاتی ہے اور آپ سلام کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور ہم نے مناسب سمجھا کہ دیگر انبیائے کرام و صالحین اور دیگر اموات کی زندگی کا بھی ذکر کر دیں۔ ہم نے یہ ذکر چند فصلوں میں مرتب کر دیا ہے۔

پہلی فصل

انبیائے کرام علیہم السلام کی اخروی زندگی کا احادیث سے ثبوت

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے اور اس میں اس موضوع پر احادیث جمع کی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔ ”الانبیاء صلوات اللہ علیہم احياء فی قبورہم یصلون“ (انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں)

ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الکامل“ میں اس حدیث مبارکہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

حدیث کی سند کا بیان:

رواہ ابن عدی فی الکامل انا غیر واحد اذنا حمزة بن یوسف انا احمد بن عدی الخافظ قال ثنا قسطنطین بن عبد اللہ الرومی مولی المعتمد علی اللہ امیر المؤمنین لنا الحسن بن عرفة حدثنی الحسن بن قتیبة المدائنی عن المستلم بن سعد الثقفی عن الحجاج الاسود عن ثابت البنانی عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ : ”الانبیاء صلوات اللہ علیہم احياء فی قبورہم یصلون“

ثنا اسماعیل بن طلحة بن یزید عن محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "ان الانبیاء لا یتروکون فی قبورهم بعد أربعین لیلة و لكنهم یصلون بین یدی اللہ تعالیٰ حتی ینفخ فی الصور"

انبیائے کرام علیہم السلام چالیس راتوں کے بعد قبروں میں نہیں چھوڑے جاتے ہیں ہاں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھتے ہیں جب تک کہ نفخ صور ہوگا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر یہ حدیث اگر انہی الفاظ کے ساتھ صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام پر چالیس دن ایسے گزرتے ہیں پھر مسلسل اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "حادیث صحیحہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ موت کے بعد بھی انبیائے کرام علیہم السلام کو زندگی حاصل رہتی ہے۔"

انبیائے کرام علیہم السلام کا قبور میں نماز پڑھنا

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سندوں سے یہ حدیث نقل کی ہے: "موردت بموسیٰ و هو قائم یصلی فی قبره" (میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔)

ایک اور حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے

قد رأیتنی فی جماعة من الانبیاء فاذا موسی قائم یصلی و اذا رجل ضرب جعد کانه من رجال شوءة و اذا عیسی ابن مریم قائم یصل اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفی و اذا ابراهیم قائم یصلی اشبه الناس به صاحبکم، یعنی نفسہ، فحانت الصلاة فأممتهم فلما فرغت من الصلاة قال قائل لی یا محمد هذا مالک صاحب النار یسلم علیہ فالتفت الیہ فبدانی بالسلام "

حضور نبی اکرم ﷺ بیان فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک شخص تھے چھریوں کے گھنگریالے بالوں والے گویا کہ شہوہ قبیلہ کے ایک شخص تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا وہ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ سے مشابہ تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور وہ تمہارے صاحب سے مشابہ تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی مراد اپنی ذات تھی۔ پھر نماز کا وقت آیا تو میں نے سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا۔ اے محمد ﷺ! یہ مالک ہیں جو دوزخ کے داروغہ ہیں ان کو سلام کرو۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو خود انہوں نے مجھے سلام کیا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ”حضور اکرم ﷺ کی انبیائے کرام علیہم السلام سے بیت المقدس میں ملاقات ہوئی“ اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے معراج کے حوالے سے روایت ہے کہ ”حضور اکرم ﷺ انبیائے کرام علیہم السلام سے آسمانوں میں ملے اور باہمی گفتگو ہوئی۔“

یہ سب روایتیں صحیح ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ابتداءً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں دیکھا پھر ان کو بھی بیت المقدس میں لے جایا گیا جس طرح کہ حضور اکرم ﷺ کو لے جایا گیا پھر حضور کی طرح ان کی بھی آسمانوں کی جانب معراج ہوئی۔ لہذا مختلف احادیث میں مختلف مقامات پر ملاقات ہونے کا ذکر ہے۔ ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔

ایک اور روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جو اوس ابن اوس سے مروی ہے انہوں نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اسی دن انکی وفات ہوئی۔ اسی دن نوحہ ہوگا اسی دن صعدہ ہوگا۔ اسی دن میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔“

تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”حضور! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ کی ہڈیاں تو بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان الله تعالى حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء“ (اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔) اس روایت کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں۔ ان میں سے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اکثروا الصلاة علي في يوم الجمعة فانه ليس يصلي علي احد يوم الجمعة الا عرضت علي صلواته“ (جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ جمعہ کے دن جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے۔)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ میری امت کے درود مجھ پر ہر جمعہ کو پیش کیے جاتے ہیں۔ تو جس کے جس قدر زیادہ درود ہوں گے تو اسی قدر وہ رتبہ میں مجھ سے قریب ہوگا“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے دن ہر جگہ مجھ سے قریب تر وہ ہوگا جو دنیا میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجے گا۔ پس جو شخص جمعہ کے دن اور جمعہ کی شب مجھ پر درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس کی سوجا جتیں پوری فرمائے گا، ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی۔ اور پھر اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے اور اس کو میری قبر میں داخل کر دیتا ہے جس طرح تم پر ہدیے داخل ہوتے ہیں وہ مجھ پر درود بھیجنے والے کا نام و نسب اور قبیلہ بتا دیتا ہے۔ پھر میں اس کو سفید صحیفہ میں لکھ لیتا ہوں۔“

امام بیہقی نے یہ حدیث بھی ذکر کی ہے۔ ”تم جہاں بھی ہو وہاں سے تمہارا درود مجھ پر پہنچ جاتا ہے۔“ اور یہ حدیث بھی بیان کی ہے۔ ”جو مسلمان مجھے سلام کرتا ہے اللہ

تعالیٰ نے میری روح واپس کر دی ہوئی ہے تاکہ میں اس کا جواب دوں“ امام بیہقی نے فرمایا اس کے معانی یہی معلوم ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی روح لوٹا دی ہے تاکہ آپ سلام کا جواب دے سکیں۔ پھر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث ذکر کی ہے ”اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے گشت لگاتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ”حضور اکرم ﷺ کا جو امتی آپ پر درود بھیجتا ہے وہ آپ ﷺ تک پہنچ جاتا ہے اور آپ سے فرشتہ عرض کرتا ہے۔ فلاں نے آپ پر اتنی بار درود بھیجا ہے۔“

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے۔ ”جو شخص میری قبر کے پاس آ کر درود بھیجے گا وہ میں سنتا ہوں۔“ پھر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات اخروی پر جو احادیث دلالت کرتی ہیں ان میں یہ حدیث بھی ہے جس میں مذکور ہے۔ ”جب مجھے صفحہ سے ہوش آیا تو میں نے دیکھا موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بیہوش ہوئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے تھے یا ان کو اس بیہوشی سے اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ کر دیا تھا۔“ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں نے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حدیث سے استدلال:

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پہلے صور پر بیہوشی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی روہیں ان کی طرف لوٹا دی ہیں اور وہ اپنے رب کے پاس شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو دوسروں کے ساتھ وہ بھی بے ہوش ہو جائیں گے لیکن ان کی یہ موت بھی ہر حیثیت سے موت نہ ہوگی بلکہ محض شعور کا فقدان ہوگا۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بے ہوشی سے مستثنیٰ رہیں گے تو ان کا شعور اور احساس بھی باقی رہے گا اور ان کی طور پر بے ہوشی اس بیہوشی کے بدلے

حساب میں جڑ جائیگی۔ اسی طرح شہداء بھی اس بے ہوشی سے مستثنیٰ رہیں گے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے دلائل النبوة میں سلیمان النعمی اور ثابت البنانی کے حوالے سے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”معراج کی شب میرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذر ہوا وہ سرخ نیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے خود کو انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا پس موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور ان کے احوال کا ذکر کیا اور فرمایا: پھر نماز کا وقت آ گیا تو میں نے سب کی امامت کرائی۔ اور ہم نے حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی حدیث میں یہ بیان کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء کرام سے ملاقات بیت المقدس میں ہوئی تھی۔

اشکال کا ازالہ:

ہم نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بیان کیا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ کے لیے بھیجا گیا اور آپ نے ان سب کو لیلۃ الاسراء جماعت کرائی۔ اور ہم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث صحیحہ میں بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو چھٹے آسمان میں دیکھا۔ ان احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر ملاقات ہوئی ہے۔ پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پھر ان کو بیت المقدس لے جایا گیا جس طرح ہمارے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جایا گیا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیت المقدس میں دیکھا۔ پھر ان کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جایا گیا پس آپ نے ان کو آسمان پر دیکھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو پہلے زمین پر

دیکھا پھر ان کو آسمان پر۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام چونکہ شہداء کی طرح زندہ ہیں اس لیے ان کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر تشریف لے جانا ممکن ہے جس طرح اس کا تذکرہ حدیث صحیحہ میں ہوا ہے۔ یہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ اکلام تھا۔

حدیث اسراء میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حضرت آدم علیہ السلام سے آسمان دنیا پر ملاقات ہوئی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ اس حالت میں تھے کہ ان کے دائیں جانب افراد کی ایک جماعت تھی اور بائیں جانب افراد کی ایک جماعت تھی۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے تھے تو ہنستے تھے اور جب بائیں جانب دیکھتے تھے تو روتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے کہا ”خوش آمدید! اے نیک نبی اور نیک بیٹے“ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضور ﷺ کی ملاقات ساتویں آسمان پر ہوئی۔ وہ بیت معمور سے کمر لگائے بیٹھے تھے اور حضور ﷺ نے فرمایا جس رات کو مجھے معراج ہوئی میرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذر ہوا ان کا قد لمبا تھا، گھنگریالے بال تھے۔ گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے فرد تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ان کا درمیانہ قد تھا، رنگ سفید سرخی مائل تھا، سر کے بال سیدھے تھے۔“ ایک دوسری حدیث میں ہے وہ ہلکے جسم کے تھے۔ پھر میری حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی وہ درمیانہ قد سرخ رنگ کے تھے گویا غسل خانہ سے نکل کر آ رہے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں ان سے زیادہ مشابہ ہوں۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے۔ ”ایک شب مجھے کعبہ کے پاس دکھایا گیا تو میں نے ایک گندمی رنگ کے ایک ایسے حسین شخص کو دیکھا جو گندمی رنگ والے انسانوں میں سے سب سے زیادہ حسین تھا اور ان کے سر پر حسین ترین زلفیں تھیں جن میں کنگھی کی ہوئی تھی ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ دو آدمیوں پر ٹیک لگائے ہوئے تھا یا راوی نے کہا تھا کہ وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے تھا اور بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ تو بتایا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہیں۔“

ایک اور حدیث میں ہے۔ ”میں حطیم میں تھا اور قریش مجھ سے میری اسراء کے احوال دریافت کر رہے تھے۔ انہوں نے بیت المقدس کے بارے میں ایسی چیزوں کے

متعلق سوال کیا جو میں نہ دیکھ سکا تھا تو میں اس قدر پریشان ہوا کہ اس سے پہلے اس قدر پریشان نہ ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا اب وہ جو سوال کرتے تھے میں دیکھ کر ان کو جواب دے دیتا تھا۔ پھر میں نے اپنے آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، ہلکے بدن کے تھے، گھنگریالے بالوں والے تھے گویا کہ شہوہ قبیلہ کے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ عروہ ابن مسعود ان سے مشابہ تر ہیں۔ میں نے دیکھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں ان سے مشابہ تر ہوں۔ پھر نماز کا وقت آ گیا اور میں نے سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا۔ یہ داروغہ جہنم مالک ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں متوجہ ہوا تو انہوں نے مجھے پہلے سلام کیا۔“

ایک حدیث میں ہے کہ حضور وادی ازرق سے گزر رہے تھے تو فرمایا: ”میں گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں گھائی سے نیچے اتر رہے ہیں اور لبیک کہہ رہے ہیں۔“ پھر حضور ہر شی گھائی پر پہنچے تو فرمایا: ”گویا کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر دیکھ رہا ہوں وہ اون کا جبہ پہنے ہوئے ہیں۔ ان کی اونٹنی کی مہار کجھور کے پٹھے کی ہے اور وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔“

ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے۔ ”گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں وہ دونوں کانوں میں انگلیاں دیے ہوئے ہیں۔“ اور یہ سب احادیث بخاری میں موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کی بہت سی احادیث میں جسمانی صفات بیان کئے گئے ہیں اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور حضور اکرم ﷺ کا ان سب کی امامت کرنے کا ذکر ہے۔

اعتراض:

حدیث میں لفظ اُرانی آیا ہے۔ اس لیے کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دیکھنا محض خواب

میں دیکھنا تھا اور لفظ ”ارانی“ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

جواب:

حضور اکرم ﷺ اسراء و معراج کے واقعات کا ذکر فرما رہے ہیں اور اس اسراء و معراج کے بارے میں جمہور سلف کا قول یہ ہے کہ وہ بیداری کی حالت میں ہوئی تھی نیند کی حالت میں نہ تھی اور بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ سب خواب کی باتیں ہیں تو بھی انبیائے کرام علیہم السلام کا خواب کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ اور ”ارانی“ کا لفظ خواب کی حالت پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ ”رایتنی فی الحجر“ بتا رہا ہے۔ اور دیگر باتوں سے عیاں ہے کہ یہ واقعات خواب میں نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں آپ نے دیکھے تھے۔ قرآن پاک میں ہے۔ ”فلا تکن فی مریة من لقائه“ [السجدة: ۲۳] سومت رہو دھوکے میں اس کے ملنے سے۔“ اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔

اسی طرح قرآن پاک میں ہے۔ ”وامسل من ارسلنا من قبلك من رسلنا“ [الزخرف: ۲۵] اور پوچھ ان سے جو رسول بھیجے ہم نے آپ سے پہلے“ اس آیت کے بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے رسل کرام علیہم السلام سے معراج میں پوچھا تھا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات برزخی پر اعتراض:

اگر یہ کہا جائے کہ جب انبیائے کرام علیہم السلام وصال فرما چکے ہیں تو حج کیسے ادا فرماتے ہیں؟ اور تلبیہ کیسے پڑھتے ہیں؟ پھر وہ دار آخرت میں ہیں دار آخرت دار عمل نہیں ہے وہاں حج اور تلبیہ کیسا؟

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب

یاد رکھیں انبیائے کرام علیہم السلام شہداء کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی افضل ہیں اور جب شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں تو انبیائے کرام علیہم السلام بھی زندہ ہیں ان کے حج کرنے اور نماز پڑھنے میں کوئی استبعاد نہیں۔ وہ ان اعمال کے ذریعہ مزید تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں اگرچہ وہ اس دنیا میں جو کہ دارالعمل ہے اس میں نہیں رہے مگر ان کے عمل کرنے کا سلسلہ اب بھی منقطع نہیں ہوا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آخرت میں بھی عمل ہے اور وہ ذکر اور دعا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”دعواہم فیہا سبحانک اللہم“ [یونس : ۱۰] اور ان کی دعا یہ ہوگی ”اے اللہ تعالیٰ تو پاک ہے۔“

تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ باتیں حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دکھائی گئی ہوں اور حضور یہ شب معراج کے واقعات نہ بیان کر رہے ہوں یا حضور کو تمثیلاً ان انبیائے کرام علیہم السلام کی دنیوی زندگی دکھائی گئی ہو کہ وہ انہوں نے کس طرح گزاری ہے۔

چوتھا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ باتیں حضور اکرم ﷺ کو ان کا حال جو دنیا میں تھا دکھایا گیا ہو اور پھر ان کے احوال تمثیلاً دکھائے گئے ہوں کہ ان حضرات کا حج اور تلبیہ کیسے تھا۔

پانچویں صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ تمام باتیں وحی کے ذریعے بتائی گئی ہوں اور حضور اکرم ﷺ نے آنکھ سے نہ دیکھی ہوں۔ یہ تو جیہات قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال کے مشاہدہ پر اعتراضات :

شب اسراء انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال کے مشاہدہ پر ہونے والے اعتراضات کا صحیح جواب ان دو میں سے ایک ہے۔

ایک تو یہ کہ عالم برزخ پر دنیا کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ وہاں بھی عمل کو

بڑھایا اور زیادہ اجر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلے جواب کا یہی مطلب ہے۔

دوسرے یہ کہ آخرت میں انسان مکلف نہیں رہتا اور یہ ضروری نہیں کہ اعمال مکلف ہونے کی حیثیت سے ہی کئے جائیں۔ یہی اعمال بطور لذت کے بدون تکلیف کے کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ شفاعت کی حالت میں سجدہ کریں گے تو یہ بھی عبادت ہی ہے لیکن حضور کا یہ فعل کسی حکم کی بجا آوری کے لئے نہ ہوگا بلکہ عجز و انکسار کے اظہار کے لئے اور بطور لذت کے ہوگا۔

حضرت ثابت البنانی تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا کی تھی۔ ”اے اللہ تعالیٰ! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی طاقت دی ہو تو مجھے بھی عطا فرما دے۔“ چنانچہ خواب میں دیکھا گیا کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح قبض کرتے وقت یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چاہیں تو دنیا میں مزید رہیں اور چاہیں تو دار آخرت میں آجائیں۔ اگر رسال کے بعد ان کے نیک اعمال مزید درجات کے اضافہ کا سبب نہ بنتے تو وہ ہرگز پسند نہ فرماتے اور کچھا چاہتے کہ دنیا میں زیادہ عرصہ رہ کر اپنے مراتب مزید بڑھاتے رہیں۔

یہ چند احادیث ہم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات اخروی کے ثبوت کے حوالے سے ذکر کی ہیں۔ قرآن پاک میں ایسی آیات موجود ہیں جو ان کی زندگی کو بتاتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے حضور زندہ ہیں انہیں (جنت کی نعمتوں کا) رزق دیا جاتا ہے۔“ [آل عمران : ۱۶۹]

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ شہداء زندہ ہیں۔ اور جب شہداء کو یہ فضیلت حاصل ہے تو انبیائے کرام علیہم السلام کو چند وجوہ سے بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگی۔ ایک یہ ہے شہداء کو یہ مرتبہ ان کے اعزاز کے لئے دیا گیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام علیہم

السلام کا رتبہ تو شہداء سے بلند ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ اعزاز شہداء کو تو حاصل ہو مگر انبیائے کرام علیہم السلام کو نہ حاصل ہو۔ خصوصاً جبکہ یہ اعزاز اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب اور انس کا ذریعہ ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ رتبہ شہداء کو اس لئے حاصل ہوا کہ انہوں نے اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کی ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے کہ جس نے جہاد کی یہ عبادت جاری کی اور لوگوں کو اس کی دعوت دی اور اس راہ کی بحکم خداوندی رہنمائی کی اور خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

' من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها الی يوم القيامة و من سن سنة سيئة فعليه وزرها و وزر من عمل بها الی يوم القيامة '

جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کا اس کو اجر ملے گا اور جو لوگ قیامت تک اس طریقہ پر چلیں گے ان کو اجر ملے گا۔ اور اس اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے، بھی ان لوگوں کے اجر کے برابر اجر ملتا رہے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اسی طرح جس کسی نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اس کو اس کا گناہ ملے گا۔ اور قیامت تک اس پر چلنے والوں کے ساتھ اس کو بھی گناہ ملتا رہے گا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے: " جس شخص نے ہدایت کی طرف بلایا اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اجر اس شخص کو ملے گا جو اس ہدایت کی پیروی کرنے والا ہے اور ان کے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی اور جس شخص نے کسی کو گمراہی کی طرف بلایا تو اس کو اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا اس غلط کام کرنے والے کو ملے گا اور ان کے گناہوں میں کمی نہیں کی جائے گی۔ " اسی مفہوم کی بہت سی صحیح احادیث مشہور ہیں۔

پس ان قواعد کی رو سے جو اجر ہر شہید کو ملے گا وہ اجر حضور اکرم ﷺ کو بھی ملے گا اور شہید کو بطور اجر زندگی ملی ہے۔ لہذا وہ زندگی بھی حضور ﷺ کو حاصل ہوگی۔ غرض کہ

ہر مسلم کے حسنات اور اعمال صالحہ جس طرح اس کے اعمال نامہ میں درج ہوں گے حضور ﷺ کے صحائف میں بھی لکھے جاتے رہیں گے اور حضور ﷺ کو امت کے اشخاص کی شمار سے اتنے گنا زیادہ ثواب اور اجر ملے گا کہ عقل اس کی شمار سے عاجز ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی اس کو شمار کر سکتا ہے۔ اور عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ پس ہر شخص جو نیک عمل کرتا ہے اور اس کا اتنا اجر اس کے استاد یا مرشد جس نے اس کو یہ نیک عمل سکھایا تھا اس کو بھی اس کے برابر عمل ملتا ہے اور اس کے شیخ کے شیخ کو اس سے دوگنا اور اس کے شیخ کو اس سے دوگنا اور اسی طرح یہ اجر بڑھتا ہوا حضور اکرم ﷺ تک کئی گنا ہو کر آپ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔ پس اگر حضور ﷺ کے بعد دس درجات شمار کر لیے جائیں تو حضور اکرم ﷺ کو پہنچنے والا اجر ۱۰۲۴ (ایک ہزار چوبیس) ہوگا۔ اور جب اس دسویں فرد کے ذریعے گیارہویں فرد ہدایت پاتا ہے تو حضور اکرم ﷺ کا اجر ۲۰۴۸ (دو ہزار اڑتالیس) ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ اجر بڑھتا رہتا ہے۔ اور اسی طرح جتنا اجر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا وہ تمام کو تمام حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہوا اور اسی لیے سلف کو خلف پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ جتنا نیک عمل خلف کرتے ہیں اتنا ہی اسلاف کو اس کا اجر ملتا ہے۔ اور اسی لیے علم حاصل کرنے اور اس کو پھیلانے اور دعوت دین کو اہمیت حاصل ہے۔ اور اسی طرح اہل بدعت کو بدعات سیدہ کرنے کی وجہ سے گناہ حاصل ہوتا ہے اور ان بدعات پر عمل کرنے والے کا گناہ بھی اس بدعت کے شروع کرنے والے کو ہوتا ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ خود بھی شہداء میں داخل ہیں کیونکہ آپ ﷺ کو خیبر میں قاتل زہر بھنی ہوئی بکری کے گوشت میں کھلایا گیا۔ حضرت بشر بن البراء رضی اللہ عنہ نے بھی وہ گوشت کھایا وہ فوراً شہید ہو گئے مگر حضور اکرم ﷺ بطور معجزہ زندہ رہے جس کا اثر حضور نبی اکرم ﷺ وفات کے وقت تک محسوس فرماتے رہے۔ اور جس مرض میں وفات ہوئی اس میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ خیبر والے زہر سے میری ابھری رگ کٹ رہی ہے۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی ذات میں نبوت اور شہادت جمع ہو گئی ہیں۔

جو زندگی شہداء کے لئے ثابت ہے وہ صرف انہی کے لئے ہی نہیں ہے جو کسی معرکہ میں شہید ہوئے ہیں بلکہ وہ ہر قسم کے شہیدوں کے لئے ہے جیسا کہ طاعون اور ہیضہ میں مرنے والے، ڈوب کر مرنے والے شہداء۔

لفظ شہید کی تحقیق:

لفظ ”شہید“ فعلیل کے وزن پر ہے جو شاہد یا مشہود کے معنی میں ہے۔ شہید کو شہید کیوں کہا گیا ہے؟ اس کی وجہ نظر ابن شہیل نے یہ بتائی ہے کہ شہید چونکہ زندہ ہوتا ہے اور زندہ شاہد و مشہود بن سکتا ہے۔ اس لئے شہید کو شہید کہا گیا ہے کہ اس قول کی بنا پر جس کو شہید کہا گیا ہے وہ زندہ ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ اگر وہ شاہد کے معنی میں ہے تو اس لئے شہید کو شہید کہا گیا ہے کہ وہ پہلی امتوں پر گواہ بنے گا اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور لطف کا شاہد ہے اور اگر وہ مشہود کے معنی میں ہے تو شہید کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی موت کے وقت ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں اور اس کی روح منازل قدس میں لے جاتے ہیں اور یہ تمام باتیں حضور ﷺ کی ذات گرامی میں جمع ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات اخروی کی کیفیات:

اب یہ ضروری ہے کہ ہم اس زندگی کی تفسیر کریں جو ہم حضور اکرم ﷺ کے لئے ثابت کر رہے ہیں اور اس زندگی کی بھی جو شہداء یا دیگر مردوں کو حاصل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کی خصوصیت تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا مال وصال کے بعد بھی آپکی ملکیت میں تھا۔

امام الحرمین نے کہا کہ جو چیزیں حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ملکیت میں تھیں وہ اسی طرح وصال کے بعد بھی آپ کی ملکیت میں تھیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو اسی طرح خرچ کرتے تھے جس طرح حضور اکرم ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں خرچ کیا کرتے تھے اور ان کا یہی خیال تھا کہ چونکہ حضور اکرم ﷺ کیلئے زندگی ثابت ہے لہذا ان کی

ملکیت بھی باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ دنیوی احکام کے اعتبار سے بھی باقی ہے اور یہ زندگی شہداء کی زندگی سے بڑھ کر ہے۔

اشکال:

اب غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن پاک کہتا ہے: ”انک میت و انتھم میتون“ [الزمر: ۳۰] (بے شک آپ پر بھی موت طاری ہونے والی ہے اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں) نیز حضور اکرم ﷺ نے خود فرمایا: ”میں بھی مرنے والا ہوں“ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد فرمایا تھا: ”ہمارے آقا محمد ﷺ پر تو موت طاری ہوگئی ہے۔“

اشکال کا ازالہ:

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ پر طاری ہونے والی یہ موت، دائمی موت نہ تھی۔ بلکہ کچھ وقت کے لئے تھی پھر آپ زندہ کر دیئے گئے۔ ملکیت ختم ہونے کا تعلق دائمی موت سے ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اخروی زندگی شہداء کی زندگی سے اعلیٰ اور اکمل ہے وہ روح کے لئے بلا کسی اشکال کے ثابت ہے اور جسم کے لئے بھی ثابت ہے اسی لئے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے اور روح کا جسم میں واپس آنا سب مردوں کے لیے ثابت ہے چہ جائیکہ شہداء اور انبیائے کرام علیہم السلام۔

قابل غور امر یہ ہے کہ آیا وہ روح مستقل طور پر جسم میں آجاتی ہے اور جسم اسی طرح زندہ ہو جاتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا یا وہ جسم بغیر روح کے زندہ رہتا ہے اور روح مشیت ایزدی کے ماتحت کسی اور جگہ رہتی ہے؟ روح کے ساتھ زندگی کا تعلق ایک عادی امر ہے عقل نہیں ہے۔ عقل ممکن سمجھتی ہے کہ جسم بغیر روح کے زندہ رہے۔ ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ روح کی زندگی کے ساتھ جسم کو بھی جداگانہ زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے اس لئے کہ نماز کے ارکان کا تعلق

جسم کے اعضاء سے ہے۔

شب معراج کے بیان میں انبیائے کرام علیہم السلام کی جو حالتیں بیان کی گئی ہیں وہ بھی جسمانی صفات ہیں لیکن آخرت میں جسم کی وہ صفات اور ضروریات نہ ہوں گی جو دنیا میں تھیں۔ وہاں نہ بھوک ہوگی نہ پیاس لیکن ادراکات جیسا کہ جاننا اور سننا ہے حاصل ہوں گے۔ ہم اس کا ثبوت تمام مردوں کے لیے کریں گے تو پھر انبیائے کرام علیہم السلام کو یہ کیوں حاصل نہیں ہوں گے؟

دوسری فصل:

شہداء کی زندگی کا بیان

علمائے کرام کا اس امر پر اجماع ہے کہ شہید پر زندگی کا اطلاق ہوتا ہے جس طرح کہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ ان کی زندگی حقیقی ہے یا مجازی؟ اور اگر حقیقی ہے تو کیا اب حاصل ہے یا قیامت میں حاصل ہوگی؟ اور اگر اب حاصل ہے تو وہ روح کو حاصل ہے یا جسم کو؟

اس بارے میں یہ چار اقوال ہیں۔ ان میں سب سے کمزور قول یہ ہے کہ وہ قیامت میں زندہ ہونگے اب زندہ نہیں ہیں۔ یہ قول کئی اعتبارات سے باطل ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شہداء کی زندگی کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ لوگ اس کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ شہداء کی قیامت کی زندگی کو تو سب سمجھتے ہیں۔ دنیا کی زندگی ہی انوکھی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔

حیات شہداء کی قرآن کریم سے دلیل:

شہداء کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و یستبشرون بالذین لم یلحقوا بہم من خلفہم [آل عمران : ۱۷۰]

وہ (حیات جاودانی کی) ان (نعمتوں) پر فرحان و شاداں رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ

اور کیا تمنا کریں جنت میں جہاں کہیں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں“ حضرت حق نے تین بار ان سے یہی کہا کچھ اور تمنا؟ آخر انھوں نے عرض کیا: ”اے اللہ تعالیٰ! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روہیں ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں تاکہ ہم تیرے راستہ میں پھر جہاد کریں اور پھر شہید ہوں“ حق تعالیٰ نے محسوس فرمایا کہ اب ان کی کوئی حاجت باقی نہیں ہے تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔“

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان کو قیامت سے پہلے سے زندگی حاصل ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا: ”جابر تم رنجیدہ معلوم ہوتے ہو“ میں نے عرض کیا ”بیشک یا رسول اللہ۔ میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے ہیں اور بہت سی اولاد اور قرض چھوڑ گئے ہیں“ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں“ تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جب کسی سے بات کی ہے پردے کے پیچھے سے کی ہے لیکن تمہارے والد کو زندہ کیا اور بغیر پردے کے بات کی اور فرمایا: اے میرے بندے! کچھ تمنا کر میں تیری تمنا پوری کروں گا تو اس نے عرض کیا مجھے دوبارہ زندہ کر دے تاکہ میں تیرے راستہ میں جہاد کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تو ممکن نہیں ہمارا فیصلہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں کوئی نہ لوٹے گا“ اور اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی، ”ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احياء عند ربہم یوزقون“ [آل عمران: ۱۶۹] یہ روایت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے اور کہا ہے کہ اس سند کے حوالے سے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور حدیث کے یہ الفاظ ”اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کیا“ نئی زندگی کا تقاضا کرتے ہیں اور روح تو زندہ ہوتی ہے۔

ان روایتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ شہداء اب بھی زندہ ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ شہداء کو زندگی حاصل ہے لیکن وہ حقیقی زندگی نہیں بلکہ مجازی ہے۔ یعنی ان کو

زندہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے اعتبار سے جنت میں نعمتوں کے مستحق ہیں یا اس اعتبار سے کہ ان کے دل میں تمنائیں باقی ہیں۔

ایسا کہنا بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ حقیقی معنی چھوڑ کر بلا کسی دلیل کے مجازی معنی مراد لینا درست نہیں ہے۔ تو اب لامحالہ شہداء کی زندگی اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا یہ حقیقی زندگی روح کو حاصل ہے یا روح اور جسم دونوں کو؟ بعض علماء کے نزدیک یہ زندگی صرف روح کو حاصل ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ روہیں سبز پرندوں کے پیڑوں یا پھولوں میں ہیں اور جسم کی حیات تو تب ہوتی جب روہیں جسموں میں ہوتیں۔

بعض علمائے کرام کے نزدیک زندگی روح اور جسم دونوں کو حاصل ہے اور وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ یہ بات صرف شہیدوں کو ہی حاصل نہیں ہے بلکہ سب مردے اپنی قبور میں روح اور جسم کے ساتھ زندہ ہیں اور عذاب و ثواب کا تعلق روح اور جسم دونوں سے ہے۔ امام قرطبی نے اپنی کتاب التذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ شہداء کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا چشم دید واقعہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ان کے باپ اور عمرو ابن الجموح رضی اللہ عنہما دونوں جنگ احد میں شہید ہوئے اور دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ ایک زمانہ میں بارش کے بہاؤ نے ان کی قبر کو کھول دیا۔ دیکھا گیا کہ دونوں اصلی حالت میں ہیں اور ان کے جسموں میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ ان میں سے ایک زخمی ہوئے تھے اور مرتے وقت ان کا ہاتھ زخم پر تھا قبر کھلنے پر ادیکھا گیا کہ ان کا ہاتھ اسی طرح اس زخم پر رکھا ہوا ہے۔ لوگوں نے ان کے ہاتھ کو اس جگہ سے ہٹایا لیکن وہ پھر اسی زخم پر آ گیا اور یہ غزوہ احد سے چھیالیس سال بعد کا قصہ ہے۔

اسی طرح غزوہ احد سے پچاس سال بعد کی بات ہے کہ حضرت امیر معاویہ

ﷺ نے مدینہ میں ایک نہر کی کھدائی کروائی اور احد کے شہداء کو کھدائی کی جگہ سے نکل کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کے پاؤں میں کدال لگ گئی تو اس سے خون جاری ہو گیا اور حضرت عبداللہ ابن حزام رضی اللہ عنہ کی نعش کو دیکھا گیا تو معلوم ہوتا تھا کہ گزشتہ کل دفن ہوئے ہیں۔ تمام اہل مدینہ نے بیان کیا ہے کہ ولید کے دور میں قبر نبی ﷺ کی ایک دیوار گر گئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قدم نظر آ گیا جو بالکل صحیح حالت میں تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی شہداء میں شمار ہے۔

اس سلسلہ میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور شہداء کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی اور یہ یاد رکھئے کہ یہاں شہید سے مراد وہ شخص ہے جس نے قتال محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کیا ہو۔ اب اگر اس کے قتال کا مقصد یہ نہ تھا تو وہ حقیقتاً شہید نہیں ہوگا۔ اسی لئے بعض ایسے اشخاص جو جہاد میں مرے ہیں ان کے اجساد کو زمین کھا جاتی ہے۔

یہ بات ضرور ہے کہ جسم کا بقاء زندگی کی دلیل نہیں ہے۔ اور یہاں بحث شہداء کی زندگی سے تھی۔ شہداء کے بارے میں یہ روایت صحیح ہے کہ وہ کہیں گے ہماری روح ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائے تاکہ ہم پھر جہاد کر کے شہادت حاصل کریں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی اس روح کے علاوہ دوسری روح کے ذریعہ زندہ ہیں اور ان کی یہ زندگی دنیاوی زندگی کی طرح نہیں ہے۔

شہداء کی ارواح کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جنت میں سیر کرتی ہیں پھر ان قندیلوں میں آجاتی ہیں جو عرش میں آویزیں ہیں۔ اور عام مومنوں کی روحمیں قبور میں ہیں امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہی رائے اپنی کتاب ”تذکرہ“ میں ذکر کی ہے۔

حدیث پر اعتراض:

بعض مالکیہ نے اس حدیث کو یہ کہہ کر غیر معتبر قرار دیا ہے کہ اس صورت میں تو

وہ ایک درجہ میں تو وہ ارواح قیدی ہو گئیں۔

جواب:

یہ اعتراض غلط ہے اور حدیث بہر حال صحیح ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ روہیں پیٹوں کے اندر نہیں ہیں بلکہ پیٹوں کے اوپر ہیں اور حدیث میں لفظ ”نی“ یہاں ”علی“ کے معنی میں ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ روہیں پرندوں کے پیٹوں میں نہیں بلکہ پرندوں کی شکل میں ہوں گی۔ اس لئے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ مومن کی روح ایک پرند ہوگی جو جنت کے درختوں سے غذا حاصل کریگی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ تمام شہیدوں کی روہیں ایک شکل سے نہ ہوگی بلکہ بعض پرندوں کے پیٹوں میں ہوگی۔ بعض پرندوں کی شکل میں ہوں گی۔ بعض سفید پرندوں کے پیٹوں میں ہوگی۔ بعض جنت کی صورتوں میں سے کسی صورت میں ہوگی۔ بعض ان صورتوں میں ہوں گی جو ان کے اعمال سے متصور ہوں گی بعض وہ ہوں گی جو اپنے جسموں کے پاس آتی جاتی رہیں گی۔ بعض ارواح وہ ہوں گی جو مردوں کی روہوں سے ملاقات کریں گی اور بعض وہ ہوں گی جو حضرت آدم علیہ السلام کی کفالت میں ہوں گی اور بعض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں ہوں گی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ قول سب سے اچھا ہے کہ اس قول کے اعتبار سے تمام احادیث اپنے اپنے محل میں صحیح ہو جاتی ہیں اور ان کا آپس میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔

تیسری فصل:

تمام مردوں کے سننے، بات کرنے، محسوس کرنے، زندہ ہونے اور

روح کے جسم میں واپس آنے کا بیان

مردے کے سننے اور بات کرنے کے بارے میں صحیح بخاری میں روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ جب مردہ قبر میں رکھ دیا

جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے جدا ہو کر اتنی دور جاتے ہیں کہ مردہ ان کے جوتوں کی کھٹ پٹ سنتا ہے تو دو فرشتے اس مردے کے پاس پہنچتے ہیں وہ اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تو اس شخص سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ وہ مردہ کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں تو وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں جہنم میں جو تیرا ٹھکانہ تھا اس کو دیکھ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کے بدلے جنت میں ٹھکانہ دے دیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ دونوں ٹھکانوں کو بیک وقت دیکھتا ہے۔ رہا کافر اور منافق تو وہ اس سوال کے جواب میں کہتا ہے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ لوگ جو کہتے تھے میں بھی کہہ دیا کرتا تھا تو اسے کہا جاتا ہے ”تو نے نہ سمجھا نہ پڑھا۔“ پھر ایک ہتھوڑا اس کے کانوں کے بیچ میں مارا جاتا ہے تو وہ اس سے چیختا ہے جس کو اس کے آس پاس کی چیزیں سوائے جن دانس کے سب سنتی ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی طرح روایت کیا ہے مگر اس میں الفاظ اس طرح ہیں ”واقعا المنفق او المرتاب“

ترندی میں اس طرح ہے کہ دو فرشتے مومن سے کہتے ہیں ”نم کنومہ العروس“ تو اب سو جا جیسا کہ دلہن سوتی ہے اور اسکا محبوب ترین شخص بیدار کرتا ہے۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب جنازہ تیار ہو جاتا ہے اور لوگ اسکو کاندھوں پر اٹھاتے ہیں اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے جلدی آگے لے چلو اور اگر وہ بد ہوتا ہے تو کہتا ہے۔ ہائے ہائے مجھے کہاں لے جاتے ہو۔ اس کی آواز انسانوں کے علاوہ سب سنتے ہیں۔ اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔“

ان احادیث پر غور کریں! جن میں کسی شک کی گنجائش نہیں اور اس قدر واضح اور کثرت سے ہیں کہ ان کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اور حدیث کے الفاظ ”اس مردہ کی آواز انسان کے علاوہ سب سنتے ہیں“ سے صراحتاً معلوم ہوا کہ مردہ کلام کرتا ہے۔ اور سننے کے بارے میں تو وہ حدیث بہت قوی دلیل ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بدر کے مقتولین کو جو کنویں میں پڑے ہوئے آتے پکار کر گفتگو فرمائی تھی اور

پھر صحابہ کرام علیہم السلام سے فرمایا تھا ”تم میری آواز ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔“
 مردوں کے احساس کے بارے میں وہ احادیث دلالت کرتی ہیں جو عذاب
 قبر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں واضح ترین وہ حدیث ہے جس کو حضرت ابو بکر
 صدیق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ ”میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا ایک طرف
 میں اور دوسری طرف ایک اور صاحب تھے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں تھے آپ
صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس پہنچے اور فرمایا: ”ان دونوں قبروں میں مدفون اس وقت عذاب میں
 مبتلا ہیں تم دونوں میں سے کون ہے جو کھجور کی ایک شاخ توڑ کر لائے؟“ ہم دونوں
 دوڑے لیکن میں ساتھی سے پہلے شاخ توڑ کر لے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اوپر سے چیر
 کر دو ٹکڑے کئے۔ ایک ٹکڑا ایک قبر پر اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا: ”جب
 تک ان شاخوں میں تری رہے گی ان پر عذاب میں کمی کر دی جائے گی۔ اور فرمایا ان میں
 سے ایک غیبت کی وجہ سے اور دوسرا پیشاب سے احتیاط نہ برتنے کی وجہ سے عذاب میں
 مبتلا ہے۔“ اس حدیث کو امام طیلیسی نے ذکر کیا ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ قبر ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے اور مردہ اس
 کو محسوس کرتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قبر میں مسلمان
 سے سوال کیا جاتا ہے تو کہتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی
 معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مطلب یہی ہے ”
 یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیاة الدنیا و فی الآخرة“ [ابراہیم:
 ۲۷] (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو (اس) مضبوط بات (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں
 بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی)۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی ہے جو مردوں کے حکم
 کے بارے میں جامع ہے اور اس میں صراحت ہے کہ روح جسم میں لوٹ کر آ جاتی ہے۔
 وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبر کے پاس پہنچے تو بیٹھ گئے اور ہم آپ کے چاروں طرف خاموشی کے

اور اسی سے تمہیں نکالیں گے دوسری بار)

تو وہ روح دنیا کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر دو سخت مزاج فرشتے اس کے پاس آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہہ دیتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ فرشتے کہتے ہیں کہ بتا تو کیا کہتا ہے اس شخص کے بارے میں جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ہیں۔ پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ہیں؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے واضح نشانیاں لے کر آئے تھے اور اس کی تصدیق کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیة الدنیا و فی الآخرة“ [ابراہیم: ۲۷] (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو (اس) مضبوط بات (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔)

اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعلان ہوتا ہے۔ میرا یہ بندہ سچا ہے اسکو جنت کا لباس پہنا دو۔ اس کے لیے جنت کا فرش بچھا دو اور جنت میں اس کی جگہ ہے وہ اس کو دکھا دو۔ چنانچہ ایسا کر دیا جاتا ہے اور اس کی قبر میں حد بصر کشادگی کر دی جاتی ہے۔ پھر اس کے لئے اس کے اعمال ایسے حسین ترین شخص کی صورت میں اس کے پاس لائے جاتے ہیں جس کا بہترین لباس ہوتا ہے اور اس میں سے خوشبو مہکتی ہے۔ وہ آکر کہتا ہے جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے تیار کی ہیں ان کی بشارت حاصل کر، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی بشارت حاصل کر، اس جنت کی بشارت حاصل کر جس کی نعمتیں دائمی ہیں۔ وہ مردہ اس سے کہتا ہے تجھے اللہ تعالیٰ خیر کی بشارت دے تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ معاملہ ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا، میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں جانتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بڑا تیز رو تھا اور گناہ کرنے میں بہت سست تھا۔ تجھے اللہ تعالیٰ نے جزائے خیر عنایت کی ہے تب وہ مردہ کہتا ہے ”اے اللہ تعالیٰ! جلد قیامت قائم کر دے

تاکہ میں اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ سکوں۔“

اور اگر وہ بدکار ہے تو آخری وقت میں فرشتہ آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے۔ ”اے خبیث روح! نکل اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا پیغام سن“ پھر کچھ فرشتے آجاتے ہیں جن کے چہرے کالے ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں ٹاٹ کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ جب وہ فرشتہ اس کی روح نکال لیتا ہے، یہ فرشتے فوراً اس سے لے لیتے ہیں اور جب وہ اس کی روح کو لے کر چلتے ہیں تو آسمان و زمین میں سے جہاں کہیں سے گزرتے ہیں مجمع اس سے پوچھتا ہے یہ خبیث روح کس کی ہے؟ تو وہ اس کا بدترین نام لیکر بتاتے ہیں پھر جب وہ دنیاوی آسمان کے پاس پہنچتے ہیں تو اس کا دروازہ نہیں کھلتا اور حکم ہوتا ہے اس کو دنیا میں واپس لے جاؤ ہمارا وعدہ ہے ”منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃ اخری“ [سورہ طہ : ۵۵] اسی زمین سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں پھر ڈالتے ہیں اور اسی سے تمہیں نکالیں گے دوسری بار تو فرشتے اس کی روح زمین پر پھینک دیتے ہیں۔ قرآن کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ”و من بشرک باللہ فکانما خر من السماء“ [حج : ۳۱] (اور جس نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ کا وہ ایسے ہے جیسے گر پڑا آسمان سے)

اب اس کی روح اس کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو فوراً دو فرشتے سخت مزاج آتے ہیں اور اس سے دریافت کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے مجھے معلوم نہیں۔ پھر وہ سوال کرتے ہیں۔ اس شخصیت کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جو تم میں بھیجی گئی تھی؟ تو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کا نام لینے پر قادر نہیں ہوتا اور کہتا ہے۔ لوگ یہ نام لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں پھر اس کے اعمال ایک بدروح شخص کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں جس کے کپڑے میلے، بدن بدبودار ہوتا ہے اور اس سے کہتا ہے ”اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غصہ کی بشارت حاصل کر لے۔“ وہ مردہ اس سے کہتا ہے تو کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے ”میں تیرے اعمال ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں جانتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی

فرمانبرداری میں نہایت ست اور گناہ کرنے میں بڑا چست تھا“ ایک دوسری سند میں یہ الفاظ بھی ہیں ”اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے جو بہرا، گونگا ہوتا ہے اور اسکے ہاتھ میں ایسا ہتھوڑا ہوتا ہے کہ اگر وہ پہاڑ پر مارا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ وہ اس سے اس مردے پر ایسی ضرب لگاتا ہے جس کو جن وانس کے علاوہ سب سنتے ہیں۔ پھر اس میں روح دوبارہ لوٹا دی جاتی ہے اور وہ پھر اس کو اسی ہتھوڑے سے مارتا ہے۔“

حدیث کا مفہوم:

اس حدیث سے مردے کا سننا، کلام کرنا، بیٹھنا وغیرہ ثابت ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم میں لوٹ آتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مردے کو جب لوگ دفن کر کے واپس ہوتے ہیں وہ اتنے دور جاتے ہیں کہ مردہ ان کے جوتوں کی کھسکھاہٹ سنتا ہے تو اس مردے کو بٹھایا جاتا ہے اور اس کا کفن اس کی گردن میں ڈال دیا جاتا ہے پھر اس سے سوالات ہوتے ہیں۔“

اہل سنت کا اجماع:

اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ مردہ قبر میں زندہ ہوتا ہے۔ امام الحرمین نے کہا ہے کہ امت کے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ مردہ قبر میں زندہ کیا جاتا ہے اور روح جسم میں واپس لوٹ آتی ہے۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ”و احييتنا النین“ [المؤمن: ۱۱] زندگی دے چکا تو دو بار“ کے معنی یہی ہیں۔ ایک تو قبر میں زندگی سوالات کے لئے دی جاتی ہے اور ایک حشر میں زندگی ہوگی۔ یہی دو زندگیاں ہیں جس میں وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے ورنہ دنیا کی زندگی میں تو وہ کافر تھا اس نے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانا تھا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے:

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ان سب باتوں پر ایمان لانا اہل سنت کا

مذہب ہے۔ اور وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی لغت اور زبان کے مطابق قرآن نازل ہوا ہے وہ سب ان باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔

عذاب قبر کے بارے میں معتزلہ کی رائے:

معتزلہ کا قول ہے کہ جو مر گیا وہ قبر میں قیامت تک مردہ ہے۔ مگر بعض معتزلہ نے عذاب قبر کا اقرار کیا اور کہا کہ قیامت کے تختین کے درمیان عذاب ہوگا۔ لیکن یہ اقوال صحیح احادیث کے مخالف ہیں۔

محدثین کی رائے:

بعض محدثوں نے عذاب قبر کا انکار کیا اور یہ دلیل بیان کی کہ پھانسی دیئے ہوئے شخص کو شیر نے پھاڑ دیا ہو اور اسکے بدن کے اجزاء جدا جدا ہو گئے ہوں اس کے لئے یہ عذاب کیسے متصور ہو سکتا ہے؟

عقائد فاسدہ کا رد:

علمائے کرام نے ان اعتراضات کے مختلف جوابات دیئے ہیں بعض نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ سوالات بدن کے مخصوص اجزاء سے کئے جائیں۔ مثلاً قلب کے اجزاء سے اور اللہ تعالیٰ ان میں روح ڈال دے۔ بعض نے کہا ہے کہ سولی پر چڑھے ہوئے انسان میں روح ڈال دی جاتی ہو اور ہمیں احساس نہ ہو۔ جیسا کہ سکتے کی حالت میں انسان کی کیفیت ہوتی ہے۔ اور جن مردوں کے اجزاء متفرق ہو گئے ہوں اللہ تعالیٰ ان کے ہر جز میں روح ڈال کر سوال کر سکتا ہے۔

بعض علمائے کرام کا خیال ہے کہ جو مردے قبروں میں ہیں ان کو تو بٹھایا جاتا ہے اور سوالات کئے جاتے ہیں اور جو زمین میں نہیں ہیں ان پر جو احوال طاری ہوتے ہیں زندوں کی آنکھوں سے ان کو محجوب کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ملائکہ کا معاملہ ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو وہ نظر آتے ہیں مگر عام مومنین ان کو نہیں دیکھ پاتے ہیں۔ جو لوگ

قبروں میں مردوں کی حیات کے منکر ہیں وہ اس آیت سے ”انک لا تسمع الموتی و ما انت بمسمع من فی القبور“ [الروم: ۵۲] (سو تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور نہ تو سنا سکتا جو قبروں میں ہیں) اور اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس موقف سے کہ جس میں انہوں نے بدر کے کنوئیں کے مردوں کے سماع سے انکار کیا ہے، سے استدلال کرتے ہیں۔

پہلی بات کا جواب تو یہ کہ ہم بھی ان کے نہ سننے کے قائل ہیں جب تک کہ وہ مردہ ہیں البتہ جب ان کو اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے پھر وہ سنتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اگرچہ ان کے سماع کا انکار کیا ہے لیکن یہ کہا ہے ”اب انھیں معلوم ہو گیا ہے علم بھی زندہ کی صفت ہے“ تو معلوم ہوا کہ وہ حیات اور زندگی کی قائل تھیں۔

بہر حال قبر کے یہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں اور صحیح احادیث سے ان کا ثبوت ملتا ہے۔ لہذا ان کی تصدیق اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

کیا قیامت کی زندگی کے بعد موت پھر طاری ہوگی؟

اب یہ سوال کہ کیا قبر کی اس زندگی کے بعد مردوں پر موت طاری ہو جائے گی؟ اور قیامت میں پھر زندہ ہوں گے؟ یا یہ زندگی دائمی ہوگی؟

احادیث میں اس کا قبروں میں زندہ ہو کر پھر مرنا مذکور نہیں ہے البتہ بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ”و احييتنا اثنتین“ کے یہ معنی کئے ہیں کہ ایک موت تو دنیا کی موت ہے اور دوسری موت وہ ہے جو قبر میں زندگی کے بعد طاری ہوگی۔ لیکن عام علمائے کرام جو عذابِ قبر کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ قبر کی زندگی مسلسل رہے گی۔ صحیح احادیث اسی کی مقتضی ہیں جیسا کہ پہلی روایت میں آیا ہے کہ مردے سے کہہ دیا جائے گا کہ تیرا یہی ٹھکانا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ تجھے نہ اٹھائے گا۔ اور قرآن میں بھی مذکور ہے: ”يعرضون علیہا غدوا و عشیا“ [المؤمن: ۲۶]: (وہ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں صبح و شام)

جانوروں کا عذاب قبر سننا:

صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے ایک باغچے میں خچر پر سوار جا رہے تھے۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر اتنا بدکا کہ آپ گرنے کے قریب ہو گئے۔ دیکھا تو وہاں باغ میں چند قبریں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ کوئی ان قبروں کے مردوں کو جانتا ہے؟ ایک صاحب ایلے کہ میں جانتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے استفسار فرمایا کہ یہ کب مرے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ شرک کی زندگی میں مرے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ عذاب میں مبتلا ہیں اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم ڈر کر دفن کرنا ہی چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر کی وہ کیفیت سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔“ یہ حدیث بتاتی ہے کہ عذاب مسلسل جاری رہتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے آواز سنی تو پوچھا یہ کس کی قبر ہے؟ کسی نے کہا یہ جاہلیت کے دور کی قبر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ ڈر ہے کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے ورنہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں عذاب قبر سنا دے“ قرآن مجید میں ان لوگوں کا یہ قول جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے: ”من بعثنا من مرقدنا“ [یسین: ۵۲] (کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند سے؟) بھی زندگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ سونا زندہ کی صفت ہے۔

”من بعثنا من مرقدنا“ کی تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ نخلات کے درمیان عذاب قبر مرتفع ہو جائے گا یعنی نفعہ فروع ، نفعہ صعقہ ، نفعہ نشر کے درمیان عام مشرکین پر عذاب نہ ہوگا بجز اس کے جس نے نبی کو قتل کیا ہوگا، یا جس کو نبی نے قتل کیا ہوگا، یا نبی کے بالمقابل جنگ میں مارا گیا ہوگا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ عذاب صبح اور شام ہوگا اور قیامت سورج چڑھنے پر قائم ہوگی اس وقت ان پر عذاب نہ ہو رہا ہوگا اور وہ سوئے ہوئے ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روح جسم میں واپس آتی ہے اور سوالات کے وقت مردے کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس وقت سے قیامت تک یا تو راحت میں ہوتا ہے یا عذاب میں۔ یہ بات مسلسل ہے یا وقفہ وقفہ سے؟ اور یہ معاملہ صرف روح کے ساتھ ہے؟ یا روح اور جسم دونوں کے ساتھ؟ ان میں سے ہر بات عقلاً جائز ہے لیکن اس سلسلہ میں شرعاً کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جس سے کسی خاص پہلو پر صحیح طور پر استدلال کیا جاسکے۔ ہاں حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: ”مرنے کے بعد انسان کا ریڑھ کی ہڈی کے علاوہ سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے“ تو اگر جسم کا کوئی حصہ بھی باقی رہتا ہے تو زندگی اس سے متعلق ہو سکتی ہے۔ اگر وہ سارے کا سارا بوسیدہ ہو جائے تو پھر زندگی کا تعلق صرف روح سے رہے گا۔ ایک وقت میں وہ بھی فنا ہوگی اس کو بھی دوبارہ لوٹایا جائے گا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مردے ایسے ہوں گے جن سے عذاب قبر کا تعلق نہ ہوگا جیسے شہید یا جو جمعہ کے روز یا جمعہ کی رات کو مرے، یہ لوگ سوالات سے مستثنیٰ ہوں گے۔

اس تمام بیان سے یہ معلوم ہو گیا کہ یقیناً تمام مردے اپنی روحوں اور جسموں کے ساتھ اپنی قبروں میں زندہ رہیں گے۔ اور یقیناً سوال و جواب کے بعد ان کے لئے عذاب یا ثواب جاری رہے گا۔ یہ عذاب و ثواب فقط روح کے لئے ہوگا یا روح اور جسم دونوں کے لئے یہ بات سماع پر موقوف ہے۔

حضرت سعید ابن السکن نے اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”مردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور وہ دفن کر کے واپس جانے والوں کے جوتوں کی کھسکھاہٹ سنتا ہے اگر وہ مومن ہوتا ہے تو اس کی نماز اس کے سرہانے آتی ہے۔ پھر مزید کچھ باتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ اس کی قبر میں ستر گز وسعت پیدا کر دی جاتی ہے اور اس کے لیے اس میں روشنی کر دی جاتی ہے اور جس طرح سے جسم کی ابتداء ہوئی تھی اسی طرح سے جسم کا اعادہ ہو جاتا ہے اور اس کی روح بہترین روحوں میں شامل کر دی جاتی ہے۔ وہ اڑتی پھرتی ہے اور جنت کے درختوں سے خوراک حاصل کرتی رہتی ہے۔“

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستدرک میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”حجرے میں حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ دفن کر دیے گئے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شرم کی وجہ سے جب میں کبھی اس میں داخل ہوتی ہوں تو اپنے کپڑے باندھ کر داخل ہوتی ہوں۔“ امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں یہ حدیث شیخین کی شرائط پر ہے مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔

چوتھی فصل

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کی کیفیت کا بیان

آپ نے عام مردوں اور شہداء کے بارے میں لوگوں کے اقوال سنے اور یہ معلوم ہو گیا کہ روح کا جسم میں واپس آنا اور قیامت تک اس میں رہنا اس حدیث کے مخالف ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ روح قیامت کے دن اپنے جسم میں لوٹے گی۔ اور آپ یہ بھی سمجھ گئے کہ نیکوں کی روحوں کو نعمتیں حاصل ہوں گی خواہ وہ شہداء ہوں یا نہ ہوں اور بد بختوں کو عذاب ہوتا رہے گا۔

شہداء اور غیر شہداء کی حیات میں فرق:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر شہداء کے علاوہ دیگر کو بھی قبر میں پھر سے زندگی عطا ہوتی ہے تو پھر شہداء اور غیر شہداء میں کیا فرق ہے؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس آیت میں شہداء کی زندگی کو بتایا گیا ہے اس میں دوسروں سے زندگی کی نفی نہیں کی گئی۔ اس میں تو صرف ان لوگوں کا رد ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ شہداء زندہ نہیں ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ زندگی کی مختلف قسمیں ہیں۔ ان بد بختوں کو بھی زندگی حاصل ہے جن کو عذاب ہو رہا ہے اور مومنین کو بھی جو نعمتوں سے نوازے جا رہے ہیں لیکن شہداء کی زندگی اعلیٰ و اکمل ہے۔ زندگی کی یہ اعلیٰ قسم اور رزق ان کو حاصل نہیں جو ان کے

ہم رتبہ نہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی سب سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ اس لئے کہ یہ دائمی زندگی روح اور جسم، دونوں کو اسی طرح حاصل ہے جس طرح دنیا میں حاصل تھی۔ اور اگر یہ نہ بھی ہو تو بہر حال ان کی زندگی شہداء کے اعتبار سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ روح کے لئے اس اعتبار سے کہ اس کو دربار خداوندی سے زیادہ قرب حاصل ہے اور ان کے لئے بے شمار نعمتیں ہیں۔ اس طرح وہ دنیا کی طرف متوجہ ہیں اور متصرف ہیں۔

صحابہ کرام کا ادب بارگاہ نبوی بعد از وصال نبی ﷺ:

مذکورہ پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ موت کے بعد وہی معاملہ ہونا چاہیے جو زندگی میں اس کے ساتھ تھا۔ لہذا حضور اکرم ﷺ کا ادب اسی طرح واجب ہے جس طرح حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں واجب تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ”نبی اکرم ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنا نہ نبی کی زندگی میں جائز تھا نہ نبی کی وفات کے بعد۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر حضور ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کوئی کھڑا کرتا تھا تو کہلا بھیجتی تھیں کہ حضور اکرم ﷺ کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کی چوکھٹ وغیرہ بنوائی تو مناصع میں لے جا کر بنوائی جو آبادی سے باہر جنگل ہے تاکہ قبر مبارک کے پاس شور نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات حضور ﷺ کو زندہ سمجھتے تھے۔ ان روایات کو امام حسینی نے اخبار المدینہ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو برا بھلا کہا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تجھے برباد کرے تو نے رسول اللہ ﷺ کو قبر میں ستایا ہے۔“

جو شخص بھی سلف صالحین، صحابہ کرام اور تابعین کی سیرت کا مطالعہ کرے گا۔ وہ سمجھ جائے گا کہ وہ لوگ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد بھی ایسا ہی ادب برتتے تھے جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں۔ اور قبر مبارک کے ساتھ بھی ان کا یہی معاملہ

تھا اور کیوں نہ ہوتا جب حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”ہر صبح کو آسمان سے ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں، قبر مبارک کو گھیر لیتے ہیں اور خشوع و خضوع سے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے تو یہ واپس ہو جاتے ہیں اور دوسرے ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور وہ بھی صبح کے فرشتوں کی طرح کھل کرتے ہیں۔“ جب حشر ہو گا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں ہوں گے۔ قبر مبارک کے پاس صرف ان ستر ہزار فرشتوں کی موجودگی میں دعا ہو تو کس قدر قبولیت کے قریب ہو گی چہ جائیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی موجودگی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے قبر کے پاس بہت پست آواز سے گفتگو کرتے تھے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ادب بارگاہ نبوی

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ دو نوجوان مسجد میں آئے اور بلند آواز سے آپس میں باتیں کرنے لگے آپ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور دریافت کیا۔ تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی۔ ہم طائف کے باشندے ہیں اور وہاں سے آئے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اگر تم مدنی ہوتے تو ابھی تمہیں کوڑے لگاتا۔ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اس قدر بلند آواز سے بولتے ہو۔“ یعنی چونکہ تم پردیسی ہو مسجد نبوی کے آداب سے پورے واقف نہیں ہو اس لئے تمہیں معاف کرتا ہوں۔

اسی طرح اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات جمع کریں اور بتائیں کہ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے آثار کی کس قدر تعظیم کرتے تھے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ صرف صحابہ کرام ہی نہیں بلکہ تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت ادب سے پیش آتے تھے۔

ملائکہ اور ادب بارگاہ نبوی ﷺ :

ابن ابی شیبہ نے اپنی ”مصنف“ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص حسین صورت عمدہ لباس میں جس میں سے خوشبو مہک رہی تھی آیا۔ حضور ﷺ کو سلام کیا حضور نے جواب دیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں جناب سے ذرا قریب ہو جاؤں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں قریب آ جاؤ۔ ہم نے آپس میں ذکر کیا کہ ہم نے آج تک اتنا مودب شخص نہیں دیکھا۔ پھر اس نے اور قریب ہونے کی درخواست کی۔ پھر اس نے چند سوال کئے جن کا حضور ﷺ نے جواب دیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو سوال و جواب کے ذریعے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ ”اب غور کیجئے کہ جبرائیل امین علیہ السلام بھی آپ ﷺ کی کس قدر تعظیم کرتے تھے اور کس قدر ادب سے پیش آتے تھے اور یہی حال ملک الموت کا تھا۔“

غرضیکہ بے شمار واقعات اور احادیث حضور اکرم ﷺ کی تعظیم اور ادب کے بارے میں منقول ہیں اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کی قبر کی زیارت نہ کی جائے اور زیارت کے لئے سفر نہ کیا جائے اور آپ سے استغاثہ نہ کیا جائے وہ یقیناً آپ کی شان میں بے ادبی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بے ادبی سے بچائے۔

بارگاہ نبوی کی بے ادبی پر قرآن کی وعید:

”احکام القرآن“ میں ایک روایت ہے کہ کسی شخص نے یہ کہا تھا کہ اگر حضور اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد میں حضور ﷺ کی فلاں زوجہ مطہرہ سے نکاح کروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ”و ما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ و لا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا“ [احزاب : ۵۳] (اور تم کو حق نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ تعالیٰ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں سے اس کے بعد کبھی بھی)۔

غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے نبی معظم ﷺ کو اذیت پہنچانے کو کس درجہ میں ممنوع قرار دیا ہے کہ وصال مبارک کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح کو بھی حرام قرار دیا اس لئے کہ یہ فعل نبی اکرم ﷺ کے لیے اذیت کا سبب ہے اور اس آیت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح آپ زندگی میں اذیت محسوس کرتے تھے موت کے بعد بھی محسوس فرماتے ہیں۔ تو جو شخص اپنے دین کی حفاظت چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ کوئی ایسا فعل نہ کرے کہ جو حضور نبی اکرم ﷺ کی اذیت کا سبب بن جائے اور دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس گناہ سے محفوظ رکھے۔ اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ قیامت کے دن ہماری نجات کی دلیل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے زمرے میں داخل رکھے اور ان کے جھنڈے تلے قیامت میں اٹھائے اور آپ کے حوض سے ہمیں سیراب کرے اور آپ کی شفاعت اور رضا ہمیں حاصل ہو۔ آمین۔

پانچویں فصل:

اس تمام بحث سے مقصود موت کے بعد سینے اور ادراک کرنے وغیرہ کو ثابت کرنا تھا۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہ تمام چیزیں زندگی کے خواص ہیں مرنے کے بعد کیسے پائی جاسکتی ہیں؟ اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہم بھی مردوں کے لئے یہ امور ثابت نہیں کر رہے بلکہ ان میں زندگی کے واپس آ جانے پر ان کے لئے یہ ثابت کر رہے ہیں یعنی ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کو زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ بستے ہیں۔ اب یا تو صرف روح زندہ ہے اور جسم مردہ ہے یا روح اور جسم دونوں زندہ ہیں۔ انسان میں دو چیزیں ہیں۔ جسم اور روح۔ جسم جب مر جائے اور روح اس میں نہ لوٹے تو زندگی کے امور میں سے کوئی بھی اس میں نہیں پایا جاتا یعنی نہ وہ سنتا ہے اور نہ اس میں احساس رہتا ہے البتہ اگر اس میں روح لوٹ آئے تو وہ سنتا ہے اور زندگی کے باقی امور بھی پائے جاتے ہیں۔ نفس انسانی مرنے کے بعد باقی رہتا ہے اور اس کو علم و احساس حاصل

ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھی جب بدر کے کنویں کے مردوں کے سننے کا انکار کیا تو اس بات کا اقرار کیا کہ ان مردوں کو علم ہوا ہے۔

نفس کے باقی رہنے کے معنی اس کا دائمی بقا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام عالم کے فنا کے وقت اس کو بھی فنا فرما دیں گے پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ مقصد یہ ہے کہ نفس جسم کی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ پھر جب فنا ہو گا تو قیامت میں زندہ بکر ہوا جائے گا۔ اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ نفس کو معقولات کا ادراک ہوتا ہے۔ محسوسات مثلاً مسوع کے ادراک کے بارے میں متکلمین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں نفس ہی براہ راست ادراک کرتا ہے، بعض کہتے ہیں حواس ادراک کرتے اور وہ نفس تک ان محسوسات کو پہنچاتے ہیں۔ ان دونوں قولوں کے مطابق نفس مسوع کا ادراک کرتا ہے۔ بہر حال وہ سنا ہے۔

روح کی حقیقت:

اس بحث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ روح کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے اس میں بہت سی لمبی بحثیں ہیں اور اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ روح جسم ہے یا عرض یا دونوں کا مجموعہ۔ ہر فرد متمیز ہے یا جو ہر فرد غیر متمیز اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ قرآن پاک میں وارد ہے۔ "قل الروح من امر ربی" [ہنی اسرائیل : ۸۵] (فرمادیجئے روح میرے رب کے امر سے ہے)۔

علمائے کرام اور مفسرین نے اس میں بحث کی ہے کہ ان کا سوال روح انسانی سے متعلق تھا یا روح بمعنی فرشتہ تھے؟ صحیح قول یہ ہے کہ یہ سوال روح انسانی کے بارے میں تھا۔ پھر اگر سوال روح انسانی کے بارے میں تھا تو اس کی حقیقت کے بارے میں یا اس کے حادث ہونے کے بارے میں تھا؟ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سوال اس کے حادث ہونے کے بارے میں تھا۔ چنانچہ قرآن کا جواب اسی کو بتاتا ہے جو اب میں کہا گیا ہے:

قل الروح من امر ربی " یعنی فعل اللہ ہے جو کہ حادث ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سوال روح کی حقیقت کے بارے میں تھا ان میں یہ اختلاف ہے کہ جواب میں اس کی حقیقت بتائی گئی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں حقیقت نہیں بتائی گئی اس لئے کہ اس کی حقیقت سمجھنا انسانی عقل سے بالاتر ہے۔ علم انسانی اس قدر قلیل ہے کہ اس کا ذہن اس کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں اس کی حقیقت بتائی گئی ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ وہ امر رب ہے یعنی وہ عالم امر کی چیز ہے۔ عالم دو مانے گئے ہیں۔ ایک عالم امر ہے اور ایک عالم خلق ہے۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"سن لو اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا" [الاعراف-۵۲]

عالم امر میں وہ اشیاء داخل ہیں جو کلمہ کن سے پیدا کی گئی ہیں۔ قرآن پاک میں ہے "اس کا حکم یہی ہے جب چاہے کسی چیز کو کہے اس کو ہو وہ ہو جائے" [یسین ۸۲] عالم امر اور عالم خلق کی زیادہ تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

روح امر رب میں سے ہے۔ امر رب سے مراد شرع ہے تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم شرع میں داخل ہو جاؤ، کتاب و سنت پر عمل کرو روح کی حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ جو لوگ روح کو جوہر و جسم قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک لامحالہ وہ زندگی کے ساتھ متصف ہے۔ روح کو عرض کہنا تو عقل سے بعید ہے فلاسفہ روح کو جوہر مجرد متخیر مانتے ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا روح کے بارے میں نظریہ:

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "احیاء علوم الدین" میں روح کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایک ربانی لطیفہ ہے اور وہی انسان کی حقیقت ہے اور یہ مدرک، عالم اور عارف ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخاطب ہے اور اس کو جسمانی قلب سے ایک خاص علاقہ ہے۔ اسی لطیفہ ربانی کو روح، نفس، قلب، عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ نہ

روح جسمانی ہے، نہ نفس شہوانی، نہ قلب صنوبری۔

اطباء کے نزدیک روح کی اقسام:

اطباء اس پر متفق ہیں کہ روہیں تین ہیں۔

- ۱۔ روح طبعی وہ ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز جگر ہے پھر تمام جسم میں پھیل جاتی ہے۔
- ۲۔ روح حیوانی وہ ایک لطیف جسم ہے اور اس کا مخزن قلب ہے پھر سارے جسم میں پھیل جاتی ہے اور وہ قوت حیات کی حامل ہے۔
- ۳۔ روح نفسانی یہ ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز دماغ ہے پھر سارے جسم میں پھیل جاتی ہے۔ اس کا عمل حس و حرکت ہے۔

اطباء نے نفس ناطقہ کا جو انسان کے ساتھ ہے ذکر نہیں کیا جو ہمارا اصل مقصد ہے۔ وہ فلاسفہ جو نفس ناطقہ کے قائل ہیں اور اس کو جوہر مجرد مانتے ہیں وہ اس کو زندہ، عالم، متکلم، سمیع، بصیر، قادر، ارادہ مانتے ہیں لیکن اس کو ممکن الوجود موجود بایجاد اللہ تعالیٰ، حادث اور مخلوق کہتے ہیں اور وہ ہر اس چیز کو مخلوق کہتے ہیں جو ناپ تول اور اندازے میں آسکے اور اسی کو عالم خلق کہتے ہیں اور عالم امر ان موجودات کو کہتے ہیں جو حس، خیال، جہت، مکان، چیز سے خارج ہیں اور وہ ناپ تول اور اندازے کے ماتحت نہیں آتیں۔ شریعت بظاہر روح کو تمیز قرار دیتی ہے حدیث میں اس کا ذکر یوں آیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انسان کی موت کے وقت اس کے پاس ملائکہ پہنچتے ہیں اگر وہ نیک ہے تو اس سے کہتے ہیں ”اے نفس مطمئنہ نکل آ تو پاک جسم میں تھا قابل تعریف ہو کر نکل آ اور راحت و آرام کی بشارت حاصل کر لے رب تم پر راضی ہے ناراض نہیں ہے۔“ وہ فرشتے برابر یہی کہتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ نکل آتی ہے اور پھر وہ اس کو لے کر آسمانوں پر جاتے ہیں اور اس کا ہر جگہ استقبال

ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ علمین میں پہنچ جاتی ہے۔ قرآن نے بھی فرمایا ہے۔ ”یا ایہا
 النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة“ [الفجر : ۲۷، ۲۸] ترجمہ:
 (اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس پر راضی ہے اور وہ تم
 پر راضی ہے۔)

دسواں باب

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا بیان

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا ذکر خیر اس لیے کیا ہے تاکہ پہلی حدیث جو کہ شفاعت کے موضوع پر ہے اس کی شرح کی جا سکے اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان مبارک ہے: ”من زار قبری وجبت له شفاعتی“ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

ہم اسی بحث پر کتاب کو ختم کر رہے تاکہ ہمیں آخرت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

شفاعت کی اقسام:

آخرت کی شفاعت کے بارے میں مجمل بات یہ ہے کہ اس کی پانچ اقسام ہیں جو سب سرکار دو عالم ﷺ کے لیے ثابت ہیں۔ ان میں بعض ایسی ہیں جو صرف سرکار دو عالم ﷺ کو حاصل ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ ان میں دوسرے بھی شریک ہیں لیکن ان میں پہلے سرکار دو عالم ﷺ کو حاصل ہوگی۔

عام شفاعت صرف سرکار دو عالم ﷺ کو حاصل ہے۔ دوسری بعض شفاعتیں جو دوسروں کو بھی حاصل ہیں ان کی نسبت سرکار دو عالم ﷺ کی طرف بھی کی جا سکتی ہے۔ مطلقاً شافع صرف سرکار دو عالم ﷺ ہیں۔ اور حدیث ”وجبت له شفاعتی“ میں شفاعت خاصہ بھی مراد ہو سکتی ہے اور دوسری اقسام بھی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر آئمہ نے فرمایا ہے کہ شفاعت کی پانچ اقسام ہیں۔

پہلی قسم: میدان حشر میں حساب شروع کرنے کے لیے شفاعت:

یہ شفاعت صرف سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ یہ شفاعت وہ ہے جو سرکار دو عالم ﷺ قیامت کے میدان میں فرمائیں گے کہ حساب جلد شروع کیا جائے اور میدان قیامت میں زیادہ ٹھراؤ نہ ہو اور یہی شفاعت عظمیٰ ہے جس کے سب قائل ہیں۔

دوسری قسم: بغیر حساب جنت میں دخول کی شفاعت:

یہ شفاعت بھی صرف سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ یہ شفاعت وہ ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ قیامت کے دن فرمائیں گے اور ایک قوم کو جنت میں بغیر حساب کتاب کے داخل کریں گے اور اس کے بارے میں حدیث میں یوں مذکور ہے

”میں کہوں گا: ”اے میرے رب! میری امت! میری امت! تو کہا جائے گا۔ اے محمد! جنت کے داہنے دروازے سے اپنی امت کے ایسے آدمیوں کو داخل کر دو جن پر نہ حساب ہے نہ مواخذہ“

ایک حدیث میں ہے: یدخل من امتی الجنة سبعون الفا بغیر حساب فقال رجل یارسول اللہ! ادع اللہ ان يجعلنی منهم فقال: اللہم اجعلہ منهم، والرجل عکاشہ۔

”میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔“ ایک شخص نے عرض کیا حضور! دعا فرمائیں کہ میں انہی میں سے ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ تعالیٰ! اس کو ان (جنتیوں) میں سے کر دے۔ اور وہ عرض کرنے والا صاحب حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ کسی نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے سوال کیا وہ ستر ہزار کون ہوں گے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں، نہ قال نکالتے ہیں، نہ داغنے کا علاج کراتے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔“

ایک دوسری حدیث میں ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میرے سامنے امتیں لائی گئیں میں نے دیکھا کوئی نبی مکرم ہیں اور ان کے ساتھ ایک قبیلہ ہے کوئی نبی مکرم ہیں اور ان کے ساتھ ایک دو آدمی ہیں، کوئی نبی اس طرح ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے پھر ایک بڑا مجمع سامنے آیا تو میں نے تمنا کی کاش یہ میری امت ہوتی۔ کہا

ہو چکے ہوں گے اور یہ شفاعت پل صراط قائم ہونے کے بعد اور پہلی دو شفاعتوں کے بعد ہوگی جن کی حضور نبی اکرم ﷺ شفاعت کر دیں گے۔ وہ سلم سلم کہتے ہوئے پل صراط سے گزر جائیں گے۔

کیا یہ شفاعت صرف حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے مخصوص ہوگی؟ اس کی صراحت نہیں ملتی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس وقت حضور نبی اکرم ﷺ، انبیائے کرام علیہم السلام کے امام ہوں گے اور ان کے لیے بھی شفاعت کریں گے تو اب وہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی جن کے لئے شفاعت کریں گے تو گویا وہ شفاعت بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی ہی شفاعت ہوگی اور حضور نبی اکرم ﷺ شفیع الشفاء ہونگے۔

چوتھی قسم: جہنم میں داخل ہونے والوں کیلئے شفاعت

یہ شفاعت دیگر انبیائے کرام علیہم السلام، ملائکہ اور مؤمنین بھی کریں گے۔ ان تمام شفاعتوں کے بعد وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان ہوگا خواہ اور کوئی نیک عمل نہ بھی ہو ان کو اللہ تعالیٰ خود جہنم سے نکالیں گے اور آخری شفاعت وہ شفاعت ہے جس کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ”میری شفاعت گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ہوگی۔“ اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔ ہر نبی مکرم کی ایک دُعا ضرور مقبول ہوتی ہے میں نے وہ دُعا قیامت کے دن کے لئے اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے چھپا رکھی ہے وہ ان شاء اللہ اُمت کو ضرور حاصل ہوگی اور وہ میری اُمت کے وہ لوگ ہونگے جن کے پاس نیک عمل بجز توحید کے نہ ہوگا۔ نیز حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میری پاس میرے رب کا ایک قاصد آیا اور آکر کہا: ”آپ کے رب نے آپ کو دو باتوں سے ایک بات کا اختیار دیا ہے۔ وہ یہ کہ یا تو آدمی اُمت بخشو لیں یا شفاعت کرنے کا حق لے لیں۔ میں نے کہا میں شفاعت کرنے کا حق لینا پسند کرتا ہوں اس لئے کہ اس صورت میں زیادہ گناہ گار بخشے جائیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میری وہ شفاعت نیکوں کے لئے ہوگی؟ نہیں بلکہ وہ خطاکار گناہ گاروں کے لئے ہوگی۔“

پانچویں قسم: اہل جنت کی بلندی درجات کیلئے شفاعت:

یہ شفاعت اہل جنت کے درجات بلند کرنے کے سلسلہ میں ہوگی اس کو قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے لیکن احادیث میں اس کی تصریح نہیں ملی۔ البتہ عبد الجلیل القصری نے کتاب ”شعب الایمان“ میں وسیلہ کی بحث میں کہا ہے کہ جنت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حیثیت بلا تمثیل دربار الہی کے وزیر کی سی ہوگی۔ جنتیوں کا جو بھی اکرام و اعزاز ہوگا وہ بواسطہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ہوگا اور یہ حیثیت بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہوگی۔

یہ پانچوں شفاعتوں کا ذکر تھا۔ جو شخص بھی ان پر غور کرے گا وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی عمومی شفاعت کو سمجھ لے گا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے بلند مرتبہ تک اُس کی نگاہ پہنچ جائے گی اور اس پر جتنا غور کرے گا حضور نبی اکرم ﷺ سے عقیدت میں اضافہ ہوگا۔

یزید وجھک حسنا اذا ما زدته نظرا

”تیرے چہرے میں حسن کا اضافہ ہوتا ہے میں جتنا زیادہ اُس کو دیکھتا ہوں“

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی اس کتاب کو شفاعت کی احادیث کے ذکر سے خالی نہ چھوڑوں۔ صحیحین میں روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ”میں قیامت میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ تم سمجھے یہ کس طرح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلوں کو ایک میدان میں جمع کر دے گا۔ سورج اس قدر قریب ہو جائے گا کہ لوگوں کی پریشانی حد سے گزر جائے گی۔ پھر کچھ لوگ دوسرے لوگوں سے کہیں گے۔ دیکھو کیا حالت ہو رہی ہے۔ کسی سفارشی کو تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ سے سفارش کر دے تو کچھ لوگ کہیں گے چلو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچ کر کہیں گے آپ ہمارے باپ ہیں، آپ ابو البشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح آپ میں پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا انہوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت فرمادیں۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں؟ کیا

آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کسی حالت پر پہنچ گئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے۔ میرا رب آج جس قدر جلال میں ہے اس قدر جلال میں نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا اور اس نے مجھے شجرہ (منوعہ) سے روکا تھا مجھے تو اپنی پڑی ہے کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ تو وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے۔ اے حضرت نوح! آپ دنیا والوں کے لئے پہلے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گزار بندہ کہا ہے اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام ان سے کہیں گے۔ میرا رب آج ایسے جلال میں ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا۔ مجھے تو ایک دعا کا حق دیا گیا تھا جو میں نے اپنی قوم کی بربادی کے لئے مانگ لی۔ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ تو وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے آپ اللہ کے نبی ہیں اور اس کے ظلیل ہیں اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں ہماری کیا حالت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے میرا رب آج ایسا غضبناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے اے حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالتوں کی فضیلت عطاء کی ہے اور اللہ تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوا ہے اپنے رب سے ہماری شفاعت فرمادیں۔ آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔ میرا رب آج اس قدر غضبناک ہے کہ نہ کبھی پہلے ہوا تھا نہ کبھی ہوگا میں نے ایک ایسے شخص کو مار ڈالا تھا جس کے مارنے کا مجھے حکم نہ ملا تھا مجھے اپنی پڑی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے۔ اے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے گہوارے میں لوگوں سے بات چیت کی تھی اور آپ کلمہ اللہ ہیں جس کو حضرت مریم علیہا السلام میں ڈالا گیا تھا اور روح اللہ ہیں۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت کو پہنچ گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے میرا رب آج اس قدر غضبناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا، انہوں

نے اپنی کسی خطا کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے اور کسی کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے۔ اے محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے چلے جانے والوں اور آنے والوں سب کے گناہ معاف کر دیئے ہیں کیا آپ مشاہدہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ کیا آپ مشاہدہ نہیں فرما رہے کہ ہماری کیا کیفیت ہے؟ تب میں عرش کے نیچے پہنچوں گا اور اپنے رب کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر ظاہر کر دے گا اور میرے دل میں اپنی وہ تعریفیں اور وہ عمدہ ثنا القاء فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کے لئے ظاہر نہیں ہوئی۔ پھر کہا جائے گا ”اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ ناگو! عطا کیا جائے گا، شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی“ تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: ”اے اللہ تعالیٰ! میری امت! میری امت“ تو کہا جائے گا: ”اے محمد! جنت کے داہنے دروازے سے اپنی امت میں سے ان لوگوں کو داخل کر دو جن سے کوئی حساب نہ لیا جائے گا اور وہ دوسرے دروازوں سے بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے جنت کے دروازے کی چوکھٹ کے دونوں بازوؤں میں اس قدر فاصلہ ہوگا جتنا مکہ اور بھرت کے درمیان یا مکہ اور بصری کے درمیان ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”انسانوں کا مجمع ٹھانیں مارے گا پھر لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور عرض کریں گے۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیں۔ تو آپ فرمائیں گے۔ میں اس قابل نہیں ہوں تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خلیل اللہ ہیں۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے وہ کہیں گے میں اس کے لیے نہیں ہوں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ کلیم اللہ ہیں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے میں اس قابل نہیں ہوں تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہہ دیں گے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں ہاں تم سیدنا محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ لوگ میرے پاس آئیں

گے تو میں چل پڑوں گا اور اللہ رب العزت کے پاس داخلہ کی اجازت چاہوں گا۔ مجھے اجازت مل جائے گی۔ میں سامنے کھڑا ہو کر وہ تعریفیں کروں گا جو اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں اللہ تعالیٰ اسی وقت میرے دل میں ڈالے گا۔ پھر میں اُس کے سامنے سجدے میں گر جاؤں گا تو کہا جائے گا: ”اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو! تمہاری بات سنی جائے گی۔ مانگو! عطا کیا جائے گا۔ شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائے گی۔“ تو میں کہوں گا: ”میری امت! میری امت“ تو مجھ سے کہا جائے گا: ”جاؤ جہنم میں سے ہر اُس شخص کو نکال لو جس کے دل میں گیہوں یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔“ تب میں اُن کو نکال لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گا اور وہی تعریفیں شروع کروں گا پھر سجدے میں گروں گا تو مجھ سے کہا جائے گا: ”اے محمد! سر اٹھاؤ! کہو! سنا جائیگا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائیگی۔“ میں کہوں گا: ”اے اللہ تعالیٰ! میری امت! میری امت“ تو مجھ سے کہا جائے گا: ”جاؤ جہنم میں سے ان لوگوں کو نکال لو جن کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے۔“ تو میں ان کو نکال لوں گا۔ اور پھر دوبارہ میں حاضر ہوں گا اور وہی تعریفیں شروع کروں گا۔ پھر سجدے میں گر جاؤں گا تو کہا جائے گا: ”اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو! سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا اور شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا: ”اے اللہ تعالیٰ! میری امت! میری امت“ تو کہا جائے گا: ”جاؤ جس شخص کے دل میں رائی کے چھوٹے سے چھوٹے دانہ کی برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لو۔“ میں ان کو بھی جہنم سے نکال لوں گا۔ پھر چوتھی مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گا۔ پھر وہی تعریفیں شروع کروں گا۔ پھر سجدہ میں گر جاؤں گا تو کہا جائیگا: ”اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو! سنا جائیگا۔ مانگو عطا کیا جائے اور شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائے گی“ میں کہوں گا: ”مجھے ان کے بارے میں جہنم سے نکالنے کی اجازت دیں جنہوں نے صرف لا الہ الا اللہ کہا ہے۔“ تو کہا جائے گا۔ ”یہ تمہارا کام نہیں ہے ہاں مجھے اپنی عزت اپنی کبریائی اور اپنی بڑائی کی قسم میں ان لوگوں کو جہنم سے نکالوں گا جنہوں نے صرف لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔“

بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ تیسری بار شفاعت کا ذکر کرنے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ”عسیٰ ان یتعنک ربک مقاماً محموداً“ [بنی اسرائیل : ۷۹] (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا) اور آپ ﷺ نے فرمایا یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے رب نے تمہارے نبی سے وعدہ فرمایا ہے۔“

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ مومنین کو قیامت کے دن اکٹھا فرمائے گا اور ان کے دل میں اس بارے الھام کیا جائے گا اور وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔“ اے کاش آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت کریں۔“

مسند ابی عوانہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور بیٹھ گئے۔ جب چاشت کا وقت آیا تو تبسم فرمایا اور پھر وہیں تشریف فرما رہے حتیٰ کہ ظہر، عصر اور مغرب کی نماز پڑھائی۔ اس درمیان میں کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر عشاء کی نماز پڑھائی اور زنان خانہ میں تشریف لے جانے لگے۔ لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں یہ طریقہ خلاف معمول کیوں اختیار فرمایا؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔ آج مجھ پر وہ حالات پیش کئے گئے جو دنیا اور آخرت میں ہونے والے ہیں پھر اگلے پچھلوں کو ایک میدان میں جمع کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں لوگ گھبرا گئے اور حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور وہ لوگ پسینہ میں ہونٹوں تک ڈوبے ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا آپ ابو البشر ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے۔ ہماری سفارش فرمادیں۔ انہوں نے فرمایا: ”میزی بھی وہی حالت ہے جو تمہاری ہے تم باپ کے بعد ابو البشر ثانی، حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ“ اور پھر اسی طرح روایت نقل کی جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نقل کی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا: ”یہ بات میرے بس کی نہیں ہے۔ ہاں بنی آدم کے سردار

کے پاس جاؤ۔“ اسی روایت میں پھر یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام دربار الہی میں لے جائیں گے اور حضور نبی اکرم ﷺ وہاں ایک ہفتہ کی بقدر سجدے میں پڑے رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ”اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو! سنا جائے گا اور شفاعت کرو شفاعت مانی جائیگی۔“ حضور اپنا سر اٹھائیں گے اور جب دیدار الہی ہوگا تو فوراً سجدے میں گر جائیں گے اور مزید ایک ہفتہ کی بقدر سجدے میں پڑے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”کہو! سنا جائے گا۔ شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔“ حضور نبی اکرم ﷺ پھر سجدے میں گرنا چاہیں گے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں بازو تھام لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں وہ دعا ڈال دے گا جو آج تک کسی انسان کے دل میں نہیں ڈالی۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ عرض کریں گے: ”اے رب العزت! تو نے مجھے بنی آدم کا سردار بنایا اور اس پر میں کوئی فخر نہیں کرتا اور تو نے مجھے ایسا شخص بنایا جو قیامت کے دن زمین پھٹنے پر سب سے پہلے زمین سے اُٹھے گا اور اس پر بھی میں کوئی فخر نہیں کرتا حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر اتنا بڑا مجمع آئے گا جو صنعاء اور ایلہ کے درمیانی فاصلہ سے بھی زیادہ ہوگا۔“

روز حشر حضور نبی اکرم ﷺ کی فضیلت:

یہ حدیث مبارکہ اس امر عظیم کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جس کا نبی اکرم ﷺ نے مشاہدہ فرمایا اور اس دن حضور نبی اکرم ﷺ پر دنیا اور آخرت میں پیش آنے والے جن واقعات کا انکشاف ہوا دراصل ان کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا وہ شخص جس کو حضور نبی اکرم ﷺ نے کچھ بتا دیا ہو۔ احادیث میں ان کا بہت کم ذکر آیا ہے۔

حضرت حذیفہ ابن الیمان اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی ایک روایت مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا۔ مومنین کھڑے ہوں گے اور جنت ان کے قریب آجائے گی تو مجمع حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے گا اور عرض کرے گا۔ ابا جان! ہمارے لئے جنت کھلوادیں تو وہ فرمائیں گے: ”یہ اختیار میرا نہیں ہے میرے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جو غلیل اللہ ہے۔“ اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام کہیں گے: ”یہ میرا کام نہیں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے۔“ وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے تو وہ کہیں گے: ”یہ میرا کام نہیں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو کلمہ اللہ اور روح اللہ ہیں“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے ”یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔“ پھر وہ لوگ سیدنا محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے۔ پس آپ ﷺ کھڑے ہو جائیں گے اور آپ ﷺ کو اذن دیا جائے گا اور امانت اور صلہ رحمی کو بھیجا جائے گا پس وہ دونوں پل صراط کے دونوں طرف دائیں اور بائیں کھڑی ہو جائیں گی تو تمہارا پہلا شخص بجلی کی کوند کی طرح پل صراط سے گذر جائے گا۔ پھر ہوا کے چلنے کی طرح۔ پھر پرند کے اڑنے اور انسان کے دوڑنے کی طرح لوگ گذریں گے۔ ان کو ان کے عمل لے چلیں گے اور تمہارے نبی مکرم ﷺ پل صراط پر کھڑے ہوئے یا رب سلیم سلیم کہتے ہوں گے۔ یہاں تک کہ بندہ کے اعمال اس کو پل صراط سے گزارنے سے عاجز آجائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک شخص آئے گا وہ گھسٹتا ہوا گذرے گا اور پل صراط کے دونوں جانب سرے مڑی ہوئی لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہوں گی۔ وہ اٹکنے پر مامور ہوں گی جس کا انہیں حکم دیا جائے گا، پس کوئی گرتا ہوا بچ جانے والا ہوگا، کوئی زخمی جہنم میں گرنے والا ہوگا۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور بعض الفاظ میں متفرد ہیں۔ جیسے کہ ”امانت اور صلہ رحمی کو بھیجا جائے گا پس وہ دونوں پل صراط کے دونوں طرف دائیں اور بائیں کھڑی ہو جائیں گی“ باقی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی مفہوم میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ میں مذکور ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن اعلان کرنے والا اعلان کرے گا۔ ہر شخص اس کے پیچھے چلے جس کی وہ پوجا کرتا تھا پس جس قدر غیر اللہ کے پجاری ہوئے وہ جہنم میں گر جائیں گے صرف وہ رہ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار ہوں گے نیک اور بد اور کچھ بقایا اہل کتاب تو اللہ تعالیٰ یہود کو بلائیں گے اور ان سے کہا جائے گا۔ ”تم کس کی عبادت کرتے تھے؟“ وہ کہیں گے ”ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے عزیر کی عبادت کرتے تھے۔“

ان سے کہا جائے گا: ”تم جھوٹے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے نہ بچہ۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟“ وہ کہیں گے۔ ”ہم پیاسے ہیں۔ اے رب! ہمیں سیراب کر دے“ تو ان سے کہا جائے گا: ”گھاٹ پر اُترو“ اور جہنم کی طرف ان کو لے جایا جائے گا اور وہ جہنم میں گر پڑیں گے۔ پھر نصاریٰ کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا: ”تم کس کی عبادت کرتے تھے؟“ وہ کہیں گے۔ ”ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے۔“ ان سے کہہ دیا جائے گا: ”تم جھوٹے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے نہ بچہ۔“ پھر ان سے کہا جائے گا: ”تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے ”اے اللہ تعالیٰ! ہم پیاسے ہیں ہمیں سیراب کر دے“ تو ان کو اشارہ کیا جائے گا جاؤ گھاٹ پر اُترو۔ ان کو جہنم کی طرف جمع کر دیا جائیگا اور وہ جہنم میں جاگریں گے۔ اب صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار تھے۔ خواہ وہ نیک ہوں یا بد، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی تجلی فرمائے گا۔ اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی منکشف فرمائیں گے۔ جو مومن مخلص ہونگے اللہ تعالیٰ ان کو سجدہ کی اجازت دے گا وہ سجدہ کریں گے جو ریاکار مسلمان ہونگے ان کی کمر ایک تختہ کی طرح بن جائے گی وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن گدی کے بل پیچھے کو گر پڑیں گے۔ پھر پل صراط قائم کر دی جائے گی اور شفاعت کا وقت آ جائے گا اور لوگ اَللّٰهُمَّ صَلِّمْ عَلَیْہِمْ کہیں گے۔ دریافت کیا گیا پل صراط کیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ایک پھسلن ہوگی اور اس میں دندانے دار کانٹے ہوں گے، وہ لوہے کے کانٹے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹے کی طرح ہوں گے۔ مومنین پلک جھپکنے کی طرح بجلی کی کوند کی طرح، ہوا کی طرح، پرند کی اڑان کی طرح، عمدہ گھوڑے کی دوڑ کی طرح، سوار یوں کی طرح گذر جائیں گے۔ کچھ سالم نجات پانے والے ہوں گے، اور بعض مسلمان کانٹوں سے الجھتے ہوئے پار پہنچیں گے اور بعض مسلمان کانٹوں سے زخمی ہو کر جہنم میں گر جائیں گے۔ جب مومنین نجات پا جائیں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مومنین کے بارے میں تم مومنین سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے اصرار کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ مومنین اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: ”اے ہمارے رب! جہنم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور حج کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:“

جن کو تم پہچانتے ہو ان کو جہنم سے نکال لو۔“ اور اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو جہنم پر حرام کر دے گا۔ وہ بہت سے ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال لیں گے جو پنڈلیوں تک، گھٹنوں تک مجلس چکے ہوں گے۔ وہ پھر عرض کریں گے: اے ہمارے رب! جن کے بارے میں آپ نے اجازت دی تھی ان کو ہم نے جہنم سے نکال لیا اب کوئی جہنم میں باقی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”اچھا جاؤ اب ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن کے دل میں دینار کے وزن کی خیر ہے۔“ پھر وہ بہت سے لوگوں کو نکال لیں گے۔ اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا: ”جاؤ ان کو بھی نکال لو جن کے دل میں آدھے دینار کے وزن کی خیر ہے“ پھر وہ بہت سے لوگوں کو نکال لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”جاؤ ان کو بھی نکال لو جن کے دل میں ایک ذرہ کی برابر خیر ہے۔“ وہ عرض کریں گے اب کوئی شخص جہنم میں باقی نہیں رہا جس کے دل میں خیر ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ نبی شفاعت کر چکے، ملائکہ شفاعت کر چکے، مومنین شفاعت کر چکے۔ اب صرف الرَّاحِمِین باقی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی مٹھی بھر جہنم سے ایسی قوم کو نکالیں گے جن کے دل میں کوئی خیر نہ ہوگی وہ جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو آب حیات کی نہر میں ڈال دیں گے۔ وہ وہاں سے موتی جیسے بن کر نکلیں گے۔ اُن کی گردنوں پر مہر لگی ہوگی جس سے جنتی ان کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں بغیر کسی نیک عمل کے داخل کیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: ”جنت میں چلے جاؤ جس چیز پر تمہاری نظر پڑے وہ تمہاری ہے۔“ اس پر وہ کہیں گے: اے رب العالمین! تو نے تو ہمیں وہ کچھ دے دیا جو کسی کو نہیں دیا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”تمہارے لئے میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے۔“ اس پر وہ کہیں گے: ”اے ہمارے رب! اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”وہ میری رضا ہے۔ اب میں تم سے کبھی خفا نہ ہوں گا۔“ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے مجھے خبر ملی ہے کہ پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں اور بھاری کے الفاظ بھی اس کے قریب ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا پس ان سے کہا جائے گا جو جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پیچھے چلا جائے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پس پل صراط کو جہنم کے اوپر رکھا جائے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس دن اس حال میں ہوں گا کہ میری امت کو سب سے پہلے اجازت دی جائے گی۔ اور اس دن رسل عظام علیہم السلام کے علاوہ کوئی کلام نہیں کرے گا اور اس دن ان کا کلام بھی یہی ہوگا ”اللہم سلم سلم“

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے کہ وہ چہرے پر سجدے کے نشانوں کو جلائے۔“ مگر اس کے مفہوم میں اختلاف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جب لوگ اٹھائے جائیں گے، اور جب مخلوق اللہ تعالیٰ کی جناب میں وفد بنا کر جائے گی، میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب لوگ مایوس ہوں گے تو میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا، حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اولادِ آدم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ہوں مگر میں اس پر فخر نہیں کرتا۔“ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں نبیوں کا امام اور خطیب ہوں گا اور ان سب کی شفاعت کرنے والا ہوں گا مگر کوئی فخر نہیں ہے۔“ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں قیامت کے روز بنی آدم کا سردار ہوں گا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور کوئی فخر نہیں ہے اور جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام ہیں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر وہ تمام اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے“ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور اسے حسن قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”میں اللہ

تعالیٰ کا دوست ہوں اور کوئی فخر نہیں اور میں حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ میں سب سے پہلا سفارش کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں گا اور کوئی فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھاؤں گا تو جنت کھلے گی۔ میں اور میرے ساتھ فقراء مومنین اس میں داخل ہوں گے۔ اور میں اکرم الاوائلین اور آخرین ہوں مگر اس پر فخر نہیں۔“ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیامت نکلے دن آپ میری شفاعت فرمائیں۔ اس پر حضور نے فرمایا: ضرور کروں گا۔ میں نے عرض کیا۔ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سب سے پہلے پل صراط پر ڈھونڈنا۔“ میں نے عرض کیا: ”اگر میں وہاں آپ سے نہ مل سکوں تو؟“ فرمایا: ”میزان کے پاس تلاش کر لینا۔“ میں نے کہا: اگر وہاں بھی نہ مل سکوں تو؟ فرمایا: ”حوض پر تلاش کر لینا۔“ میں ان تین مقامات پر کہیں نہ کہیں تمہیں ضرور مل جاؤں گا۔“ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ قیامت میں آپ کی سفارش سے کون سب سے زیادہ سعادت مند بنے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ابو ہریرہ مجھے یہی خیال تھا کہ سب سے پہلے تم ہی یہ سوال کرو گے کیونکہ تم میری بات کے سب سے زیادہ حریص ہو۔ پھر فرمایا: ”میری شفاعت کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادت مند وہ بنے گا جس نے خالص دل سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہوگا۔“ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”مومنین جہنم سے نجات پا جائیں گے تو وہ جنت اور دوزخ کے درمیان پل صراط پر روک دیئے جائیں گے۔ باہمی جو حقوق ایک نے دوسرے کے غضب کئے ہوئے ان کا بدلہ لیا جائے گا۔ جب ان سے پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں داخل ہونے کی

اجازت ملے گی۔“ اس حدیث کو صرف امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جہنم سے اس شخص کو نکال لیا جائے گا جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہوگا اور اس کے دل میں جو برابر خیر ہوگی پھر اس شخص کو نکالا جائے گا جس کے دل میں گیسوں کے دانہ کے وزن کی خیر ہوگی۔ پھر اس کو نکالا جائے گا جس کے دل میں ذرہ کی برابر خیر ہوگی۔“ اور اس باب کا عنوان رکھا ہے ”باب زیادة الايمان و نقصانه“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ”جب قیامت ہوگی میں شفاعت کروں گا“ اے اللہ تعالیٰ! ان کو جنت میں داخل فرما دے جن کے دل میں رائی کے دانہ کی برابر خیر ہے۔ وہ داخل ہو جائیں گے۔ پھر کہوں گا۔ اے اللہ تعالیٰ! ان کو بھی داخل فرما دے جن کے دل میں تھوڑی سی بھی خیر ہے۔“ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ایک قوم دوزخ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب نکلے گی اور جنت میں داخل ہو جائے گی۔“ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب صفة الجنة و النار میں روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں سب سے پہلے جنت میں شفاعت کروں گا اور میں انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے زیادہ امت والا ہوں گا۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں سب سے پہلا جنت میں شفاعت کرنے والا ہوں گا اور انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے زیادہ امت والا ہوں گا۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قیامت کے روز ہم ایک ٹیلہ پر ہوئے

ایک تو یہ کہ مومنین کا ہی انبیائے کرام علیہم السلام سے ایمان کی وجہ سے گہرا تعلق ہوگا۔ دوسرے یہ کہ شفاعت سے دراصل راحت مومنین ہی کو پہنچے گی اس لئے کہ فیصلہ کے بعد کفار پر تو مزید سختی شروع ہو جائے گی تو اس شفاعت عظمیٰ کا اصل مقصد مومنین کی راحت رسانی ہوگی۔ اس شفاعت سے کفار کو زیادہ فائدہ نہ پہنچے گا۔ اسی لئے قرآن پاک میں ہے ”فما تنفعهم شفاعۃ الشافعیین“ [المدثر: ۳۸] پھر نفع نہ دے گی ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول بھی حکایتاً نقل کیا ہے۔ ”فما لنا من شافعیین“ [الشعراء: ۱۰۰] پس کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مومنین اور کفار دونوں جماعتیں انبیائے کرام علیہم السلام سے شفاعت کی درخواست کریں گی۔

فصل اول:

قیامت میں انبیائے کرام علیہم السلام سے شفاعت چاہنا

توسل کی قوی دلیل ہے

قیامت کے دن لوگوں کا انبیائے کرام علیہم السلام سے شفاعت کی درخواست کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے ذریعہ دنیا و آخرت میں توسل کیا جاسکتا ہے۔ ہر گناہگار اللہ تعالیٰ کی طرف اس شخص کا وسیلہ پکڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے قریب ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ اس کی تفصیل ہم استعانت کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اب اس معاملہ کو چاہے تعلق (شفاعت) کہا جائے یا توسل یا استعانت۔ یہ اس طرح کا تقرب نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے مشرکین دوسروں کی عبادت کر کے چاہتے ہیں وہ تو کفر ہے۔ مسلمان جب نبی کریم ﷺ سے یا اللہ تعالیٰ کی کسی اور مقرب شخصیت سے توسل چاہتے ہیں تو وہ ان کی پرستش نہیں کرتے ہیں لہذا یہ توسل ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید سے خارج نہیں کرتا۔ اس لئے کہ نفع اور ضرر زسانی میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے اور جب یہ جائز ہے

انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت کا بیان

انبیائے کرام علیہم السلام نے شفاعت سے معذرت کرتے وقت جن باتوں کا ذکر کیا ہے ان کے بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ واضح کرتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام ہر طرح کے صغیرہ و کبیرہ گناہ سے معصوم ہیں۔ اور جو کچھ انہوں نے اپنے حوالے سے فرمایا اس کی وضاحت اس طور پر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر شجرہ کے کھانے کا ذکر کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں نے قوم کو بددعا دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک کافر کے قتل کا عذر کیا جس کے قتل کا ان کا حکم نہ تھا اور یہ بھی نبوت سے پہلے کا قصہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کفار کی مدافعت میں جو کلام بطور تعریض بولا تھا جس میں وہ ایک اعتبار سے سچے تھے بطور عذر کے پیش کیا۔ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اعذار کوئی گناہ نہ تھے وہ ان باتوں سے محض اس لئے ڈرے کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہ کی تھیں۔ اور بعض انبیائے کرام علیہم السلام پر انکے کسی فعل کے خلاف مشیت ایزدی ہونے پر ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے عتاب بھی ہوا تھا۔ اب اگر ان باتوں کے علاوہ اور عذر ہوتا تو انبیائے کرام علیہم السلام اس کو ذکر کرتے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ سب گناہوں سے معصوم تھے اور جس طرح وہ کبیرہ گناہوں سے معصوم تھے اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت صغیرہ گناہوں سے اگرچہ خوارج اور معتزلہ بھی مانتے ہیں لیکن وہ اس اعتبار سے مانتے ہیں کہ وہ صغیرہ گناہ کے مرتکب کو بھی کافر قرار دیتے ہیں اور یہ اہل سنت و الجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدہ سے بچائے۔

فصل چہارم:

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا تفصیلی بیان

جب حضور نبی اکرم ﷺ سجدے سے سر اٹھائیں گے تو اس وقت ”یاد رب امتی امتی“ کہیں گے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ سب سے پہلے اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گزری ہے کہ آپ سجدے سے سر اٹھائیں گے اور اس وقت امانت اور صلہ رحمی کو پل صراط کے دونوں طرف بھیج دیا جائے گا۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان اس طرف ہے کہ پہلے آپ ﷺ عمومی شفاعت فرمائیں گے پھر اپنی امت کے گناہگاروں کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ اور پھر دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور ملائکہ عظام اور پھر دیگر لوگ شفاعت فرمائیں گے۔ اور پہلے بیان کی جانے والی احادیث میں یہ ذکر ہوا ہے کہ ہر امت اس کے پیچھے ہو گی جس کی وہ پوجا کرتی تھی پھر مومنین کو منافقین سے الگ کر دیا جائے گا۔ پھر شفاعت کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور پل صراط قائم کر دی جائے گی۔ پس ہو سکتا ہے کہ ہر امت کا اس کے پیچھے ہونا جس کی وہ پوجا کرتی تھی، یہ پہلے ہو اور انتظار کی شدت سے نجات دلانا یہ مقام محمود سے پہلے ہو۔ اور شفاعت جس کا واجب ہونے کا ذکر ہوا ہے، یہ صراط مستقیم پر گناہگاروں کی شفاعت ہوگی۔ یہی حدیث کا ظاہر بتاتا ہے اور یہ شفاعت ہمارے نبی اکرم ﷺ کے لیے ہوگی۔ اور دیگر کے لیے بھی ہوگی۔ پھر اس شفاعت کا ذکر ہے جو دوزخ میں داخل ہونے والوں کے لیے ہوگی۔ یہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام تھا۔ یہ احادیث کا اس طرح بیان ہے کہ ان میں کوئی تعارض نہیں۔

یہ بات حضور نبی اکرم ﷺ سے صحت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی امت کا دیگر لوگوں سے پہلے فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پس جب آپ ﷺ شفاعت کے لیے۔۔۔۔۔

فصل القضاء۔۔۔۔۔ کے قریب ہوں گے اور آپ کو شفاعت کا

ختمہ شدہ چالیس سال تک کھڑے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر بھی نہ فرمائے گا اور نہ کوئی فیصلہ فرمائے گا۔ لوگ روئیں گے حتیٰ کہ آنسو خشک ہو جائیں گے پھر خون کے آنسو بہائیں گے، پسینہ میں ڈوب جائیں گے تو شور کریں گے اور کہیں گے کون ہے جو ہمارے رب سے ہماری سفارش کر دے اور وہ ہمارا فیصلہ کر دے؟ پھر وہ آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے وہ انکار کر دیں گے۔ پھر ایک ایک کر کے انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس پہنچیں گے وہ بھی انکار کر دیں گے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر وہ میرے پاس پہنچیں گے میں عرش کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ میرے پاس ایک فرشتہ بھیجیں گے جو میرے بازو پکڑ کر سجدہ سے اٹھائے گا۔ جب وہ مجھے اٹھائے گا تو کہے گا۔ اے محمد! کیا بات ہے۔ حالانکہ وہ سب کچھ جانتا ہوگا پھر میں کہوں گا: اے رب! آپ نے مجھ سے میری شفاعت قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا اب لوگوں کے بارے میں میری شفاعت قبول کیجئے اور ان کا فیصلہ کر دیجئے۔ حضرت حق فرمائیں گے میں نے تمہاری شفاعت قبول کر لی۔ میں تمہارے پاس پہنچتا ہوں اور تمہارا فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں لوٹ کر جمع میں آ جاؤں گا۔ ہم کھڑے ہوئے ہونگے کہ آسمان سے ایک سخت آواز سنائی دے گی جو ہمیں خوفزدہ کر دے گی۔ اب آسمان دنیا والے اس مجمع سے دو گنا آ جائیں گے۔ پھر یہ پورا مجمع اور دو گنا کر دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا عرش زمین کے جس حصہ پر چاہیں گے بچھا دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم آج ظلم کی وجہ سے کوئی شخص میرے قریب نہیں ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ جن وانس کے علاوہ اور مخلوق کا فیصلہ کر دیں گے پھر جن وانس کا فیصلہ کریں گے اور سب سے پہلے خون ناحق کا فیصلہ کریں گے۔ اسی روایت میں اس کے بعد ہے جب کسی کا حق کسی کے ذمہ باقی نہ رہے گا تو اعلان کرنے والا اعلان کرے گا۔ ہر قوم اپنے اپنے معبود کے پاس پہنچ جائے اور ایک فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں کر دیا جائے گا تو نصاریٰ اس کے پیچھے چل پڑیں گے اور اسی روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ جب صرف مومنین باقی رہ جائیں گے جن میں منافقین بھی ہوں گے اور اسی روایت میں اس کے بعد ہے کہ پل صراط قائم کر دی جائے گی تو لوگ اس پر سے گذریں گے۔ جب

کیا صرف ایمان شفاعت کا مستحق بنا دیتا ہے؟

یہ روایات بتاتی ہیں کہ جہنم سے نکالنے کی اجازت ان لوگوں کے بارے میں ملے گی جن کے پاس مجرد ایمان کے علاوہ کوئی عمل بھی ہوگا اور انہوں نے ملائکہ اور انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کے شافعین ہونے کو دلیل بنایا ہے۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق ہے کہ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کا بھی علم ہونا اور رحمت کرنا اس شخص پر جس کے پاس ایمان کے علاوہ اور کوئی عمل نہیں۔ اور ذرہ کی مثل ایک مثال کے طور پر ہے جس سے مراد معمولی سی چیز مراد ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ خیر سے مراد وہ شئی ہے جو ایمان سے زائد ہو کیونکہ مجرد ایمان جس کی صرف تصدیق ہے اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ پس یہ عمل صالح ہی ہوگا جو ایمان کے علاوہ ہوگا خواہ وہ نیت صادق ہو یا اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور ایک اور حدیث ہے جو اس کی تائید کرتی ہے جس میں اس طرح الفاظ ہیں کہ ”جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں خیر بھی تھی جو مثلاً فلاں شے کی مثل تھی۔“

اس بات کو جان لیں کہ اس کا یہ قول کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بھی ایک عمل ہے اور اس سے پہلے حدیث میں گزرا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص سے ان لوگوں کو بھی جنت سے نکالیں گے جن لوگوں کے پاس کوئی نیک عمل نہیں ہوگا تو اس سے مراد قول لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے علاوہ اور کوئی عمل نہیں کیا ہوگا ہے یا مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا تلفظ نہیں کیا تھا بلکہ یہ بھی دل دل میں کہا تھا۔

فصل ششم:

سلف صالحین کا شفاعت کے لیے دعائیں کرنا

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شہرت اور تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ سلف صالحین اللہ تعالیٰ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کے حصول کی دعاء کرتے تھے اور شفاعت کے حصول کی ان کو بہت تمنائیں تھیں۔ اس بنیاد پر ان لوگوں کی بات ناقابل توجہ

ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت صرف گناہگاروں کے لئے ہوگی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ شفاعت صرف گناہگاروں کے لئے ہی نہیں بلکہ تخفیف حساب اور درجات کی بلندی کی شفاعت نیکوں کے لئے بھی ہوگی۔ پھر ہر نیک آدمی بھی اپنی کوتاہی کا معترف ہوتا ہے۔ اپنے نیک عمل پر بھی اسے گھمنڈ نہیں ہوتا۔ جو لوگ اس بنیاد پر شفاعت کی دعاء کے قائل نہیں ہیں کہ شفاعت صرف گناہگاروں کے لئے ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے مغفرت اور رحمت کی دعاء بھی نہ کریں اس لئے کہ مغفرت اور رحمت کا تعلق بھی گناہگاروں سے ہوتا ہے۔

فصل ہفتم:

مقام محمود کا بیان

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام محمود یہی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ گناہگاروں کو جہنم سے نکالیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی اس طرح کی روایتیں منقول ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مقام محمود سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کا محشر میں شفاعت کرنا ہے اور یہی وہ دن ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کو مقام محمود عطا ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس میں محشر کا تذکرہ ہے اور یہ ذکر ہے کہ سب لوگ خاموش ہوں گے۔ بغیر اجازت الہی کوئی شخص بات نہ کر سکے گا۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ کو پکارا جائے گا تو آپ عرض کریں گے: ”لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ“ اور یہی مقام محمود ہے۔

حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ لوگوں کا حشر ایک ٹیلہ پر ہوگا پھر اللہ تعالیٰ مجھے ایک سبز لباس پہنائیں گے پھر مجھے

اجازت ملے گی تو وہ سب کچھ کہوں گا جو اللہ تعالیٰ مجھ سے چاہے گا اور یہی مقام محمود ہے تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے روز حضرت آدم علیہ السلام اور ان سے بعد کے تمام لوگوں کا حضور نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونا، ابتداء سے لے کر لوگوں کے دخول جنت اور جو دوزخ میں داخل کیے جائیں گے ان کا دوزخ سے نکالا جانا اور آپ کا اپنے رب کی حمد و ثنا کرنا اور آپ کا شفاعت فرمانا، اور پھر آپ کی شفاعت کے سبب لوگوں کا بغیر حساب کتاب کے بخشا جانا، اور پھر لوگوں کو دوزخ سے نکالنا یہاں تک کہ وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کا بھی دوزخ سے نجات پانا، اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی کہہ فرماتے ہوئے اس شخص کو بھی جس نے صرف لا الہ الا اللہ کہا تھا اس کو بھی دوزخ سے نکالنا، اور صرف دوزخ میں وہی رہیں گے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں اور حشر کے دن کی حضور نبی اکرم ﷺ کی دیگر خصوصیات سب مقام محمود ہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا۔

فصل ہشتم

حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے وہ پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔ اور ان میں سے ایک شفاعت ہے۔ اور اسی طرح ارشاد فرمایا: ”ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے اور میں نے اپنی یہ دعا قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھی ہوئی ہے۔“ ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ شفاعت جو کہ آپ ﷺ کو عطا فرمائی گئی اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی نسبت آپ کو خاص طور پر دی گئی ہے یہ اس شفاعت سے علیحدہ ہے جو آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے محفوظ فرمائی ہے کیونکہ عمومی شفاعت تو وہ دعا ہے جس میں وہ سب آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہیں۔ پس پہلی شفاعت یہ شفاعت عظمیٰ ہے پس اس سے مراد یا تو وہ شفاعت ہے جو حساب کتاب جلدی شروع کرنے کے حوالے سے ہوگی، یا اس سے

مراد عمومی شفاعت ہے جس کا ذکر پہلے گزرا ہے۔ اور آپ ﷺ ایسے صاحب شفاعت ہیں کہ تمام شفعاء آپ کی شفاعت میں داخل ہیں۔

اور دوسری شفاعت وہ ہے جو گناہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کے بارے میں ہوگی جس طرف آپ ﷺ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے کہ ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ شفاعت مؤمنین متقین کے لیے ہوگی نہیں بلکہ یہ گناہگاروں اور خطاکاروں کے لیے ہوگی۔“

خاتمہ:

ہم اس کتاب کا اختتام صلاۃ و سلام پر کرتے ہیں اور ان الفاظ کو ذکر کرتے ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں۔ ان تمام کو ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن بن علی بن عبد الرحمن النیرمی نے اپنی کتاب ”الاعلام بفضل الصلاۃ علی النبی علیہ الصلاۃ والسلام“ میں جمع کیا ہے۔

۱۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .

۲۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .

۳۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .

۴۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .

۵۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .

٦ - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ
حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى
آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٧ - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ
وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٨ - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ
وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ
أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

٩ - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ
وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

١٠ - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

١١ - اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

١٢ - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

١٣ - اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

١٤ - اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا جَعَلْتَهَا عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٢٣- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ
إِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ
إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٢٥- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٢٦- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٢٧- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى
آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ
مَجِيدٌ.

٢٨- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ.

٢٩- اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ.

٣٠- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ
مَجِيدٌ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٣١- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ

مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

٣٢- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَ عَلَيَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

٣٣- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَ عَلَيَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

٣٤- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

٣٥- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَ عَلَيَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَ عَلَيَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

٣٦- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَ عَلَيَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ عَلَيَّ اٰلِ اِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

٣٧- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَ عَلَيَّ اَزْوَاجِهِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ ذُرِّيَّتِهِ وَ اَهْلِيْ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

٣٨- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَ عَلَيَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَ عَلَيَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

٣٩- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَ عَلَيَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَ عَلَيَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

٣٠- اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا جَعَلْتَهَا عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٣١- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى
آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ
مَجِيدٌ.

٣٢- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَآلَ مُحَمَّدٍ
كَمَا رَحِمْتَ آلَ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى
آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٣٣- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُمْ.

٣٥- اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَيْنَا مَعَهُمْ صَلَاةَ اللَّهِ وَصَلَوَاتُ
الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَ
بَرَكَاتُهُ.

٣٦- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٣٧- اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٣٨- اللَّهُمَّ وَتَحَنَّنْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٣٩- اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَآزْوَاجِهِ

أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَ ذُرِّيَّتِهِ وَ أَهْلَ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ.

٥٠- اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ رَحْمَتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ أَزْوَاجِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ وَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ.

٥١- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى أَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَ ذُرِّيَّتِهِ وَ أَهْلَ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ.

٥٢- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ.

٥٣- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ وَ فِي رِوَايَةٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ.

٥٤- عَنْ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: اللَّهُمَّ دَاحِي الْمَدْحُورَاتِ وَ بَارِي الْمَسْمُوكَاتِ وَ بَانِي الْمُنِيَّاتِ وَ مُرْسِي الْمُرْسِيَّاتِ وَ جَبَّارَ الْقُلُوبِ عَلَى فِطْرَتِهَا شَقِيهَا وَ سَعِيدِهَا وَ بَاسِطَ الرَّحْمَةِ لِلْمُتَّقِينَ اجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَ نَوَامِي زَكَوَاتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُولِكَ الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَ الْفَاتِحِ لِمَا أُغْلِقَ الْمُغْلِقِينَ لِلْحَقِّ بِالْحَقِّ وَ الدَّامِعِ جَيْشَاتِ الْآبَاطِيلِ كَمَا حَمَلَ فَاضْطَلَعَ بِأَمْرِكَ لِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزاً فِي مَرْضَاتِكَ بِغَيْرِ نَكْلِ فِي قَدَمٍ وَ لَا رَهِي فِي عِزِّهِ وَ أَعْيَابِ لَوْحِكَ حَافِظاً لِعَهْدِكَ مَا ضِيأَ عَلَى نَفَادِ أَمْرِكَ حَتَّى أَوْرَى قَبْساً لِقَابِسٍ وَ آلَاءِ اللَّهِ تَصِلُ بِأَهْلِهِ اسْبَابَهُ بِهُدْيَتِ الْقُلُوبِ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَ الْإِثْمِ مَوْضِعَاتِ الْأَغْلَامِ وَ مُنِيرَاتِ الْإِسْلَامِ وَ

دَائِرَاتِ الْأَحْكَامِ فَهُوَ أَمِينُكَ الْمَأْمُونُ وَ خَزَانُ عِلْمِكَ الْمَخْزُونُ وَ
 شَهِيدُكَ يَوْمَ الدِّينِ وَ بَعِيثُكَ نِعْمَةٌ وَ رَسُولُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةٌ ، اللَّهُمَّ
 ائسح له مفتسحا في عدلك، وَاَجْزُهُ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ لَهُ
 مِهْنَاتٍ غَيْرَ مُكَدَّرَاتٍ مِنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَضْنُونِ وَ جَزِيلِ عَطَائِكَ
 الْمَحْلُولِ .

٥٥- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى بَنَاءِ الْبَنَائِينَ بِنَاوَهُ وَ أَكْرَامِ مَثْوَاهُ لَدَيْكَ وَ نَزَلِهِ
 وَ أَتَمِّمْ لَهُ نُورَهُ وَ أَجْزُهُ مِنْ ائْتِفَائِكَ لَهُ مَقْبُولِ الشَّهَادَةِ مَرْضَى الْمَقَالَةِ ذَا
 مَنْطِقِي عَدْلٍ وَ خِطَّةِ فَضْلٍ وَ حُجَّةٍ وَ بُرْهَانِ عَظِيمٍ ، اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا سَامِعِينَ
 مُطِيعِينَ وَ أَوْلِيَاءِ مُخْلِصِينَ وَ رُفَقَاءِ مَصَاحِبِينَ .

٥٦- اللَّهُمَّ ائْتَلِفْهُ مِنَّا السَّلَامَ وَ ارْدُدْ عَلَيْنَا مِنْهُ السَّلَامَ .

٥٧- اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ رَحْمَتِكَ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ
 وَ إِمَامِ الْمُتَّقِينَ مُحَمَّدِ عَبْدِكَ وَ رَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَ قَائِدِ الْخَيْرِ وَ
 رَسُولِ الرَّحْمَةِ .

٥٨- اللَّهُمَّ ائْبَعْثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا يَغْبِطُهُ بِهِ الْأَوْلُونَ وَ الْآخِرُونَ .

٥٩- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ
 إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
 بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ .

٦٠- اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ وَ رَحْمَتِكَ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَ
 إِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ عَبْدِكَ وَ رَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَ قَائِدِ
 الْخَيْرِ اللَّهُمَّ ائْبَعْثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا يَغْبِطُهُ بِهِ الْأَوْلُونَ وَ الْآخِرُونَ وَ صَلِّ عَلَى
 مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ .

٦١- اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلَى أَحْمَدَ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلَى آلِ

إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

۶۲۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا
عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ السَّلَامُ عَلَيْكَ

اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، وَ مَغْفِرَةُ اللّٰهِ وَ رِضْوَانُ اللّٰهِ.

۶۳۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مُحَمَّدًا اَكْرَمَ عِبَادِكَ عَلَيْكَ وَ اَرْفَعَهُمْ عِنْدَكَ دَرَجَةً.

۶۴۔ اَللّٰهُمَّ اَتَّبِعْهُ مِنْ اُمَّتِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِمَا تَقَرُّ بِهِ عَيْنُهُ وَ اَجِزْهُ عَنَّا خَيْرَ مَا
جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنِ اُمَّتِهِ وَ اَجِزْ الْاَنْبِيَاءَ كُلَّهُمْ خَيْرًا، السَّلَامُ عَلٰى الْمُرْسَلِينَ
وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

۶۵۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِهِ وَ اَصْحَابِهِ وَ اَوْلَادِهِ وَ اَهْلِ بَيْتِهِ
وَ ذُرِّيَّتِهِ وَ مُجَبِّيهِ وَ اَتْبَاعِهِ وَ اَشْيَاعِهِ وَ عَلَيْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِينَ يَا اَرْحَمَ
الرَّاحِمِينَ.

قیامت کے دن مقرب مقام کے سوال کی فضیلت

حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ جس شخص نے مجھ پر صلاۃ بھیجا اور یہ
کہا ”اللّٰهُمَّ اعْطِهِ الْمَقْعَدَ الْمُقْرَبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ (اے اللہ تعالیٰ قیامت کے
دن آپ ﷺ کو اپنے ہاں مقرب مقام عطا فرما) ایسے کہنے والے کے لیے میری شفاعت
واجب ہوگئی۔

ہمارا آخری کلام یہی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا
مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ صَحْبِهِ وَ التَّابِعِينَ وَ سَلَّمَ تَسْلِيمًا وَ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نَعْمَ الْوَكِيلُ۔

—❦—

مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي

شفاء السقم

في

زيارة حرم الأئمة

للشيخ الإمام الفقيه المحقق الشيخ أبي بكر السبكي الشافعي رحمه الله عليه



|| مکتبہ مجلس روڈ لاہور
© 042-7313885

توزیر رضویہ پبلیکیشنز

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وهو حسبي ونعم الوكيل (١)

الحمد لله الذي من علينا برسوله، وهدانا به الى سواء سبيله، وامرنا بتعظيمه وتكريمه وتبجيله، وفرض على كل مؤمن ان يكون احب اليه من نفسه وابويه وتخليه، وجعل اتباعه سببا لمحبة الله وتفضيله، ونصب طاعته عاصمة من كيد الشيطان وتضليله، ويعنى عن جملة القول وتفصيله، رفع ذكره وما اثنى عليه في محكم الكتاب وتنزيله، صلى الله عليه وسلم صلاة دائمة بدوام طلوع النجم وأفوله .

أما بعد فهذا كتاب سميت (شفاء السقام في زيارة خير الانام)

ورتبته على عشرة ابواب .

الأول في الاحاديث الواردة في الزيارة، الثاني في الاحاديث الدالة على ذلك وان لم يكن فيها لفظ الزيارة، الثالث فيما ورد في السفر اليها، الرابع في نصوص العلماء على استحبابها، الخامس في تقرير كونها قربة، السادس في كون السفر اليها قربة، السابع في دفع شبه الخضم وتبع كلماته، الثامن في التوسل والاستغاثة (٢) التاسع في حياة

(١) كذا في خط المؤلف ١٢ - هكذا في النسخ القديمة (٢) لاستقامة .

الانبياء عليهم الصلاة والسلام، العاشر في الشفاعة لتعلقها بقوله (من
زار قبري وجبت له شفاعتي) .

و.ضمنت هذا الكتاب الرد على من زعم ان أحاديث الزيارة
كلها موضوعة و ان السفر اليها بدعة غير مشروعة، وهذه المقالة أظهر
فسادا من ان يرد العلماء عليها، ولكني جعلت هذا الكتاب مستقلا في
الزيارة وما يتعلق بها مشتملا من ذلك على جملة يعز جمعها على طالبها،
و كنت سميت هذا الكتاب (شن الغارة على من انكر سفر الزيارة) .
ثم اخترت التسمية المتقدمة واستعنت بالله تعالى وتوكلت عليه
وهو حسبي ونعم الوكيل .

الباب الاول

في الاحاديث الواردة في الزيارة نصا

الحديث الاول

(من زار قبري وجبت له شفاعتي) رواه الدارقطني والبيهقي وغيرهما
اخبرنا الحافظ ابو محمد عبد المؤمن بن خلف بن ابي الحسن بن شرف
ابن الخضر بن موسى التوني الدمياطي رحمه الله تعالى بجميع سبب
الدارقطني سماعا، قال انا الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل بن عبد الله
الدمشقي انا ابو الفتح ناصر بن محمد بن ابي الفتح ابوبرح (؟) القطان انا
ابو الفتح اسمعيل بن الفضل بن الاخشيد السراج انا ابوطاهر محمد بن
احمد بن محمد بن عبدالرحيم انا ابو الحسن علي بن عمر بن احمد بن
مهدي الحافظ الدارقطني رحمه الله، قال حدثنا القاضي المحاملي ثنا عبيد
ابن

ابن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر (۱) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (من زار قبری وجبت له شفاعتی) .

هكذا في عدة نسخ معتمدة من سنن الدارقطني عبيد الله مصغرا منها نسخة كتبها عنه أحمد بن محمد بن الحارث الاصفهاني وعليها طباق كثيرة على ابن عبدالرحيم فمن بعده الى شيخنا ، وكذلك رواه الدارقطني في غير السنن واتفقت روايته على ذلك في السنن وفي غيره من طريق ابن عبدالرحيم كما ذكرناه .

ومن طريق محمد بن عبدالملك بن بشران ، ومن طريق ابي النعمان تراب بن عبيد ايضا ، فاما رواية ابن بشران فاخبرنا بها عثمان ابن محمد في كتابه الى من مكة شرفها الله تعالى قال : اخبرنا الحافظ ابوالحسين يحيى بن علي القرشي بمصر و ابواليمن بن عساكر بمكة بقراءتي عليها ، قال انا ابوالبركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعي العدل وهو جد ابي اليمن بدمشق قال ابوالحسين بقراءتي عليه وقال ابواليمن قراءة عليه ، قال انا عمي ابوالحسين هبة الله بن الحسن بن هبة الله الفقيه الاصولي الحافظ انا ابوطاهر عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر بن محمد ابن يوسف انا ابوبكر محمد بن عبدالملك بن بشران انا ابوالحسن على

(۱) قال الدولابي في الكنى في ترجمة عبيد الله العمري حدثنا علي بن معبد بن نوح حدثنا موسى بن هلال ثنا عبيد الله بن عمر ابو عبدالرحمن اخو عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری وجبت له شفاعتی قال - وما بين قبري ومقبري ترعة من ترع الجنة - عن المولوي محمد حسن الزمان الحيدرآبادي .

ابن عمر بن مهدي الدارقطني الحافظ ثنا القاضي المجاملي ثنا عبيدالله بن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من زار قبرى وجبت له شفاعتى) .

هكذا أورده أبو الين ابن أبي الحسن بن الحسن في (كتاب اتحاف الزائر واطراق المقيم للساتر) في زيارة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عندي عليه خط مصنفه وقراءة أبي عمرو عثمان بن محمد التوزرى لجمعه، عليه وكذلك أورده الحافظ أبو الحسين القرشى في كتاب الدلائل المينة في فضائل المدينة .

وقد قرأ عليه التوزرى أيضا وسمعه أيضا جماعة من شيوخنا على مصنفه المذكور رحمه الله تعالى، وإما رواية أبي النعمان ثراب بن عبيد فذكرها القاضي أبو الحسن علي بن الحسن الخلمي في فوائده وهي عشرون جزءا قرأت منها بئر الاسكندرية سنة اربع وسبعائة على الشيخ الفاضل المقرئ أبي الحسين يحيى بن أبي الفضل أحمد بن عبدالعزيز ابن عبدالله بن عبدالباق بن الصواف الجزء الاول والثاني وبعض الثالث وحدثني بهذا القدر كلمة كلمة فانه كان قد عمر وعنى وثقل سمعه فصرت أقرأ عليه لفظه لفظه ويبيدها لا تحقق سماعه ونا ولى جميع الاجزاء الستة الاولى والسادس عشر والسابع عشر والتاسع عشر بسماعه لذلك من ابن عماد سنة عشرين وستائة وقرأت منها بدمشق على المستد أبي عبدالله محمد بن أبي العز بن مشرف بن بنان الانصارى القدر الذى يرويه منها باتصال السماع وهو من اول الجزء الثامن الى آخرها وذلك ثلاثة عشر جزءا بسماعه من أبي صادق الحسن بن يحيى بن صباح الخزومي

المخزومي المصري اخبرنا ابن رفاعه والحديث المذكور في السابع من
 الفوائد المذكورة، وانا به شيخنا ابن الصواف المتقدم ذكره والشريف
 ابوالحسن علي بن احمد بن عبدالمحسن الغرافي في كتابنا يهيا الى من الثغر .
 قالوا انا ابو عبدالله محمد بن عماد بن محمد الخراي قال ابن الصواف
 بقراءة والدي عليه وانا اسمع سنة عشرين، وقال الغرافي بقراءة
 والدي عليه وانا اسمع سنة ثلاثين وستمائة قال انا ابو محمد عبدالله بن
 رفاعه بن غدير السعدي الفرضي (ح) وكتب الى عثمان بن محمد من
 مكة شرفها الله تعالى انه قرأ على الحافظ ابى الحسين يحيى بن علي
 القرشي في تصنيفه المسمى بكتاب الدلائل المينة في مسائل المدينة .
 قال انا القاضي ابو محمد عبدالله بن محمد الشافعي بقراءة والدي عليه بمصر
 و ابو عبدالله محمد بن ابى المعالي الخراي بالاسكندرية قالوا انا ابو محمد عبدالله
 ابن ابى الخير الشافعي الفرضي انا القاضي ابوالحسن علي بن الحسن بن
 الحسين بن محمد الشافعي المعروف بالخلعي انا ابوالنعمان تراب بن عمر
 ابن عبيد ثنا ابوالحسن علي بن عمر الدارقطني ثنا ابو عبدالله الحسين بن
 اسماعيل قال ثنا عبيد بن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن
 عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه
 وسلم (من زار قبري وجبت له شفاعتي) .
 وعن رواها من طريق الخلعي الحافظ ابو القاسم بن عساكر في
 تاريخه في باب ان من زار قبره صلى الله عليه وسلم بعد وفاته كان كمن
 زار حضرته في حال حياته .
 اخبرنا بذلك عبدالمؤمن بن خلف و علي بن محمد وغيرهما مشافهة
 عن القاضي ابى نصر محمد بن هبة الله الشيرازي قال انا الحافظ ابو القاسم

ابن عساكر قال انا خالي ابو المعالي محمد بن يحيى القرشي القاضي بدمشق
انا ابو الحسن علي بن الحسن الخلعري انا تراب بن عمر بن عبيد ثنا
ابو الحسن الدارقطني ثنا ابو عبد الله الحسين بن اسماعيل ثنا عبيد بن محمد
الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن
ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من زار قبرى وجبت
له شفاعتى) فقد اتفقت الروايات عن الدارقطني عن المحاملى على عبيد الله
مصعبا وكذلك رواه غير الدارقطني عن غير المحاملى عن عبيد بن محمد
انا بذلك عبد المؤمن بن خلف وغيره اذنا عن ابى نصر الشيرازى انا
ابن عساكر انا ابو القاسم الشحامى انا ابو بكر البيهقى انا ابو عبد الله الحافظ
انا ابو الفضل محمد بن ابراهيم ثنا محمد بن زنجويه العشيرى ثنا عبيد بن
محمد بن القاسم بن ابى مريم الوراق ، وكان نيسابورى الاصل سكن
بغداد. ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن
عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من زار قبرى وجبت له
شفاعتى) فقد ثبت عن عبيد بن محمد روايته على التصغير وعبيد بن
محمد ثقه قاله الخطيب رحمه الله تعالى ورواه عن موسى بن هلال عن
عبيد بن محمد جماعة منهم جعفر بن محمد البزورى قال العقيلي فى كتابه
ثنا محمد بن عبد الله الحضرمى ثنا جعفر بن محمد البزورى ثنا موسى بن
هلال البصرى عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم (من زار قبرى فقد وجبت له شفاعتى) هكذا رأته
فى نسخة عبيد الله .

ومنهم محمد بن اسماعيل بن سمرة الاحمسي واختلف عليه فروى
عنه مصعبا كما رواه غيره اخبرنا بذلك عبد المؤمن بن غيره اذنا عن
ابى

ابى نصر انا على بن الحسن الحافظ انا اسماعيل بن محمد بن الفضل الحافظ
 انا احمد بن على بن خلف انا ابوالقاسم بن حبيب حدثنا ابوبكر احمد
 ابن نصر بن نصر بن بكار البخارى انا ابوعبدالرحمن عبدالله بن عبيدالله
 ثنا محمد بن اسماعيل الاحمسي عن موسى بن هلال عن عبيدالله وروى عنه
 مكبرا انا بذلك اقسيان (?) بن محفوظ بن محمود بن هلال بقراءتي عليه سنة
 ست وسبعائة انا ابوسعيد قايماز بن عبدالله المعظمي انا الحافظ ابوطاهر
 احمد بن محمد السلقى انا ابوسعيد احمد بن الحسن بن احمد بن على بن
 الخصب الخناسارى انا ابوبكر احمد بن الفضل بن محمد المقرئ امام الجامع
 باصبهان ثنا ابوبكر محمد بن الحسن بن يوسف بن يعقوب الامام ثنا
 عبيدالله بن محمد بن عبدالكريم الرازى ثنا محمد بن اسماعيل بن سمرة
 الاحمسي ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبدالله بن عمر هكذا نقلته
 من خط الحافظ ابى محمد عبدالعظيم المنذرى رحمه الله .

وهكذا قاله ابو احمد بن عدى فى كتاب الكامل كما انا عبدالمؤمن
 وآخرون عن ابى الحسن بن المقير عن ابى الكرم بن الشهرزورى انا
 اسماعيل بن مسعدة الاسماعيلى (ح) وانا عبدالمؤمن وغيره أيضا عن
 ابن عجيل (?) انا على بن الحسن الدمشقى انا ابوالقاسم الشحامى انا ابوبكر
 البيهقى انا ابوسعيد المالينى (ح) قال الدمشقى وانا ابوالقاسم ابن السمرقند
 انا اسماعيل بن مسعدة انا حمزة بن يوسف قالا انا ابو احمد بن عدى
 الحافظ حدثنا محمد بن موسى الحلوانى (ح) قال الدمشقى واخبرنا على بن
 ابراهيم الخطيب انا رشأ بن نظيف انا الحسن بن اسماعيل ثنا احمد بن
 مروان ثنا محمد بن عبدالعزيز الدينورى قالا ثنا محمد بن اسماعيل
 ابن سمرة ثنا موسى بن هلال ثنا عبدالله بن عمر، وكذلك كتب الى

عثمان بن محمد من مكة شرفها الله تعالى انه قرأ على الحافظ يحيى بن علي
 انا الحافظ علي بن المفضل قراءة عليه غير مرة والقاضي ابو القاسم حمزة
 ابن علي بن عثمان المخزومي قالا انا الحافظ ابو طاهر السلفي (ح)
 وانا جماعة عن جماعة عنه انا ابو ابراهيم الخليل بن عبد الجبار انا
 سليم بن ايوب انا احمد بن عبدالله المعدل بالري انا عبد الرحمن بن ابي
 حاتم الرازي ثنا محمد بن اسماعيل الاحمسي ثنا موسى بن هلال عن
 عبدالله بن عمر .

ومرض الحافظ يحيى بن علي القرشي هذه الرواية وذكر ان
 الصواب عيد الله بالتصغير ورأيت في تاريخ ابن عساكر بخط ابي
 عبدالله البرزالي المحفوظ عن ابن سمرة (عيد الله) وقال ابو احمد بن عدى
 في كتاب الكامل فيما انا جماعة بالاسناد المتقدم اليه عبدالله اصح
 وفيما قاله نظر، والذي ترجح ان يكون عيد الله لتضافر روايات عيد
 ابن محمد كلها وبعض روايات ابن سمرة ولما تذكره من متابعة مسلمة
 الجهني لموسى بن هلال كما سيأتي في الحديث الثالث .

ويحتمل ان يكون الحديث عن عيد الله وعبد الله جميعا ويكون
 موسى سمعه منها وتارة حدث به عن هذا وتارة عن هذا ومن رواه
 عن موسى عن عبدالله الفضل بن سهل فيما انا ابو محمد الدمياطي وغيره
 اذنا عن ابي نصر انا ابن عساكر انا ابو سعد احمد بن محمد البغدادي انا
 ابو نصر محمد بن احمد بن محمد انا ابو سعيد الصيرفي انا ابو عبدالله محمد
 ابن عبدالله بن احمد الصفار ثنا ابو بكر بن ابي الدنيا ثنا الفضل بن سهل
 ثنا موسى بن هلال ثنا عبدالله بن عمر، وهكذا قاله ابو الحسين يحيى بن
 الحسن الحسيني في كتاب اخبار المدينة قال ثنا رجل من طلبة العلم ثنا الفضل

(١) ابن

ابن سهل فذكره .

قال حفيد صاحب الكتاب الحسن بن محمد بن يحيى في موضع آخر منه يعني ابا بكر وكذلك رواه ابن الجوزى في (مثير العزم الساكن) ونقله من خطه قال ابانا الحريري انا الخياط انا ان درست ثنا ابن صفوان ثنا ابو بكر القرشي وهو ابن ابى الدنيا فذكره وهذه الطريق ان صحت تحمل على ان الحديث عنها كما قد مناه فانه لاتنا في في ذلك على ان عبدالله المكبروى له مسلم مقرونا بغيره، وقال احمد رحمه الله صالح .

وقال ابو حاتم رأيت احمد بن حنبل يحسن الثناء عليه وقال يحيى ابن معين ليس به بأس يكتب حديثه وقال انه في نافع صالح وقال ابن عدى لا بأس به صدوق، وقال ابن حبان كان ممن غلب عليه الصلاح حتى غلب عن ضبط الاخبار وجودة الحفظ والآثار تقع المناكير في روايته فلما فحش خطاؤه استحق الترك، وهذا الكلام من ابن حبان يعرفك انه لم يتكلم فيه لجرح في نفسه وانما هو لكثرة غلظه .

واما حكمه باستحقاقه الترك فنخالف لاجراجه مسلم رحمه الله تعالى له في المتابعات وليس هذا الحديث في مظنة ان يحصل فيه التباس على عبدالله لافي سنده ولا في متنه فانه في نافع كما سبق وخصيص به ومتن الحديث في غاية القصر والوضوح فاحتمال خطائه فيه بعيد والرواية جميعهم الى موسى بن هلال ثقات لاربية فيهم، وموسى بن هلال قال ابن عدى ارجوانه لا بأس به، واما قول ابى حاتم الرازى فيه انه مجهول فلا يضره فانه اما ان يريد جهالة العين او جهالة الوصف فان

أراد جهالة العين وهو غالب اصطلاح اهل هذا الشأن في هذا الاطلاق
فذلك مرتفع عنه لانه قد روى عنه احمد بن حنبل ومحمد بن جابر
المخاربي ومحمد بن اسمعيل الاحمسي وابوامية محمد بن ابراهيم الطرسوسي
وعبيد بن محمد الوراق والفضل بن سهل وجعفر بن محمد البزوري
وبرواية اثنين تتفي جهالة العين فكيف برواية سبعة .

وان أراد جهالة الوصف فرواية احمد عنه ترفع من شأنه لاسبابها
مع مقاله ابن عدى فيه .

ومن ذكره في مشايخ احمد رحمه الله تعالى ابو الفرج ابن الجوزي
وابو اسحاق الصريفي واحمد رحمه الله لم يكن يروى الا عن ثقة وقد
صرح الخصم بذلك في الكتاب الذي صنفه في الرد على البكري بعد
عشر كراريس منه، قال ان القائلين بالجرح والتعديل من علماء الحديث
نوعان منهم من لم يرو الا عن ثقة عنده كمالك وشعبة ويحيى بن سعيد
وعبدالرحمن بن مهدي واحمد بن حنبل وكذلك البخاري وأمثاله .
وقد كفانا الخصم بهذا الكلام مؤنة تبين ان احمد لا يروى
الا عن ثقة وحيث لا يبقى له مطعن فيه .

واما قول العقيلي انه لا يتابع عليه وقول اليهقي سواء أقال عبيد الله
أم عبد الله فهو منكر عن نافع عن ابن عمر لم يأت به غيره فهذا وما في
معناه يدل على انه لاعلة لهذا الحديث عندم الا تفرد موسى به وانهم
لم يحتملوه له لخفاء حاله والافكم من ثقة يتفرد باشياء ويقبل منه،
واما بعد قول ابن عدى فيه ما قال ووجود متابع فانه يتعين قبوله
وعدم رده، ولذلك والله اعلم ذكره عبدالحق رحمه الله في الاحكام
الوسطى والصغرى وسكت عنه وقد قال في خطبة الاحكام الصغرى
انه

الضعيفة من هذا النوع يقويها ويوصلها الى رتبة الحسن .
 وبهذا بل بأقل منه يتبين افتراء من ادعى ان جميع الاحاديث
 الواردة في الزيارة موضوعة فسبحان الله أما استحي من الله ومن
 رسوله في هذه المقالة التي لم يسبقه اليها عالم ولا جاهل لامن اهل
 الحديث ولا من غيرهم ولا ذكر أحد موسى بن هلال ولا غيره من
 رواة حديثه هذا بالوضع ولا اتهمه به فيما علمنا فكيف يستجيز مسلم
 ان يطلق على كل الاحاديث التي هو واحد منها انها موضوعة، ولم
 ينقل اليه ذلك عن عالم قبله ولا ظهر على هذا الحديث شيء من
 الاسباب المقتضية للحديث للحكم بالوضع ولا حكم منه بما يخالف الشريعة
 فن أي وجه يحكم بالوضع عليه لو كان ضعيفا فكيف وهو حسن
 أوصحيح .

ولنقتصر على هذا القدر عما يتعلق بسند هذا الحديث الاول، واما
 منه قوله « وجبت » معناه حقت و ثبتت ولزمت وانه لا بد منها لوعده
 صلى الله عليه وسلم تفضلا منه .
 وقوله صلى الله عليه وسلم له ، اما ان يكون المراد له بخصوصه
 بمعنى ان الزائر ينحصر بشفاعته لا تحصل لغيره عموما ولا خصوصا .
 واما ان يكون المراد انهم يفردون بشفاعته عما يحصل لغيره
 ويكون افرادهم لذلك تشريفا وتنويها بهم بسبب الزيارة ، واما ان
 يكون المراد انه ببركة الزيارة يجب دخوله في عموم من تنا له
 الشفاعة .

وفائدة ذلك البشرى بأنه يموت مسلما، وعلى هذا التقدير الثالث
 يجب اجراء اللفظ على عمومه لانا لو أضمرنا فيه شرط الوفاة على

الاسلام لم يكن لذكر الزيارة معنى لان الاسلام وحده كاف في نيل هذه الشفاعة وعلى التقديرين الاولين يصح هذا الاضمار .
 فالحاصل ان اثر الزيارة إما الوفاة على الاسلام مطلقا لكل زائر وكفى بها نعمة ، وإما شفاعة خاصة بالزائر أخص من الشفاعة العامة للمسلمين ، وقوله « شفاعتى » فى الاضافة اليه تشرىف لها فان الملائكة والانبيا والمؤمنين يشفعون والزائر لقبره صلى الله عليه وسلم له نسبة خاصة منه فيشفع فيه هو بنفسه والشفاعة تعظم بعظم الشافع فكما ان النبي صلى الله عليه وسلم افضل من غيره كذلك شفاعته افضل من شفاعة غيره ويحتاج هنا الى ذكر الشفاعة الاخرى ولكنى أؤخر الكلام فيها لتلايل الناظر قبل كمال مقصوده من الزيارة .

الحديث الثانى

(من زار قبرى حلت له شفاعتى) رواه الامام ابو بكر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار فى مسنده ، قال : حدثنا قتيبة ثنا عبد الله بن ابراهيم ثنا عبد الرحمن بن زيد عن ابيه عن ابن عمر رضى الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم : من زار قبرى حلت له شفاعتى ، وهذا هو الحديث الاول بعينه ولذلك عزاه عبد الحق رحمه الله الى الدارقطنى والبزار جميعا الا ان فى الحديث الاول « وجبت » وفى هذا « حلت » فلذلك أفردته ، وقد نقلته من نسخة معتمدة سمعها الحافظ القاضى ابو على الحسين ابن محمد الصدقى على الشيخ الفقيه صاحب الأحكام ابو محمد عبدالله بن محمد بن اسماعيل بن فورث فى سنة ثمانين واربعمائة بسرقسطة وعليها خط ابى محمد عبدالله بن فورث بسامع للصدقى عليه وانه حدثه بها عن الشيخ ابى عمر احمد بن محمد المقرئ الطلمنكى اجازة انا ابو عبدالله محمد

المقصود من هذا الحديث تقوية الأول به وشهادته له لم يضر ما قيل في هذين الرجلين اذ ليس راجعا الى تهمة كذب ولا فسق ومثل هذا يحتمل في المتابعات والشواهد .

الحديث الثالث

(من جاءني زائرا لا يعمله حاجة الا يبارتني كان حقا علي ان اكون له شفيعا يوم القيامة) .

رواه الطبراني في معجمه الكبير والدارقطني في اما ليه وابوبكر ابن المقرئ في معجمه وصححه سعيد بن السكن وهو من رواية مسلبة الجهني عن عبيدالله العمري ففيه متابعة لموسى بن هلال في شيخه وبيان لانه لم يتفرد بالحديث وكان ينبغي لاجل ذلك ان تذكره مع الاول لكن لما تضمن زيادة معنى افردناه، وقد ورد في بعض الروايات لا يعمله وفي بعضها لا يزرعه واختلف على مسلبة في عبيدالله وعبدالله كما اختلف على موسى بن هلال، فرواه عبدالله بن محمد العبادي البصري عن مسلبة عن عبيدالله مصفرا عن نافع والعبادي بضم العين المهمة وقع الباء المخففة المنقوطة بواحدة وفي آخره الدال نسبة الى عباد بن ضبيعة بن قيس بن ثعلبة بن عكابة بن صعب بن علي بن بكر، قال ابوسعاد بن السمعاني والمشهور بالنسبة اليهم عبدالله بن محمد العبادي يروي عن الحسن بن حبيب بن ندبة، حدث عنه عبدان وغيره وقاله الصوري بتشديد الباء قال ابن ماكولا ما نعرفه الا مخففا .

اخبرنا ابو الفضل اسحاق بن ابي بكر بن ابراهيم ابن النحاس الاسدي بقراءتي عليه بجامع دمشق في عاشر صفر سنة ثمان وسبعماية قلت له اخبرك الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل بن عبدالله الدمشقي قراءة

عليه وانت تسمع انا ابو عبدالله محمد بن ابي زيد بن حمد بن نصر الكراني
انا ابو منصور محمود بن اسماعيل بن محمد الصيرفي انا ابو الحسين احمد
ابن محمد بن الحسين بن فاذشاه انا ابو القاسم سليمان بن احمد بن ايوب
ابن مطير اللخمي الطبراني ثنا عبدان بن احمد ثنا عبدالله بن محمد العبادي
البصري ثنا مسلمة بن سالم الجهني حدثني عبيدالله بن عمر عن نافع عن
سالم عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
من جاءني زائرا لا عمله حاجة الا يبارتي كان حقا علي ان اكون له
شفيعا يوم القيامة . و اخبرنا به ايضا علي بن احمد الغرافي في كتابه انا
ابن عماد انا ابن رفاعه انا الخلعى (ح) و كتب الى عثمان بن محمد
انه قرأ علي الحافظ يحيى بن علي القرشي انا عبدالله بن محمد و ابن عماد
قالا انا ابن رفاعه انا الخلعى انا ابو النعمان تراب بن عمر بن عبيد بن
محمد بن عباس العسقلاني ثنا ابو الحسن علي بن عمر بن احمد بن مهدي
الدارقطني البغدادي املاء بمصر ثنا يحيى بن محمد بن صاعد ثنا ابو محمد
عبدالله بن محمد العبادي من بني عباد بن ربيعة في بني مرة بالبصرة سنة
خمسین و مائین حدثنا مسلمة بن سالم الجهني امام مسجد بني حرام
و مؤديهم ثنا عبيدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابيه قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم من جاءني زائرا لم تنزعه حاجة الا يبارتي كان حقا
علي ان اكون له شفيعا يوم القيامة .

و اخبرنا ايضا عبد المؤمن وغيره اذنا عن ابي نصر انا ابن عساكر
انا خالي ابو المعالي محمد بن يحيى بن علي انا علي بن الحسن بن الحسين الخلعى
فذكره باسناده و مته و في هذين الطريقين اعني طريق عبدان و طريق
يحيى بن محمد بن صاعد نافع عن سالم و رواه غيرهما فقال فيه عن نافع

و سالم كذلك قرى على ابي الفضل اسحاق بن ابي بكر بن ابراهيم بن هبة الله
ابن طارق بن سالم بن النحاس الاسدي الخنق في معجم ابن المقرئ وانا
اسمع بدمشق ان الحافظ ابا الحجاج يوسف بن خليل الدمشقي اخبره قراءة
عليه وهو يسمع بحلب انا ابو مسلم المؤيد بن عبدالرحيم بن احمد ابن الاخوة
وزوجه عين الشمس بنت ابي سعيد بن الحسن قال انا ابو الفرج سعيد
ابن ابي الرجاء الصيرفي قال المؤيد سمعا وقالت زوجته اجازة قال
انا الشيخان ابو طاهر احمد بن محمود الثقفي و ابو الفتح منصور بن
الحسين بن علي بن القاسم قال انا ابو بكر محمد بن ابراهيم بن علي بن عاصم
ابن المقرئ (ح) واخبرنا عبد المؤمن بن خلف وغيره اذنا عن ابي
نصر انا علي بن الحسن بن هبة الله اخبرناه ابو الفرج سعيد بن ابي
الرجاء الاصبهاني انا منصور بن الحسين و ابو طاهر بن محمود قال انا ابو بكر
ابن المقرئ ثنا محمد بن احمد بن محمد الشطوي ببغداد ثنا عبدالله بن
يزيد الخثعمي ثنا عبدالله بن محمد حدثني مسلمة بن سالم الجهني امام مسجد
نبي حرام ومؤديهم بالبصرة قال حدثني عبيدالله بن عمر العمري عن
نافع و سالم عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من
جاءني زائرا لا ينزعه الا زيارتي كان حقا على الله عزوجل ان اكون
له شفيعا يوم القيامة، وفي رواية ابن عساكر حق بالرفع وهذه الطرق
كلها متفقة عن عبدالله بن محمد العبادي عن مسلمة عن عبيدالله مصفرا .
ورواه مسلم بن حاتم الانصاري عن مسلمة عن عبدالله اخبرنا
بذلك ابن خلف وغيره اذنا عن ابن هبة الله انا الدمشقي انا ابو علي الحداد
في كتابه حدثني عبدالرحيم بن علي ابو مسعود عنه انا ابو نعيم الحافظ
حدثنا ابو محمد بن جيان ثنا محمد بن احمد بن سليمان الهروي ثنا مسلم بن

حاتم

حاتم الانصارى ثنا مسلمة ابن سالم الجهنى حدثنى عبد الله يعنى العمري
حدثنى نافع عن سالم عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
من جاءنى زائرا لم تنزعه حاجة الا زيارتى كان حقا على أن اكون له
شفيعا يوم القيامة :

هذه طرق هذا الحديث وقد ذكره الامام الحافظ ابو على سعيد
ابن عثمان بن سعيد بن السكن البغدادي المصري البزار في كتابه المسمى
بالسنن الصحاح المأثورة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو كتاب
مخدوف الأسانيد قال في خطبته :

اما بعد فانك سألتني ان اجمع لك ما صح عندي من السنن
المأثورة التي نقلها الأئمة من اهل البلدان الذين لا يطعن عليهم طاعن
فيما نقلوه فتدبرت ما سألتني عنه فوجدت جماعة من الأئمة قد تكلفوا
ما سألتني من ذلك ، وقد وعيت جميع ما ذكروه ، حفظت عنهم اكثر
ما نقلوه واقتديت بهم واجبتك الى ما سألتني من ذلك وجعلته ابوابا
في جميع ما يحتاج اليه من احكام المسلمين ، فاول من نصب نفسه لطلب
صحيح الآثار البخارى و تابعه مسلم و ابوداود و النسائي و قد تصفحت
ما ذكروه و تدبرت ما نقلوه فوجدتهم مجتهدين فيما طلبوه فما ذكرته
في كتابي هذا مجملا فهو بما اجمعوا على صحته ، و ما ذكرته بعد ذلك
بما يختاره احد من الأئمة الذين سميتهم فقد بينت حجته في قول ما ذكره
ونسبه الى اختياره دون غيره ، و ما ذكرته مما يتفرد به احد من اهل
النقل للحديث فقد بينت علته و دللت على انفراده دون غيره ، و بالله
التوفيق .

قال في هذا الكتاب في آخر كتاب الحج باب ثواب من زار

قبر النبي صلى الله عليه وسلم ، عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من جاني زائر لم تنزع حاجته الا زيارتي كان حقا على ان اكون له شفيعا يوم القيامة ، صلى الله عليه وسلم ويذكر ابن السكن في هذا الباب غير هذا وذلك منه حكم بانه مجمع على صحته بمقتضى الشرط الذي شرطه في الخطبة وابن السكن هذا امام حافظ ثقة كثير الحديث واسع الرحلة سمع بالعراق والشام ومصر وخراسان وما وراء النهر من خلائق وهو بغدادى سكن مصر ومات بها في النصف من المحرم سنة ثلاث وخمسين وثلاثمائة وتبويب ابن السكن يدل على انه فهم منه ان المراد بعد الموت او ان ما بعد الموت داخل في العموم وهو صحيح .

الحديث الرابع

(من حج فزار قبري بعد وفاتي فكأنما زارني في حياتي) رواه الدارقطني في سننه وغيرها ورواه غيره ايضا .
 اخبرنا عبد المؤمن بن خلف الحافظ انا يوسف بن خليل الحافظ انا ناصر بن محمد ابو برج انا اسماعيل بن الفضل بن الاخشيد انا ابو طاهر بن عبد الرحيم انا علي بن عمر الحافظ الدارقطني قال حدثنا عبد الله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا ابو الربيع الزهراني (ح) وقرأت على ابي محمد اسحاق بن يحيى بن اسحاق بن ابراهيم الآمدي واللفظ له اخبرك يوسف بن خليل الحافظ انا محمد بن ابي زيد الكراني انا محمود الصيرفي انا ابن فاذشاه انا الطبراني ثنا الحسين بن اسحاق التستري ثنا ابو الربيع الزهراني ثنا حفص بن ابي داود عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من حج فزار قبري بعد وفاتي كان

كان كمن زارني في حياتي .

و كتب الى عثمان بن محمد من مكة انه قرأ على الحافظ ابي الحسين بمصر قال انا ابو البركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعي انا ابوطاهر عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر بن يوسف البغدادي انا ابوبكر محمد بن عبدالملك بن بشران انا ابوالحسن الدارقطني حدثنا عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا ابوالربيع ثنا حفص بن ابي داود عن ليث بن ابي سليم : عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج فزار قبري بعد وفاتي فكأنما زارني في حياتي .

واخبرناه عبدالؤمن وغيره اذنا عن الشيرازي انا الحافظ الدمشقي (؟) انا ابو عبدالله الخلال انا ابراهيم بن منصور انا ابوبكر ابن المقرئ انا ابو يعلى الموصلي ثنا ابو الربيع ثنا حفص بن ابي داود عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من حج فزارني بعد وفاتي كان كمن زارني في حياتي ، وكذلك رواه ابواحمد بن عدى في الكامل .

اخبرناه ابو محمد التوني ، هو الحافظ الدمياطي ، وآخرون اذنا عن ابي الحسن النجار عن ابي الكرم المبارك بن الحسن الشهرزوري انا اسماعيل بن مسعدة الاسماعيلي انا حمزة بن يوسف السهمي انا ابواحمد عبدالله بن عدى الجرجاني انا الحسن بن سفيان ثنا علي بن حجر ، وثنا عبدالله بن محمد البغوي ثنا ابو الربيع الزهراني ، قال علي ثنا حفص بن سليمان وقال ابو الربيع ثنا حفص بن ابي داود وقالوا عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في

حياتي وصحبي واللفظ لابن سفيان.

وذكر ابو بكر البيهقي في السنن رواية ابن عدى هذه من الطريقين
عن ابي سعد الماليني عن ابن عدى وذكر ابن عدى ذلك في ترجمة
حفص بن سليمان الاسدي الغاضري القاري وذلك حكم منه بانه حفص
ابن ابي داود المذكور في الاسناد وقال اعني ابن عدى ان ابا الربيع
الزهراني يسميه حفص بن ابي داود لضعفه وهو حفص بن سليمان،
وقال البيهقي تفرد به حفص وهو ضعيف وكذلك حكم الحافظ ابن
عساكر ورواه مسمى.

اخبرنا الدمياطي اذنا ابنا انا ابن هبة الله الشيرازي انا ابن عساكر انا
الخلال انا ابراهيم بن منصور السلي انا ابو بكر ابن المقرئ انا ابوسعيد
المفضل بن محمد بن ابراهيم الجندی ثنا مسلة وهو ابن شيب ثنا
عبدالرزاق ثنا ابو عمر حفص بن سليمان (ح) قال ابن عساكر وانا
ابوالقاسم ابن السمرقندي انا ابوالقاسم اسماعيل بن مسعدة انا حمزة بن
يوسف السهمي قالوا انا ابو احمد بن عدى انا الحسن بن سفيان ثنا
علي بن حجر (ح) قال ابن عساكر وانا ابوالقاسم الشحامى انا ابو بكر
البيهقي انا علي بن احمد بن عبدان ثنا احمد بن عبيد حدثني محمد بن
اسحاق الصفار ثنا ابن بكار ثنا حفص بن سليمان عن ليث عن مجاهد
عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج فزار قبري
بعد موتي كان كمن زارني في حياتي.

زاد السهمي، «وصحبي»، ورواه البيهقي في السنن بدون هذه
الزيادة عن عبدالله بن يوسف انا محمد بن نافع الخزاعي ثنا المفضل
الجندی فذكره سنداً ومتناً كما ذكره ابن عساكر من طريق ابن المقرئ.
وكتب

لم يتفرد بهذا الحديث ، وقول البيهقي رحمه الله تعالى انه تفرد به بحسب ما اطلع عليه . وقد جاء في معجم الطبراني الكبير والاوسط متابعته .
 اخبرنا به في المعجم الكبير ابو محمد اسحاق بن يحيى الآمدى بقراءتي عليه بسفح قاسيون في يوم السبت رابع عشر صفر سنة ثمان وسبعائة قلت له اخبرك الحافظ ابو الحجاج قراءة عليه وانت تسمع انا ابن ابي زيد الكراني انا محمود الصيرفي انا ابن فاذشاه انا الطبراني رحمه الله ثنا احمد بن رشدين ثنا علي بن الحسن بن هارون الانصاري ثنا الليث ابن بنت الليث بن ابي سليم قال حدثني جدتي عائشة بنت يونس امرأة الليث عن ليث بن ابي سليم عن مجاهد عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من زار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي ، واخبرناه أيضا عبدالمؤمن وغيره اذنا عن ابن ميميل (؟) انا الحافظ علي بن الحسن انا ابو الفتح احمد بن محمد بن احمد ابن سعيد الحداد في كتابه انا عبد الرحمن بن محمد بن حفص الهمداني ثنا سليمان بن ايوب وهو الطبراني - فذكره .

وقد روى بعضهم هذا الحديث فقال فيه جعفر بن سليمان الضبي كذلك وقع في جزء ابي بكر محمد بن السري ، اخبرنا به عبدالمؤمن الحافظ اذنا عن يوسف بن خليل الحافظ انا ابو الفتح نصر بن ابي الفرج بن علي الحصري انا ابو محمد محمد بن احمد بن عبدالكريم التميمي انا ابو نصر محمد بن محمد بن علي الزيني (ح) وانا عبدالمؤمن أيضا قال انا ابو نصر انا ابن عساكر انا ابو الفرج عبد الخالق بن احمد بن عبد القادر بن محمد بن يوسف انا الزيني (ح) وانا عليا ابو جعفر محمد بن علي بن الحسين بن سالم السلي المردي ابن الموازي بمكاتبة
 و مشافهة

فاذكره وروى في صدر ترجمته عن عمران بن موسى الزجاجي انه ثقة وعن موسى بن هارون انه متهم وهذه التهمة غير مفسرة فالحكم بالتوثيق مقدم عليها، وذكر ابو الحسن الدارقطني رحمه الله هذا الحديث في احاديث مالك بن انس الغرائب التي ليست في الموطا وهو كتاب ضخم. قال ثنا ابو عبدالله الايلي وعبدالباقي قالانا ثنا محمد بن محمد بن النعمان ابن شبل ثنا جدي ثنا مالك عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني، قال الدارقطني تفرد به هذا الشيخ وهو منكر هذه عبارة الدارقطني، والظاهر ان هذا الانكار منه بحسب تفرده وعدم احتمالها بالنسبة الى الاسناد المذكور ولا يلزم من ذلك ان يكون المتن في نفسه منكرا ولا موضوعا وقد ذكره ابن الجوزي في الموضوعات وهو سرف منه ويكفي في الرد عليه ما قاله ابن عدى، وقال ابن الجوزي عن الدارقطني ان الحمل فيه على محمد بن محمد بن النعمان لا على جده وكلام الدارقطني الذي ذكرناه محتمل لذلك ولان يكون المراد تفرد النعمان كما قاله ابن عدى .

واما قول ابن حبان ان النعمان يأتي عن الثقات بالطامات فهو مثل كلام الدارقطني الا انه بالغ في الانكار، وقد روى ابن حبان في كتاب المجروحين عن احمد بن عبيد عن محمد بن محمد، وقول ابن الجوزي في كتاب الضعفاء ان الدارقطني طعن في محمد بن محمد بن النعمان فالذي حكيناه من كلام الدارقطني رحمه الله هو الانكار لا التضعيف فتصل من هذا ابطال الحكم عليه بالوضع لكنه غريب كما قال الدارقطني وهو لاجل كلام ابن عدى صالح لان يعتضد به غيره وهذا الحديث كان ينبغي

ينبغي تقديمه بعد الاول لكونه من طريق نافع ولكننا اخرناه لاجل ما وقع فيه من الكلام .

ومما يجب ان يتنبه له ان حكم المحدثين بالانكار والاستغراب قد يكون بحسب تلك الطريق فلا يلزم من ذلك ردمتن الحديث بخلاف اطلاق الفقيه ان الحديث موضوع فانه حكم على المتن من حيث الجملة فلا جرم قبلنا كلام الدارقطني ورددنا كلام ابن الجوزي والله اعلم .

وحدیث آخر

من رواية ابن عمر رضی الله عنهما ذكره الدارقطني في العلل في مسند ابن عمر في حديث: من استطاع ان يموت بالمدينة فليفعل . قال: ثنا جعفر بن محمد الواسطي ثنا موسى بن هارون ثنا محمد بن الحسن الختلي ثنا عبدالرحمن بن المبارك ثنا عون بن موسى عن ايوب عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله وسلم . من زارني الى المدينة كنت له شفيعا وشهيدا . قيل للختلي انما هو سفيان بن موسى قال اجعلوه عن ابن موسى ، قال موسى بن هارون ورواه ابراهيم بن الحجاج عن وهب عن ايوب عن نافع مرسلا عن النبي صلى الله عليه وسلم فلا ادري اسمه من ابراهيم بن الحجاج اولا ، وانما لم افرد هذا الحديث بترجمة لان نسخة العلل للدارقطني التي نقلت منها سقيمة .

الحدیث السادس

(من زار قبري - او من زارني - كنت له شفيعا - او شهيدا) رواه ابوداود الطيالسي في مسنده وقد سمعت المسند المذكور كله متفرقا على اصحاب ابن خليل .

اخبرنا ابوبكر احمد بن محمد بن ابى القاسم بن بدوان بن ابان

الدمشقي بقراءتي عليه بالشام سنة سبع وسبعائة قال انا الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل بن عبدالله الدمشقي بحلب سنة ثلاث واربعين وستائة قال انا القاضي ابو المكارم احمد بن محمد بن محمد بن عبدالله بن محمد بن عبدالرحمن بن محمد بن قيس اللبان قراءة عليه وانا اسمع غير مرة باصبهان في سنة احدى وتسعين وخمس مائة قبل له اخبركم ابو علي الحسن بن احمد بن الحسن الحداد المقرئ قراءة عليه وانت تسمع في محرم سنة اثني عشرة وخمسة فاقرئه قال انا الامام ابو نعيم احمد بن عبدالله بن احمد بن اسحاق الحافظ قراءة عليه وانا اسمع انا ابو محمد عبدالله بن جعفر ابن احمد بن فارس ثنا ابو بشر يونس بن حبيب ثنا ابو داود الطيالسي ثنا سوار بن ميمون ابو الجراح العبدي قال حدثني رجل من آل عمر عن عمر رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من من زار قبري - او قال - من زارني - كنت له شفيعا - او شهيدا ، ومن مات في أحد الحرمين بعثه الله عز وجل في الآمنين يوم القيامة .

وذكر البيهقي هذا الحديث في السنن الكبير من جهة الطيالسي رحمه الله وذكره الحافظ ابن عساكر من جهته ، أباناه عبد المؤمن وغيره عن ابن الشيرازي انا ابن عساكر انا ابو علي الحداد اجازة ثم انا ابن السمرقندي انا يوسف بن الحسن التفكير؟ قال انا ابو نعيم ثنا ابن فارس (ح) وبه الى ابن عساكر قال واخبرنا الشحامى انا ابو بكر البيهقي انا ابن فورك انا ابن فارس - قد ذكره . وسوار بن ميمون روى عنه شعبة لما سنذكره في الحديث السابع ورواية شعبة عنه دليل على ثقته عنده ، فلم يبق في الاسناد من ينظر فيه الا الرجل الذي من آل عمر والامر فيه قريب لاسيا في هذه الطبقة التي هي طبقة

للتابعين

التابعين، واما قول البيهقي هذا اسناد مجهول فان كان سيبه جهالة الرجل الذي من آل عمر فصحيح وقد يينا قرب الامر فيه، وان كان سيبه اعدم عليه بحال سوار بن ميمون فقد ذكرنا رواية شعبة عنه وهي كافية .

وقد روى البيهقي ايضا رواية شعبة عنه في غير السنن كما سنذكره في الحديث السابع وذكر البيهقي في موضع آخر انه اختلف قليل سوار بن ميمون و قيل ميمون بن سوار من رواية وكيع عنه .

الحديث السابع

(من زارني متعمدا كان في جوارى يوم القيامة) رواه ابو جعفر العقيلي وغيره من رواية سوار بن ميمون المتقدم على وجه آخر غير ما سبق .

اخبرنا الحافظ ابو محمد اذنا انا ابن الشيرازي في كتابه انا ابن عساكر سمعا انا الشحامي انا البيهقي انا ابو عبدالله الحافظ اخبرني على ابن عمر الحافظ ثنا احمد بن محمد الحافظ حدثني داود بن يحيى (ح) قال ابن عساكر وانا ابو البركات ابن الانماطي انا ابو بكر الشامي انا ابو الحسن انا ابو الحسن العتيق انا ابن الدخيل ثنا ابو جعفر محمد بن عمر والعقيلي ثنا محمد بن موسى قالا ثنا احمد بن الحسن الترمذي ثنا عبد الملك بن ابراهيم الجدي ثنا شعبة عن سوار بن ميمون عن (١) . وفي حديث الشحامي ، ثنا هارون بن قزعة عن رجل من آل الخطاب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : من زارني متعمدا كان في جوارى يوم القيامة . زاد الشحامي : ومن سكن المدينة و صبر على بلائها

(١) كذا في الاصل .

كنت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة ، قالوا ومن مات في احد الحرمين بعثه الله في الآمنين ، . وقال الشحامى : من الآمنين يوم القيامة و هارون بن قزعة ذكره ابن حبان فى الثقات والعقلى لما ذكره فى كتابه لم يذكر فيه اكثر من قول البخارى انه لا يتابع عليه فلم يبق فيه الا الرجل المبهم وارساله وقوله فيه من آل الخطاب ، كذا وقع فى هذه الرواية وهو يوافق قوله فى رواية الطيالسى من آل عمر وقد أسنده الطيالسى عن عمر كما سبق لكنى اخشى ان يكون الخطاب تصحيفا من حاطب فان البخارى لما ذكره فى التاريخ قال هارون ابو قزعة عن رجل من ولد حاطب عن النبي صلى الله عليه وسلم من مات فى احد الحرمين . روى عنه ميمون بن سوار . لا يتابع عليه ، وقال ابن حبان ان هارون ابن قزعة يروى عن رجل من ولد حاطب المراسيل ، وعلى كلا التقديرين فهو مرسل جيد .

واما قول الازدى ان هارون متروك الحديث لا يحتج به فلعل مستنده فيه ما ذكره البخارى والعقلى وبالغ فى اطلاق هذه العبارة لانها انما تطلق حيث يظهر من حال الرجل ما يستحق به الترك وقد عرفت ان ابن حبان ذكره فى الثقات وابن حبان اعلم من الازدى واثبت وقد روى عن هارون بن قزعة ايضا مسندا بلفظ آخر وهو (۱) .

الحديث الثامن

(من زارنى بعد موتى فكأ نما زارنى فى حياتى) ، رواه الدررطنى وغيره ، اخبرناه الحافظ ابو محمد الدمياطى سمعا عليه فى كتاب السنن للدارقطنى قال انا الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل انا الويرج انا

(۱) كذا .

(۴) الاخشيد

الحديث التاسع

(من حج حجة الاسلام وزار قبري و غزا غزوة و صلى على في بيت المقدس لم يسأله الله عزوجل فيما اقترض عليه) رواه الحافظ ابو الفتح الازدي في الثانی من فوائده . اخبرنا به ابو النجم شهاب بن علي المحنّي قراءة عليه وانا اسمع بالقراءة الصغرى في سنة سبع و سبعمائة و ابو الفتح ابن ابراهيم بقراءتي عليه سنة ثلاث و عشرين قالانا ابو محمد عبد الوهاب ابن ظافر بن علي بن قنوح الازدي المعروف بابن رواج قال الاول سماعا و قال الثاني اجازة قال انا الحافظ ابوطاهر بن احمد بن محمد بن احمد ابن ابراهيم بن سلفه السلفي الاصبهاني قراءة عليه وانا اسمع انا ابو طالب عبد القادر بن محمد بن يوسف بيغداد ثنا ابواسحاق بن ابراهيم بن عمر ابن احمد البرمكي انا ابو الفتح محمد بن الحسين بن احمد الازدي الحافظ ثنا النعمان بن هارون بن ابي الدهمات ثنا ابوسهل بدر بن عبد الله المصيصي ثنا الحسن بن عثمان الرمادي ثنا عمار بن محمد حدثني خالي سفيان عن منصور عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما . قال قال رسول الله عليه وسلم : من حج حجة الاسلام وزار قبري و غزا غزوة و صلى على في بيت المقدس لم يسأله الله عزوجل فيما اقترض عليه . عمار بن محمد ابن اخت سفيان الثوري روى له مسلم ، و الحسن بن عثمان الرمادي قال الخطيب : كان احد العلماء الافاضل من اهل المعرفة و الثقة و الامانة و لي قضاء الشرقية في خلافة المتوكل و روى عنه طلحة ابن جعفر و ذكره غير الخطيب ايضا و كان صالحا دينافها قد عمل الكتب كانت له معرفة بايام الناس و له تأريخ حسن و كان كريما و اسعا مفضالا . و ابوسهل بدر بن عبد الله المصيصي ما علمت من حاله

شيئا

شيئا، والنعمان بن هارون بن ابي الدهات حدث بيغداد عن جماعة كثيرين وروى عنه محمد بن المظفر وعلي بن عمر السكري .
 قال الخطيب: وما علت من حاله الا خيرا. وصاحب الجزء ابو الفتح محمد بن الحسين بن احمد بن الحسين بن عبدالله بن يزيد بن النعمان الازدي الموصلى من اهل العلم والفضل كان حافظا صنف كتابا في علوم الحديث ذكره الخطيب في التاريخ وابن السمعاني في الانساب ، اثنى عليه محمد بن جعفر بن علان وذكره بالحفظ وحسن المعرفة بالحديث، وقال ابو النجيب الازدي رأيت اهل الموصل يوهنونه جدا ولا يعدونه شيئا وسئل البرقاني عنه فأشار الى انه كان ضعيفا وذكر غيره كلاما اشد من هذا .

الحديث العاشر

(من زارني بعد موتي فكأنما زارني وانا حي) رواه ابو الفتح سعيد بن محمد بن اسماعيل اليعقوبي في جزء له فيه فوائد مشتملة على بعض شمائل سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وآثاره وما ورد في فضل زيارته كدرجة زواره، وهذا الجزء رواية المحدث اسماعيل بن عبدالله بن عبد المحسن الانصاري المالكي المشهور بابن الانماطي ونقلت من خطه قال ابنا ابو محمد عبدالله بن علوان بن هبة الله بن ربحان الحوطي التكريتي الصوفي قراءة عليه وانا اسمع بالحرم الشريف على دكة الصوفية بجانب باب بنى شية تجاه الكعبة المعظمة زادها الله شرفا .
 قال ثنا ابو الفتح سعيد بن محمد بن اسماعيل اليعقوبي في ربيع الاول سنة اثنتين وخمسين وخمسةائة قال ثنا الامام ابن السمعاني ثنا ابو سعيد احمد بن محمد بن احمد بن الحسين الحافظ املاء في الروضة بين قبر

النبي صلى الله عليه وسلم ومنبره في الزورة الثانية انا ابوالحسين احمد بن
عبدالرحمن الذكواني انا احمد بن موسى بن مردويه الحافظ ثنا الحسن
ابن محمد السوسي ثنا احمد بن سهل بن ايوب ثنا خالد بن يزيد ثنا
عبدالله بن عمر العمري قال سمعت سعد المقبري يقول سمعت ابا هريرة
رضي الله عنه يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زارني بعد
موتي فكأنما زارني وانا حي، ومن زارني كنت له شهيدا وشفيعا
يوم القيامة .

خالد بن يزيد إن كان هو العمري فقد قال ابن حبان انه منكر
الحديث و احمد بن سهل بن ايوب أهوازي قال الصريفي مات بالاهواز
يوم التروية سنة احدى وتسعين ومائتين .

الحديث الحادي عشر

(من زارني بالمدينة محتسبا كنت له شفيعا وشهيدا) وفي
رواية من زارني محتسبا الى المدينة كان في جوارى يوم القيامة، اباانان
الدمياطي وابن هارون وغيرهما قالوا اباانا محمد بن هبة الله قال انا علي
ابن الحسن الحافظ سمعا انا زاهر انا البيهقي انا ابوسعيد بن ابي عمرو
(ح) قال الحافظ وانا ابوسعيد ابن البغدادي انا ابونصر محمد بن احمد
ابن شويه انا ابوسعيد الصير في انا محمد بن عبدالله الصفار ثنا ابن ابي
الدنيا حدثني سعيد بن عثمان الجرجاني ثنا محمد بن اسماعيل بن ابي فديك
اخبرني ابوالمثنى سليمان بن يزيد العكي - وفي حديث زاهر : العكي
(ح) قال الحافظ وانا ابن السمرقندي انا بن مسعدة انا حمزة ثنا
ابوبكر بن محمد بن احمد بن اسماعيل بجرجان ثنا ابو عوانة موسى بن
يوسف القطان ثنا عباد بن موسى الخثلي ثنا ابن ابي فديك عن سليمان
ابن

زار قبري وجبت له شفاعتي يوم القيامة - وما من احد من امتي له سعة ثم لم يزرنى فليس له عذرة .

الحديث الثالث عشر

(من زارني حتى ينتهي الى قبري كنت له يوم القيامة شهيدا)
 اوقال شفيعا، ذكره الحافظ ابو جعفر العقيلي في كتاب الضعفاء في ترجمة فضالة بن سعيد بن زميل المازني قال: ثنا سعيد بن محمد الحضرمي ثنا فضالة بن سعيد بن زميل المازني ثنا محمد بن يحيى المازني عن ابن جريج عن عطية عن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زارني في عماتي كان كمن زارني في حياتي ومن زارني حتى ينتهي الى قبري كنت له يوم القيامة شهيدا، اوقال شفيعا، وذكره الحافظ ابن عساكر من جهته ايضا، انا انا به ابو محمد الدمياطي عن ابن هبة الله بسامعه منه انا ابو البركات عبد الوهاب بن المبارك الانماطي انا ابو بكر محمد بن المظفر الشامي انا ابو الحسن احمد ابن محمد العتيق انا يعقوب بن يوسف بن احمد الصيدلاني ثنا ابو جعفر محمد بن عمرو العقيلي فذكره باسناده الا انه قال: من رآني في المنام كان كمن رآني في حياتي، والباقي سواء، ووقع في روايته ايضا شعيب بن محمد الحضرمي وعله تصحيف، وفضالة بن سعيد قال العقيلي في ترجمته حديثه غير محفوظ لا يعرف الاب بهكذا رأيه في كتاب العقيلي. وذكر الحافظ ابن عساكر عنه انه قال: لا يتابع على حديثه من جهة ثبت ولا يعرف الاب . ومحمد بن يحيى المازني ذكره ابن عدي في الكامل وقال ان احاديثه مظلة منكورة، ولم يذكر ابن عدي هذا الحديث في احاديثه ولم يذكر فيه ولا العقيلي في فضالة شيئا من الجرح سوى التفرّد والنعارة.

الحديث

الحديث الرابع عشر

(من لم يزر قبري فقد جفاني) قال ابو الحسين يحيى بن الحسن بن جعفر الحسيني (۱) في كتاب (اخبار المدينة) ثنا محمد بن اسماعيل حدثني ابو احمد الهمداني ثنا النعمان بن شبل ثنا محمد بن الفضل ، مديني ، سنة ست وسبعين عن جابر عن محمد بن علي عن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زار قبري بعد موتي فكأنما زارني في حياتي ومن لم يزرني فقد جفاني . وقال الحافظ ابو عبدالله ابن النجار في (الدررة الثمينة) : روى عن علي رضي الله عنه انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يزر قبري فقد جفاني . وقال ابو سعيد عبدالملك بن محمد بن ابراهيم النيسابوري الخركوشي الواعظ في كتاب (شرف المصطفى) صلى الله عليه وسلم : روى عن علي بن ابي طالب رضي الله عنه قال : قال نبي الله صلى الله عليه وسلم من زار قبري بعد موتي فكأنما زارني في حياتي ومن لم يزر قبري فقد جفاني .

وهذا الكتاب في ثمان مجلدات و مصنفه عبدالملك النيسابوري صنف في علوم الشريعة كتبها توفي سنة ست واربعائة بنيسابور و قبره بها مشهور يزار و يترك به و شيخه في الفقه ابو الحسن الماسرجسي و قد روى حديث علي رضي الله عنه من طرق اخرى ليس فيها تصريح بالرفع ذكرها ابن عساكر .

أنا عبدالمؤمن و آخرون عن ابن الشيرازي أنا ابن عساكر أنا ابو العز احمد بن عبيدالله أنا ابو محمد الجوهرى أنا علي بن محمد بن احمد بن نصير بن عرفة ثنا محمد بن ابراهيم الصلحي ثنا منصور بن قدامة الواسطي ثنا المصنوع

(۱) يأتي فيما بعد « الحسيني »

روحي حتى أرد عليه السلام .

انا بذلك وجميع سنن ابي داود شيخنا الحافظ ابو محمد الدمياطي
بقرائتي عليه لبعضها وقراءة عليه وانا اسمع لباقيها قال انا بجميعها ابو الحسن
ابن ابي عبدالله بن ابي الحسن البغدادي قراءة عليه وانا اسمع عن ابي
المعالى الفضل بن سهل بن بشر الاسفرايني عن الخطيب ابي بكر احمد بن
علي بن ثابت الحافظ . قال شيخنا : وانا ايضا : ابو الحسن عن الحافظ ابي
الفضل محمد بن ناصر بن محمد بن علي الفارسي الاصل السلامي قال اخبر
الشيخان ابو عبدالله محمد بن احمد بن عمر بن السمرقندي المقرئ والعدل
الفقيه ابو الحسين محمد بن محمد بن الحسين بن محمد الفراء الخبلي قالا انا
الخطيب ، وفات ابن السمرقندي الجزء السابع والعشرون فرواه عن الخطيب
بالاجازة . قال ابن ناصر وقرأت هذا الكتاب مرارا على الشيخ
الصالح ابي غالب محمد بن الحسن بن علي البصري الماوردي قالا انا
ابو علي بن احمد بن علي التستري قالا انا ابو عمر القاسم بن جعفر
ابن عبدالواحد الهاشمي انا ابو علي محمد بن احمد بن عمرو اللؤلؤي ثنا
ابو داود سليمان بن الاشعث بن اسحاق السجستاني قال ثنا محمد بن
عوف ثنا المقرئ ثنا حيوة عن ابي صخر حميد بن زياد عن يزيد بن
عبدالله بن قسيط عن ابي هريرة فذكره بلفظه ، وهذا اسناد صحيح
فان محمد بن عوف شيخ ابي داود جليل حافظ لا يستل عنه وقد رواه معه
عن المقرئ عباس بن عبدالله الترقفي رواه من جهته ابو بكر البيهقي
والمقرئ وحيوة ويزيد بن عبدالله بن قسيط متفق عليهم وحميد بن
زياد روى له مسلم وقال احمد ليس به بأس وكذلك قال ابو حاتم
وقال يحيى بن معين ثقة ليس به بأس وروى عن ابن معين فيه رواية انه

ضيف ورواية التوثيق ترجح عليها لموافقتهما احمد و ابا حاتم وغيرهما
وقال ابن عدى هو عندي صالح الحديث و انما انكرت عليه حديثين المؤمن
يألف. و في القدرية، و سائر حديثه ارجو أن يكون مستقيما و اما قول
الشيخ زكي الدين فيه انه انكر عليه شيء من حديثه فقد ينا عن ابن
عدى تعيين ما انكر عليه و ليس منه هذا الحديث و بمقتضى هذا يكون
هذا الحديث صحيحا ان شاء الله تعالى، و قد اعتمد جماعة من الائمة
على هذا الحديث في مسألة الزيارة و صدر به ابو بكر الیهقي باب زيارة قبر
النبي صلى الله عليه وسلم و هو اعتماد صحيح و استدلال مستقيم لان
الزائر المسلم على النبي صلى الله عليه وسلم يحصل له فضيلة رد النبي
صلى الله عليه وسلم السلام عليه و هي رتبة شريفة و منقبة عظيمة ينبغي
التعرض لها و الحرص عليها لينال بركة سلامه صلى الله عليه وسلم، فان
قبل ليس في الحديث تخصيص بالزائر فقد يكون هذا حاصل لكل
مسلم قريبا كان او بعيدا و حينئذ تحصل هذه الفضيلة بالسلام من غير
زيارة و الحديث عام، قلت قد ذكره ابن قدامة ممن رواية احمد
و لفظه ما من احد يسلم على عند قبري و هذه زيادة مقتضاها التخصيص
فان ثبت فذاك و ان لم يثبت فلا شك ان القريب من القبر يحصل له
ذلك لانه في منزلة المسلم بالتحية التي يستدعي الرد كما في حال الحياة فهو
بمضوره عند القبر قاطع بنيل هذه الدرجة على مقتضى الحديث متعرض
لخطاب النبي صلى الله عليه وسلم له برد السلام عليه و في المواجهة
بالخطاب فضيلة زائدة على الرد على الغائب .

و اعلم ان السلام على النبي صلى الله عليه وسلم على نوعين ؛
أحدهما المقصود به الدعاء كقولنا صلى الله عليه وسلم فهذا دعاء مناله
بالصلاة

الغائب عنه والحاضر عنده صلى الله عليه وسلم وهذا النوع هو الذى قيل باختصاصه بالنبي صلى الله عليه وسلم عن الامة حتى لا يسلم على غيره من الامة الاتباع له كما لا يصلى على غيره من الامة الاتباع له .

النوع الثانى ما يقصد به التحية كسلام الزائر اذا وصل الى حضرته الشريفة عليه صلى الله عليه وسلم فى حياته و بعد وفاته وهذا غير محتمس بل هو عام لجمع المسلمين ولهذا كان عبدالله بن عمر رضى الله عنهما يأتى الى القبر ويقول السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا ابتاه وورد عنه بلفظ الخطاب و بلفظ الغيبة ، اذا عرف هذان النوعان فالنوع الثانى لاشك فى استدعائه الرد وان النبي صلى الله عليه وسلم يرد على المسلم عليه كما اقتضاه الحديث سواء أوصل نفسه الى القبر أم ارسل رسولا كما كان عمر بن عبدالعزیز سل البريد من الشام الى المدينة ليسلم على النبي صلى الله عليه وسلم ، فى هذين القسمين من هذا النوع يحصل الرد من النبي صلى الله عليه وسلم كما هو عادة الناس فى السلام .

واما النوع الاول فالله أعلم فان ثبت الرد فيه ايضا و جدا لتشملنا بركة ذلك كلما سلنا فلاشك ان الحاضر عند القبر له منزلة القرب والخطاب وان كان الرد محتمسا بالنوع الثانى حرم من لم يزر هذه الفضيلة لاحرم الله مؤمنا خيرا ، وقد روى عنه صلى الله عليه وسلم انه قال أتانى ملك فقال يا محمد ربك يقول : أما يرضيك ان لا يصلى عليك احد من امتك الاصليت عليه عشرا ولا يسلم عليك الاصليت عليه عشرا ، رواه القاضى اسماعيل والظاهر ان هذا فى السلام بالنوع الاول .

فصل

فصل

في علم النبي صلى الله عليه وسلم بمن يسلم عليه

روى عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغونني من امتي السلام. رواه النسائي و اسماعيل القاضي وغيرهما من طرق مختلفة باسناد صحيحة لا ريب فيها الى سفيان الثوري عن عبد الله بن السائب عن زاذان عن عبد الله و صرح الثوري بالسماع فقال حدثني عبد الله بن السائب هكذا في كتاب القاضي اسماعيل ، و عبد الله بن السائب و زاذان روى لهما مسلم و وثقهما ابن معين فالاسناد اذا صحيح .

ورواه ابو جعفر محمد بن الحسن الاسدي عن سفيان الثوري عن عبد الله بن السائب عن زاذان عن علي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : ان لله ملائكة يسبحون في الارض يبلغون صلاة من صلى على من امتي .

قال الدارقطني المحفوظ عن زاذان عن ابن مسعود يبلغونني عن امتي السلام .

و قال بكر بن عبد الله المزني قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حياتي خير لكم تحدثون و يحدث لكم فاذا امت كانت و فاتي خيرا لكم تعرض علي اعمالكم فان رأيت خيرا حمدت الله و ان رأيت غير ذلك استغفرت الله لكم .

قال ايوب السخيتاني بلغني و الله أعلم ان ملكا موكل بكل من صلى على النبي صلى الله عليه وسلم يحيى يبلغه النبي صلى الله عليه وسلم . و في كتاب فضل الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم للقاضي

اسماعيل عن النبي صلى الله عليه وسلم لا تجدلوا بيوتكم قبورا وصلوا على
وسلموا حيث كنتم فسيلغنى سلامكم وصلاتكم، وهذا الحديث في سنن
ابن داود من غير ذكر السلام وفي هذه الرواية زيادة السلام .

وروى ابن عساكر من طرق مختلفة عن نعيم بن ضميم العامري
[عن عمران] بن حمير الجعفي قال سمعت عمار بن ياسر رضي الله عنهما
يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ان الله أعطاني ملكا من
الملائكة يقوم على قبري اذا مات فلا يصلي على عبد صلاة الا قال
يا أحمد فلان بن فلان بن فلان يصلي عليك ، يسميه باسمه واسم ابيه
فيصلي الله عليه مكانها عشرا . وفي رواية ان الله اعطى ملكا من
الملائكة اسماء الخلائق وفي رواية اسماع الخلائق فهو قائم على قبري
الي يوم القيامة وذكر الحديث .

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال ليس احد من امة محمد صلى الله
عليه وسلم يصلي عليه صلاة الا وهى تبلغه يقول له الملك فلان يصلي
عليك كذا وكذا صلاة .

وما تضمنته هذه الاحاديث والآثار من تبليغ الملائكة للنبي
صلى الله عليه وسلم تبين ما ورد من كون الصلاة عليه صلى الله عليه
وسلم تعرض عليه كما جاء ذلك في احاديث، منها في سنن ابن داود
والنسائي وابن ماجه عن اوس بن اوس رضي الله عنه قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فأكثروا
على من الصلاة فيه فان صلواتكم معروضة على ، قال فقالوا يا رسول الله
وكيف تعرض صلواتنا عليك وقد ارميت ؟ قال يقولون بليت ، قال ان
الله حرم على الارض اجساد الانبياء .

قال

عن سعيد بن أبي هلال عن زيد بن أيمن عن عبادة بن نسي عن أبي
الدرداء رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أكثروا
الصلاة على يوم الجمعة فإنه مشهود تشهد الملائكة وإن احدا لم يصلي
على الأعرضت على صلاته حتى يفرغ منها قال قلت : بعد الموت ؟ قال
وبعد الموت ، إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء عليهم
السلام فبني الله حتى يرزق .

هذا لفظ ابن ماجه وفيه زيادة قوله حين يفرغ منها وفي
الأصل (حتى) التي هي حرف غاية وعليه تضييب وفي الحاشية (حين)
التي هي ظرف زمان فإن كانت هي الثانية استفيد منها ان وقت
عرضها على النبي صلى الله عليه وسلم والسلام حين الفراغ من غير
تأخير وان كان الثابت (حتى) كما في الأصل دل على عدم التأخير
ايضا وفيه زيادة ايضا وهي قوله (وبعد الموت) بحرف العطف وذلك
يقضى ان عرضها عليه صلى الله عليه وسلم في حالتي الحياة والموت
جميعا . وفي اسناد الحديث المذكور زيد بن أيمن عن عبادة بن نسي
مرسل الا انه يتقوى باعتضاده بغيره . وقد روينا من جهة القاضي اسماعيل
عن الحسن بن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلًا قال أكثروا على
الصلاة يوم الجمعة فإنها تعرض على . وروى الامام ابو بكر احمد بن
محمد بن اسحاق بن السني في كتاب عمل يوم وليلة عن انس بن مالك رضي الله
عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أكثروا الصلاة على يوم الجمعة .
وأنا عبد المؤمن وآخرون ابانا ابن الشيرازي انا ابن عساكر
انا ابو الحسين انا جدي ابو بكر البيهقي انا علي بن احمد الكاتب ثنا احمد
ابن عبيد ثنا الحسين بن سعيد ثنا ابراهيم بن الحجاج ثنا حماد بن سبله

عن (٦)

عن برد بن سنان عن مكحول الشامي عن ابي امامة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : أكثرُوا عليّ من الصلاة في كل يوم جمعة فان صلاة امتي تعرض عليّ في كل يوم جمعة فمن كان اكثرهم عليّ صلاة كان اقربهم مني منزلة .

وهذا اسناد جيد، وعن حصين بن عبدالرحمن عن يزيد الرقاشي قال ان ملكا موكل يوم الجمعة بمن صلى علي النبي صلى الله عليه وسلم يبلغ النبي صلى الله عليه وسلم يقول ان فلانا من امتك صلى عليك . وعن ابي طلحة رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اتاني جبرئيل صلى الله عليه وسلم قال بشر امتك ، من صلى عليك صلاة كتب الله له بها عشر حسنات وكفر عنه بها عشر سيئات ورفع له بها عشر درجات ورد الله عليه مثل قوله وعرضت عليّ يوم القيامة ، رواه ابن عساکر . ولا تنافي بين هذه الاحاديث فقد يكون العرض عليه مرات وقت الصلاة ويوم الجمعة ويوم القيامة . وحديث ابي هريرة وحديث ابن مسعود مصرحان بانه يبلغه سلام كل من سلم عليه وهما صحيحان ان شاء الله ، وحديث اوس بن اوس وما في معناه يدل على ان الموت غير مانع من ذلك وكان مقصودنا بجمع هذه الاحاديث بيان العرض على النبي صلى الله عليه وسلم وان مراده التبليغ من الملائكة له صلى الله عليه وسلم كما تضمنه حديث ابي هريرة وحديث ابن مسعود وهذا في حق الغائب بلا اشكال واما في حق الحاضر عند القبر فهل يكون كذلك او يسمعه صلى الله عليه وسلم بغير واسطة ورد في ذلك حديثان ، احدهما : من صلى عليّ عند قبري سمعته ومن صلى عليّ نائبا

بلغته ، وفي رواية نائيا منه ابلغت ؟ وفي رواية نائيا من قبري ، وفي رواية عن قبري .

والحديث الثاني : ما من عبد يسلم على عند قبري الا واكل بهاملك ليبلغني وكفى امر آخرته ودينياه وكنيت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة . وفي رواية ، من صلى على عند قبري وكل الله بهاملكا يبلغني وكفى امر دينياه وآخرته وكنيت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة . وفي رواية : ما من عبد صلى على عند قبري الا واكل الله به ، وفيها شفيعا وشهيدا . وهذان الحديثان من رواية محمد بن مروان السدي الصغير وهو ضعيف ، عن الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم ، اما الحديث الاول الذي فيه من صلى على عند قبري سمعته ، فرواه احمد بن علي الخبراني ويوسف بن الضحاك الفقيه ومحمد بن عثمان ابن ابي شيبة واحمد بن ابراهيم بن ملحان وعيسى بن عبد الله الطيالسي وليث بن نصر الصاغانى والحسين بن عمر بن ابراهيم الثقفي كلهم عن العلاء بن عمرو الحنفي عن محمد بن مروان السدي بالسند المذكور ، وفي رواية عيسى الطيالسي ثنا العلاء بن عمرو الحنفي ثنا ابو عبد الرحمن عن الاعمش قال ابن عساكر قال لنا ابو الحسن سبط البيهقي قال لنا جدي ابوبكر: ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدي فيما ارى ، وفيه نظر ، القائل وفيه نظر هو البيهقي ، كذا رأيت في جزء حياة الانبياء من تصنيفه . واما الحديث الثاني فرواه محمد بن عبدالله بن ابراهيم الشافعي و ابو الحسين احمد بن عثمان الآدمي و ابو عبدالله الصفار ومحمد بن عمر ابن حفص النيسابوري كلهم عن محمد بن يونس بن موسى الكندي ، وفي بعض هذا عن محمد بن موسى نسبة الى جده عن الاصمعي عبد الملك

ابن قریب عن محمد بن مروان السدي عن الاعمش بالسند الاول وهذا الحديث اضعف من الاول لانه انضم فيه ضعف الكديمي الى ضعف السدي و الاول ليس فيه الاضعف السدي خاصة فان ثبت ذلك فكفي بها شرفا و ان لم يثبت فهو مرجو فينبغي الحرص عليه و التعرض لاسمائه صلى الله عليه وسلم و ذلك بالحضور عند قبره و القرب منه .

و سنذكر من الاحاديث و الآثار و الادلة ما يدل على انه صلى الله عليه وسلم يسمع من يسلم عليه عند قبره و يرد عليه عالما بحضوره عنده و كفي هذا فضلا حقيقا ان ينفق فيه ملك الدنيا حتى يتوصل اليه من اقطار الارض ، و سفرد بابا بالحياة الانبياء عليهم السلام بعد تمام المقصود من اقامة الدلائل على الزيارة و باثبات الحياة تتأكد الزيارة و لكني رأيت ذكره بعد ثلثا يجادل فيه جدل متطرق به الى المجادلة في الزيارة .
عن سليمان بن سحيم قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم في النوم قلت يا رسول الله هؤلاء الذين يأتونك و يسلمون عليك أتعلم سلامهم ؟ قال نعم و ارد عليهم .

و عن ابراهيم بن بشار قال - جئت في بعض السنين لجئت المدينة فتقدمت الى قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فسلمت عليه فسمعت من داخل الحجرة و عليك السلام ، فان قيل ما معنى قوله صلى الله عليه وسلم الإرد الله على روعي ؟ قلت فيه جوابان احدهما ذكره الحافظ ابو بكر البيهقي ان المعنى الاو قد رد الله على روعي يعنى ان النبي صلى الله عليه وسلم بعد ما مات و دفن رد الله عليه روحه لأجل سلام من يسلم عليه و استمرت في جسده صلى الله عليه وسلم ، و الثاني يحتمل ان يكون ردا معنويا و ان يكون روحه الشريفة مشغولة بشهود الحضرة الالهية

والملا الأعلى من هذا العالم فاذا سلم عليه اقبلت روحه الشريفة على هذا العالم فيدرك سلام من يسلم عليه ويرد عليه .

الباب الثالث

فيما ورد في السفر الى زيارته صلى الله عليه وسلم صريحاً وبيان ان ذلك لم يزل قديماً وحديثاً .

ومن روى ذلك عنه من الصحابة بلال بن رباح مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم سافر من الشام الى المدينة لزيارة قبره صلى الله عليه وسلم روي ذلك باسناد جيد اليه وهو نص في الباب ومن ذكره الحافظ ابو القاسم ابن عساكر رحمه الله بالاسناد الذي سنذكره وذكره الحافظ ابو محمد عبدالغنى المقدسى رحمه الله في الكمال في ترجمة بلال فقال ولم يؤذن لأحد بعد النبي صلى الله عليه وسلم فيما روى الامرة واحدة في قدمه قدمها المدينة لزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم طلب اليه الصحابة ذلك فأذن ولم يتم الاذان وقيل انه اذن لابى بكر الصديق رضى الله عنه في خلافته. ومن ذكر ذلك ايضا الحافظ ابو الحجاج المزى ابقاه الله وها انا اذكر اسناد ابن عساكر في ذلك .
 ابانا عبدالمؤمن بن خلف وعلى بن محمد بن هارون وغيرهما قالوا انا القاضي ابو نصر بن هبة الله بن محمد بن بميل الشيرازى اذنا انا الحافظ ابو القاسم على بن الحسين بن هبة الله بن عساكر الدمشقى قراءة عليه وانا اسمع قال انا ابو القاسم زاهر بن طاهر قال انا ابو سعيد محمد بن عبدالرحمن قال انا ابو احمد محمد بن محمد انا ابو الحسن محمد بن الفيض .
 الغسانى بدمشق، قال ثنا ابو اسحاق ابراهيم بن محمد بن سليمان بن بلال بن ابى الدرداء حدثنى ابى محمد بن سليمان عن ابيه سليمان بن بلال عن ام .

ام الدرداء عن ابي الدرداء قال لما دخل (١) عمر بن الخطاب رضى الله عنه من فتح بيت المقدس فصار الى الجاية سأل بلال ان يقره بالشام ففعل ذلك قال وأخي ابو رويحة الذي أخى بينى وبينه رسول الله صلى الله عليه وسلم قزل داريا فى خولان فأقبل هو و اخوه الى قوم من خولان فقال لهم قد أتيناكم خاطبين وقد كنا كافرين فهدانا الله و مملوكين فاعتقنا الله و قهيرين فاعثنا الله فان تزوجونا فالحمد لله و ان تردونا فلاحول و لا قوة الا بالله . فزوجوهما .

ثم ان بلالا رأى فى منامه رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقول له ما هذه الجفوة يا بلال أما آن لك ان تزورنى يا بلال فاتبته حزينا وجلا خائفا فركب راحلته و قصد المدينة فأتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم فجعل يبكى عنده ويمرغ وجهه عليه فأقبل الحسن والحسين رضى الله عنهما فجعل يضمهما ويقبلهما فقالا له تشتهى نسمع اذائك الذى كنت تؤذن به لرسول الله صلى الله عليه وسلم فى المسجد ففعل فعلا سطح المسجد فوق موقفه الذى كان يقف فيه فلما ان قال الله اكبر الله اكبر ارتجت المدينة فلما ان قال أشهد أن لا اله الا الله ازداد رجتها فلما ان قال أشهد أن محمدا رسول الله خرجت العواتق من خدورهن وقالوا أبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ فاروئى يوم اكثر باكيا و لا باكية بالمدينة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذلك اليوم .

كذا ذكره ابن عساكر فى ترجمة بلال رضى الله عنه و ذكره ايضا فى ترجمة ابراهيم بسند آخر الى محمد بن الفيض أنبا جماعة عن ابن عساكر قال أنبا ابو محمد ابن الاكفانى ثنا عبد العزيز بن احمد ثنا تمام

(١) لعله رحل .

ابن محمد ثنا محمد بن سليمان ثنا محمد بن الفيض فذكره سواء الا انه سقط
 منه من فتح بيت المقدس وقال آخى بينه وبينى ولم يقل خاطبين .
 ابو زويحة اسمه عبدالله بن عبدالرحمن الخثعمي وفي الطبقات ان
 مؤاخاته لبلال لم يشتها محمد بن عمر واثبتها ابن اسحاق وغيره واخبار
 انس ان يجعل ديوانه معه فضعه عمر اليه وضم ديوان الحبشة الى خثعم
 لمكان بلال منهم . وسليمان بن بلال بن ابي الدرداء روى عن جدته
 وايه بلال روى عنه ابنة محمد وايوب بن مدرك الخثعمي ذكر له ابن عساكر
 حديثا ولم يذكر فيه تجريحا . وابنه محمد بن سليمان بن بلال ذكره مسلم
 في الكنى وابو بشر الدولابي والحاكم ابو احمد وابن عساكر كنيه ابوسليمان
 قال ابن ابي حاتم سألت ابي عنه فقال : ما بحديثه بأس . وابنه ابراهيم
 ابن محمد بن سليمان ابو اسحاق ذكره الحاكم ابو احمد وقال كناه لنا محمد
 ابن الفيض وذكره ابن عساكر وذكر حديثه . ثم قال قال ابن
 الفيض توفي سنة اثنتين وثلاثين ومأتين ومحمد بن الفيض بن محمد
 ابن الفيض ابو الحسن الغساني الدمشقي روى عن خلائق وروى
 عنه جماعة منهم ابو احمد بن عدي وابو احمد الحاكم وابو بكر
 ابن المقرئ في معجمه وذكره ابن زبير وابن عساكر في التاريخ توفي
 سنة خمس عشرة وثلاث مائة ومولده سنة تسع عشرة ومأتين
 ومدار هذا الاسناد عليه فلاحاجة الى النظر في الاسناد بن الذين
 رواه ابن عساكر بهما وان كان رجالها معروفين مشهورين وليس اعتمادنا
 في الاستدلال بهذا الخبر على رؤيا المنام فقط بل على فضل بلال وهو
 صحابي لاسيما في خلافة عمر رضي الله عنه والصحابة متوافرون ، ولا يخفى
 عنهم هذه القصة ومنام بلال ورؤياه للنبي صلى الله عليه وسلم الذي
 لا ينسى .

لا يمثل به الشيطان وليس فيه ما يخالف ما ثبت في اليقظة فيتأكد به فعل الصحابي وقد استفاض عن عمر بن عبدالعزيز رضي الله عنه انه كان يبرد البريد من الشام يقول سلم لي على رسول الله صلى الله عليه وسلم .
 ومن ذكر ذلك ابن الجوزي ونقله من خطه في كتاب (مثير العزم الساكن) وقد ضبطه باسكان الباء الموحدة وكسر الراء المخففة وهو كذلك يقال ابرد فهو مبرد وذكره ايضا الامام ابوبكر احمد بن عمرو بن ابي عاصم النبيل ووفاته سنة سبع وثمانين ومائتين في مناسك له لطيفة جردها من الاسانيد ملتزما فيها الثبوت، قال فيها وكان عمر بن عبدالعزيز يبعث بالرسول قاصدا من الشام الى المدينة ليقرئ النبي صلى الله عليه وسلم السلام ثم يرجع وهذه المناسك رواية شيخنا الدماطي .
 انا ابن خليل انا الطرطوشي والكراني انا الصيرفي ثنا ابوبكر محمد بن عبدالله بن شاذان ثنا القباب ثنا ابن ابي عاصم ، فسفر بلال في زمن صدر الصحابة ورسول عمر بن عبدالعزيز في زمن صدر التابعين من الشام الى المدينة لم يكن الا للزيارة والسلام على النبي صلى الله عليه وسلم ولم يكن الباعث على السفر غير ذلك لامن امر الدنيا ولامن امر الدين لامن قصد المسجد ولامن غيره ، وانما قلنا ذلك لثلا يقول بعض من لاعلم له ان السفر لمجرد الزيارة ليس بسنة وستكلم على بطلان ذلك في موضعه .

واما من سافر الى المدينة لحاجة وزار عند قدومه أو اجتمع في سفره قصد الزيارة مع قصد آخر فكثير ، وقد ورد عن يزيد بن ابي سعيد مولى المهري قال قدمت على عمر بن عبدالعزيز فلما ودعته قال لي اليك حاجة اذا اتيت المدينة ستري قبر النبي صلى الله

عليه وسلم فأقرته مني السلام ، وورد هذا عن غير عمر بن عبد العزيز
ايضا قال ابواليث السمرقندي الخنفي في الفتاوى في باب الحج قال
ابوالقاسم لما اردت الخروج الى مكة قال القاسم بن غسان ان لي اليك
حاجة اذا اتيت قبر النبي صلى الله عليه وسلم فأقرته مني السلام ، فلما
وضعت رجلي في مسجد المدينة ذكرت .

قال الفقيه فيه دليل ان من لم يقدر على الخروج فأمر غيره ليسلم
عنه فانه ينال فضيلة السلام ان شاء الله تعالى انتهى ، وفي فتوح الشام انه
لما كان ابوعبيدة منازل بيت المقدس ارسل كتابا الى عمر مع ميسرة
ابن مسروق رضى الله عنه يستدعيه الحضور فلما قدم ميسرة مدينة
رسول الله صلى الله عليه وسلم دخلها ليلا ودخل المسجد وسلم على قبر
رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى قبر ابى بكر رضى الله عنه ، وفيه
ايضا ان عمر لما صالح اهل بيت المقدس وقدم عليه كعب الاحبار
واسلم وفرح عمر باسلامه ، قال عمر رضى الله عنه له هل لك ان تسير معي
الى المدينة وتزور قبر النبي صلى الله عليه وسلم وتمتع بزيارته ، فقال
لعمر يا امير المؤمنين انا افضل ذلك ولما قدم عمر المدينة اول ما بدأ
بالمسجد وسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وقد ذكر المؤرخون
والمحدثون منهم ابو عمر بن عبد البر في الاستيعاب واحمد بن يحيى البلاذرى
في تاريخ الاشراف وابن عبد ربه في العقد - ان زياد بن ابيه اراد الحج
فاتاه ابوبكرة رضى الله عنه وهو لا يكله فأخذ ابنه فأجلسه في حجره
ليخاطبه ويسمع زيادا فقال ان اباك فعل وفعل وانه يريد الحج وام
حبة زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم هناك فان اذنت له فأعظم
بها مصيبة وخيانة لرسول الله صلى الله عليه وسلم وان هى حبته
فأعظم (٧)

فأعظم بها حجة عليه، فقال زياد ما تدع النصيحة لأخيك، وترك الحج تلك السنة. هكذا حكاه البلاذري. وحكى ابن عبد البر ثلاثة أقوال أحدها أنه حج ولم يزر من أجل قول أبي بكر، والثاني أنه دخل المدينة وأراد الدخول على أم حبيبة رضي الله عنها فذكر قول أبي بكر فانصرف عن ذلك، والثالث أن أم حبيبة حجته ولم تأذن له.

والقصة على كل تقدير تشهد لأن زيارة الحاج كانت معهودة من ذلك الوقت والافكان زياد يمكنه أن يحج من غير طريق المدينة بل هي أقرب إليه لانه كان بالعراق والأتان من العراق إلى مكة أقرب ولكن كان اتيان المدينة عندهم أمرا لا يترك.

واختلف السلف رحمهم الله في أن الأفضل البدأة بالمدينة قبل مكة أو بمكة قبل المدينة ومن نص على هذه المسئلة وذكر الخلاف فيها الإمام أحمد رحمه الله في كتاب المناسك الكبير من تليفه وهذه المناسك رواها الحافظ أبو الفضل محمد بن ناصر عن الحاجب أبي الحسن علي بن محمد العلاف عن أبي الحسن علي بن أحمد بن عمر الحماني عن اسماعيل بن علي الخطبي عن عبدالله بن أحمد عن أبيه. في هذه المناسك سئل عن يبدأ بالمدينة قبل مكة فذكر بأسناده عن عبدالرحمن بن يزيد وعطاء. ومجاهد قالوا إذا قضيت حجك فامرر بالمدينة إن شئت. وذكر بأسناده عن الأسود قال أحب أن يكون تفققي وجهازي وسفري أن أبدأ بمكة. وعن إبراهيم النخعي: إذا أردت مكة فاجعل كل شيء لها تبعا. وعن مجاهد: إذا أردت الحج أو العمرة فابدأ بمكة واجعل كل شيء لها تبعا. وعن إبراهيم قال إذا حججت فابدأ بمكة ثم مر بالمدينة بعده. وذكر الإمام أحمد أيضا بأسناده عن عدي بن ثابت أن نفرا من

اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا يبدؤن بالمدينة اذا حجوا يقولون نهل من حيث أحرم رسول الله صلى الله عليه وسلم. وذكر ابن أبي شيبة في فضيلة هذا الأمر أيضا وذكر بإسناده عن علقمة والاسود وعمرو بن ميمون انهم بدؤوا بالمدينة قبل مكة. وقال الموفق بن قدامة قال - يعني احمد -: و اذا حج الذي لم يحج قط يعني من غير طريق الشام لا يأخذ على طريق المدينة لاني اخاف ان يحدث به حدث فينبغي ان يقصد مكة من اقصى الطرق ولا يتشاغل بغيره. قلت وهذا في العمرة متجه لانه يمكنه فعلها متى وصل الى مكة واما الحج فله وقت مخصوص فاذا كان الوقت متسعا لم يفت عليه بمروره بالمدينة شيئا. وعن نص على هذه المسئلة من الأئمة ابو حنيفة رحمه الله وقال الاحسن ان يبدأ بمكة روى ذلك الحسين بن زياد عنه فيما حكاه ابو الليث السمرقندي. فانظر كلام السلف والخلف في اتيان المدينة اما قبل مكة واما بعدها ومن أعظم ما توتى له المدينة الزيارة الأتري ان بيت المقدس لا يأتيه الا القليل من الناس؟ وان كان مشهودا له بالفضل والصلاة فيه مضاعفة فتوفر اللهم خلفا عن سلف على اتيان المدينة انما هو لاجل الزيارة وان اتفق معها قصد عبادات اخر فهو مغفور بالنسبة اليها.

واما ما نقل من تعليل بعض الصحابة بالا هلال من ميقات النبي صلى الله عليه وسلم فذلك امر مقصود وليس هو كل المقصود ولعلمهم رضي الله عنهم رأوا انه ميقاتهم الاصلى لما كانوا بالمدينة مع نبيهم صلى الله عليه وسلم فاحبوا ان لا يغيروا ذلك والاقالني صلى الله عليه وسلم وقت لاهل كل بلد ميقاتا ولعل الاحرام منه أولى الا ان يعارضه معارض والتابعون الكوفيون الذين اختاروا

البداءة

البداءة بالمدينة لم ينقل عنهم تعليل ففعل سنة (١) عندهم ايثار الزيارة ولو كانت
العلة الاحرام من ميقات النبي صلى الله عليه وسلم لم يأتوها اذا اتفق
لهم البداءة بمكة لفوات الاحرام فلما اتفقوا على اتيانها وانما اختلفوا
في البداءة دل على ان العلة غيره وهي ما فيها من المشاهد واعظمتها
الزيارة وهي اما كل المقصود او معظمه وغيرها منغمر فيها. ومن اختار
البداءة بمكة ثم اتيان المدينة والقبر الامام ابو حنيفة كما سنحكيه عنه
في الباب الرابع .

وقال ابو بكر محمد بن الحسين الاجري في كتاب الشريعة
في باب دفن ابي بكر وعمر رضي الله عنهما مع النبي صلى الله عليه وسلم
: ما احد من اهل العلم قديما ولا حديثا ممن رسم لنفسه كتابا نسبة اليه
من فقهاء المسلمين فرسم كتاب المناسك الا وهو يامر كل من قدم المدينة
من يريد حجا او عمرة او لا يريد حجا ولا عمرة و اراد زيارة قبر النبي
صلى الله عليه وسلم والمقام بالمدينة لفضلها الا وكل العلماء قد امروه
ورسموه في كتبهم وعلوه كيف يسلم على النبي صلى الله عليه وسلم
وكيف يسلم على ابي بكر وعمر رضي الله عنهما علماء الحجاز قديما
وحديثا وعلماء اهل العراق قديما وحديثا وعلماء اهل الشام قديما
وحديثا وعلماء اهل خراسان قديما وحديثا وعلماء اهل اليمن قديما
وحديثا وعلماء اهل مصر قديما وحديثا. لله الحمد على ذلك .

وقال قريبا من هذا الكلام ابو عبد الله عبيد الله بن محمد بن محمد
ابن حمدان بن بطة العكبري الحنبلي في كتاب الابانة عن شريعة
الفرقة الناجية ومجانبة الفرق المدمومة في باب دفن ابي بكر وعمر

(١) اعلم « للدلة » .

رضى الله عنهما مع النبي صلى الله عليه وسلم ايضاً قال: بحسبك دلالة على اجماع المسلمين واتفاقهم على دفن ابي بكر وعمر مع النبي صلى الله عليه وسلم ان كل عالم من علماء المسلمين وفقهه من فقائهم الف كتاباً في المناسك ففصله فصولاً وجعله ابواباً يذكر في كل باب فقهه ولكل فصل عليه وما يحتاج الحاج الى عليه والعمل به قولاً وفعلاً من الاحرام والطواف والسعي والوقوف والنحر والحلق والرمي وجميع ما لا يسع الحاج جهله ولا تغنى بهم عن عليه حتى يذكر زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فيصف ذلك فيقول ثم تأتي القبر فتستقبله وتجعل القبلة وراء ظهرك وتقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته حتى يصف السلام والدعاء ثم يقول وتقدم على يمينك قليلاً وتقول السلام عليك يا ابا بكر وعمر وان الناس يحجون البيت من كل فج عميق وبلد صحيح فاذا اتوا البيت لا يشكون انه بيت الله المحجوج اليه وكذلك ما يأتونه من اعمال المناسك وفرائض الحج وفضائله يبلغوا بعضه بعضاً حتى يأتوا قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فيسلبون عليه وعلى صاحبيه ابي بكر وعمر رضي الله عنهما، وبعد ادركنا الناس ورأيناهم وبلغنا عن لم نره ان الرجل اذ لم اراد الحج فسلم عليه أهله وصحابه قالوا له وتقرأ على النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكر وعمر منا السلام، فلا ينكر ذلك احد ولا يخالفه، هذا كلام ابن بطه رحمه الله تعالى. وقد انبأنا به جماعة من شيوخنا عن الحافظ ابي الحجاج يوسف ابن خليل بسنده الى ابن بطه .

ومقصوده. ومقصود الأجرى الرد على بعض الملحدة في انكار

دفن ابي بكر وعمر رضي الله عنهما مع النبي صلى الله عليه وسلم واما

زيارته

زيارته صلى الله عليه وسلم فلم ينكرها احد وانما جاءت في كلامهما على سبيل التبع لانه لم يظن احد ان يقع فيها أو في السفر اليها نزاع في قرن الثمان مائة، واستفيد من كلامهما ان سفر الحجيج اليها لم يزل في السلف والخلف وانها تابعة للناسك، وابوبكر الأجرى هذا قديم توفي في المحرم سنة ستين و ثلاثمائة وكان ثقة صدوقا دينا وله تصانيف كثيرة وحدث ببغداد قبل سنة ثلاثين و ثلاثمائة، انتقل الى مكة فسكنها حتى توفي بها، وابن بطة المذكور توفي في المحرم سنة سبع و ثمانين و ثلاثمائة بعكبرى من فقهاء الحنابلة كان اماما فاضلا عالما بالحديث و فقهه اكثر من الحديث، وصنف التصانيف المفيدة، وهكذا قال غيرهما .

قال القاضي عياض قال اسحاق بن ابراهيم الفقيه و عالم يزل من شان من حج المرور بالمدينة و القصد الى الصلوة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم و التبرك برؤية روضته و منبره و قبره و مجلسه و ملامس يديه و مواطئ قدميه و العمود الذي كان يستند اليه و ينزل جبرئيل بالوحي فيه عليه و بمن عمره و قصده من الصحابة و ائمة المسلمين و الاعتبار في ذلك كله .

وقد ذكرنا في باب نصوص العلماء على استحباب الزيارة قول الباجي المالكي ان الغرياء قصدوا ذلك يعني قصدوا المدينة من اجل القبر و التسليم ذكر هذا في معرض الفرق بين اهل المدينة و الغرياء لما فرق مالك رحمه الله بينهم كما سبق، و سند ذكر في الباب الرابع من كلام العبدى المالكي في شرح الرسالة ان المسير الى المدينة لزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم افضل من الكعبة و من بيت المقدس . و أكثر عبارات الفقهاء اصحاب المذاهب من حكينا كلامهم في

باب الزيارة يقتضى استحباب السفر لانهم استحبوا للحاج بعد الفراغ من الحج الزيارة ومن ضروريها السفر، وحكاية الاعراب المشهورة التي ذكر المصنفون في مناسكهم وفي بعض طرقها ان الاعراب ركب راحته وانصرف وذلك يدل انه كان مسافرا والحكاية المذكورة ذكرها جماعة من الائمة واسمه محمد بن عبيد الله بن عمرو بن معاوية ابن عمرو بن عتبة بن ابي سفيان صخر بن حرب، كان من افصح الناس صاحب اخبار ورواية للآداب حدث عن ابيه وسفيان بن عتبة توفي سنة ثمان وعشرين ومائتين يكنى ابا عبدالرحمن وذكرها ابن عساکر في تاريخه وابن الجوزي في (مثير العزم الساكن) وغيرهما باسانيدهم الى محمد بن حرب الهلالي قال دخلت المدينة فأتيت قبر النبي صلى الله عليه وسلم فزرته وجلست بحذاءه فجاء اعرابي فزاره ثم قال يا خير الرسل ان الله انزل عليك كتابا صادقا قال فيه (ولوانهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيمًا) واني جئتك مستغفرا ربك من ذنوبي مستشفعا فيها بك، وفي رواية وقد جئتك مستغفرا من ذنبي مستشفعا بك الى ربي، ثم بكى وانشأ يقول ياخير من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طيهن القاع والاکم نفسى الفداء لقبر انت ساكنه فيه العفاف وفيه الجود والكرم ثم استغفر وانصرف فرقدت فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم في نومي وهو يقول الحق الرجل وبشره ان الله قد غفر له بشفاعتي فاستيقظت فخرجت اطلبه فلم اجده .

وقد نظم ابو الطيب احمد بن عبد العزيز بن محمد المقدسي رحمه الله ما له بعضهم الزيادة على هذين البيتين وتضمنها فقال ورواها ابن

عساکر

عساكر رحمة الله عنه .

اقول والدمع من عيني منسجم
والناس يغشونه باك ومنقطع
فا تما لكت ان ناديت من حرق
يا خير من دفنت بالقاع اعظمه
نفسى الفداء لقبر انت ساكنه
وفيه شمس التقى والدين قد غربت
حاشى لوجهك ان يبلى وقد هديت
وان تمسك ايدى التراب لامة
لقت ربك والاسلام صارمه
فهمت فيه مقام المرسلين الى
لئن رأيتاه قبرا ان باطنه
طافت به من نواحيه ملائكة
لو كنت ابصرته حيا لقلت له
هدى به الله قوما قال قائلهم
ان مات احمد فالرحمن خالقه
قال الجوهري رحمه الله الرجم
بالتحريك القبر والله تعالى اعلم .

الباب الرابع

في نصوص العلماء على استحباب زيارة قبر سيدنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم وبيان ان ذلك مجمع عليه بين المسلمين .
قال القاضي عياض رحمه الله وزيارة قبره صلى الله عليه وسلم سنة
بين المسلمين مجمع عليها وفضيلة مرغوب فيها، وقال القاضي ابوالطيب

في ذلك مع العلم باجماعهم واجماع سائر العلماء عليه، والحنفية قالوا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم من افضل المنذوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات ممن صرح بذلك منهم ابو منصور محمد ابن مكرم الكرماني في مناسكه وعبدا الله بن محمود بن بلدجي في شرح المختار. وفي فتاوى ابي الليث السمرقندي في باب اداء الحج، روى الحسن ابن زياد عن ابي حنيفة انه قال: الاحسن للحاج ان يبدأ بمكة فاذا قضى نسكه مر بالمدينة وان بدأ بها جاز فيأتي قريبا من قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فيقوم بين القبر والقبلة فيستقبل القبلة ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم وعلى ابي بكر وعمر رضي الله عنهما و يترحم عليهما. وقال ابو العباس السروجي في الغاية، اذا انصرف الحاج والمعتمرون من مكة فليتوجهوا الى طيبة مدينة رسول الله صلى الله عليه وسلم وزيارة قبره فانها من انجح المساعي. وكذلك نصر عليه الحنابلة ايضا.

قال ابو الخطاب محفوظ بن احمد بن الحسين الكلوزاني الحنبلي في كتاب الهداية في آخر باب صفة الحج، واذا فرغ من الحج استحب له زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقبر صاحبيه. وقال ابو عبد الله محمد بن عبدا الله بن الحسين بن احمد بن القاسم بن ادريس السامري في كتاب المستوعب: باب زيارة قبر الرسول صلى الله عليه وسلم، واذا قدم مدينة الرسول عليه السلام استحب له ان يغتسل لدخولها ثم يأتي مسجد الرسول عليه الصلاة والسلام ويقدم رجله اليمنى في الدخول ثم يأتي حائط القبر فيقف ناحية ويجعل القبر تلقاء وجهه والقبلة خلف ظهره والمنبر عن يساره. وذكر كيفية السلام والدعاء الى آخره. منه اللهم انك قلت في كتابك لبيك عليه السلام. (ولو أنهم اذلموا

انفسهم جاؤك) الآية واني قد آتيت نبيك مستغفرا فأسألك ان توجب لي المغفرة كما اوجبتها لمن آتاه في حياته - اللهم اني اتوجه اليك بنبيك صلى الله عليه وسلم . و ذكر دعاء طويلا . ثم قال واذا اراد الخروج عاد الى قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فودع .

وانظر هذا المصنف من الحنابلة الذين الخصم متمذهب بمذهبهم كيف نص على التوجه بالنبي صلى الله عليه وسلم وكذلك ابو منصور الكرماني من الحنفية قال : ان كان احد اوصاك بتبليغ السلام تقول : السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بك الى ربك بالرحمة والمغفرة فاشفع له . وسنعتقد لذلك بابا في هذا الكتاب ان شاء الله تعالى .

وقال نجم الدين بن حمدان الحنبلي في الرعاية الكبرى : ويسن لمن فرغ من نسكه من زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقبر صاحبه رضى الله عنهما وله ذلك بعد فراغ حجه وان شاء قبل فراغه .

وقد عقد ابن الجوزي في كتابه المسمى (مثير العزم الساكن الى اشرف الاماكن) بابا في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وذكر فيه حديث ابن عمر وحديث أنس رضى الله عنهم .

وقال الشيخ موفق الدين بن قدامة المقدسي في كتابه المغنى وهو من اعظم كتب الحنابلة التي يعتمدون عليها : فصل - يستحب زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وذكر حديث ابن عمر من طريق الدارقطني ومن طريق سعيد ابن منصور عن حفص وحديث ابي هريرة رضى الله عنه من طريق احمد بن حنبل ما من احد يسلم على عند قبري .

وكذلك نص عليه المالكية وقد تقدم حكاية القاضي عياض وكذلك

الماوروى فى الحاوى فى كتاب الحج .
 وبقى قسم ثالث لم يذكره الماوروى وهو ابلاغ السلام ولاشك
 فى جواز الاجارة والجمالة عليه كما كان عمر بن عبدالعزيز يفعل
 والظاهر أن مراد المالكية هذا والافجرد الوقوف من الاجير لا يحصل
 للمستأجر غرضا وسيأتى فى كتاب ابن المواز من نص مالك ما يقتضى
 انه يقف ويدعو عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم كما يفعل عند
 وداع البيت .

وفى كتاب النوادر لابن ابي زيد بعد أن حكى فى زيارة القبور من
 كلام ابن حبيب وعن المجموعة عن مالك ومن كلام ابن القرظى (؟) ثم
 قال عقبه ويأتى قبور الشهداء بأحد ويسلم عليهم كما يسلم على قبره
 صلى الله عليه وسلم وعلى ضجيعيه . وفيه ايضا من كلام ابن حبيب
 ويدل على التسليم على اهل القبور ما جاء من السنة فى التسليم على
 النبي صلى الله عليه وسلم و ابي بكر وعمر مقبورين .

وقال ابو الوليد محمد بن رشد المالكى فى شرح العتية المسنى
 بكتاب البيان والتحصيل فى كتاب الجامع فى سلام الذى يمر بقبر
 النبي صلى الله عليه وسلم وسئل عن المار بقبر النبي صلى الله عليه وسلم
 أترى ان يسلم كلما مر؟ قال نعم أرى ذلك عليه ان يسلم عليه اذا مر به
 وقد أكثر الناس من ذلك، فاما اذا لم يمر به فلا ارى ذلك قال رسول الله
 صلى الله عليه وسلم اللهم لا تجعل قبرى وثنا يعبد، اشتد غضب الله على
 قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد، فقد أكثر الناس من هذا فاذا لم
 يمر عليه فهو فى سعة من ذلك. قال وسئل عن الغريب يأتى قبر النبي
 صلى الله عليه وسلم كل يوم فقال ما هذا من الامر ولكن اذا اراد

الخروج، قال محمد بن رشد ليلغى في هذا انه يلزمه ان يسلم عليه كلما مر به متى مامر وليس عليه ان يمر به ليس عليه الا للوداع عند الخروج ويكره له ان يكثر المرور به والسلام عليه والاتيان كل يوم اليه لئلا يجعل القبر بفعله ذلك كالمسجد الذي يؤتى كل يوم للصلاة فيه وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك لقوله "اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد، اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد، انتهى كلام ابن رشد .

وانظر كيف جعل عليه ان يأتيه للوداع وبطريق الاولى السلام، وانما كراهة الاكثار لما ذكره واصل الاستحباب متفق عليه، وقد روى القاضي عياض في الشفاء قال ثنا القاضي ابو عبدالله محمد بن عبدالرحمن الاشعري و ابو القاسم احمد بن يحيى وغير واحد فيما اجازوا به قالوا ثنا احمد بن عمر بن دلهات ثنا علي بن فهر ثنا محمد بن احمد بن الفرج ثنا عبدالله بن السائب ثنا يعقوب بن اسحاق بن ابي اسرائيل ثنا ابن حميد قال ناظر ابو جعفر امير المؤمنين مالكا في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال له مالك يا امير المؤمنين لا ترفع صوتك في هذا المسجد فان الله تعالى ادب قوما فقال (لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبي) الآية ومدح قوما فقال (ان الذين يعضون اصواتهم عند رسول الله) الآية وذم قوما فقال (ان الذين ينادونك من وراء الحجرات) الآية وان حرمة ميتا كرمته حيا، فاستكان لها ابو جعفر، وقال يا ابا عبدالله استقبل القبلة و ادعوا أم استقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال ولم تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك ووسيلة ابيك آدم عليه السلام الى الله تعالى يوم القيامة، بل استقبله واستشفع به فيشفعك الله تعالى، قال الله تعالى

(ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله) الآية فانظر هذا الكلام من مالك رحمه الله وما اشتمل عليه من الزيارة والتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم وحسن الأدب معه .

وقال القاضي عياض قال ابن حبيب ويقول اذا دخل مسجد الرسول (بسم الله و سلام على رسول الله . السلام علينا من ربنا و صلى الله و ملائكته على محمد ، اللهم اغفر لي ذنوبي و افتح لي ابواب رحمتك و جنتك و اغنني من الشيطان الرجيم) ثم اقصد الى الروضة و هي ما بين القبر و الدبر فاركع فيها ركعتين قبل و قوفك بالقبر ثم تقف بالقبر متواضعا متواقرا فتصلي عليه و تشي بما يحضرك و تسلم على ابي بكر و عمر رضی الله عنهما و تدعو لها و لاتدع ان تأتي مسجد قبا و قبور الشهداء .

وقال مالك في كتاب محمد و يسلم على النبي صلى الله عليه وسلم اذا دخل و خرج يعني في المدينة و فيها بين ذلك . وقال محمد و اذا خرج جعل آخر عمده الوقوف بالقبر و كذلك من خرج مسافرا . وقال مالك في المسوط و ليس يلزم من دخل المسجد او خرج منه من اهل المدينة الوقوف بالقبر و انما ذلك للغرباء . وقال فيه ايضا لا بأس لمن قدم من سفر او خرج الى سفر ان يقف على قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيصلي عليه و يدعو له و لابي بكر و عمر فقيل له فان ناسا من اهل المدينة لا يقدمون من سفر ولا يريدونه يفعلون ذلك في اليوم مرة او اكثر و ربما وقفوا في الجمعة او في الايام المرة و المرتين او اكثر عند القبر فيسلمون و يدعون ساعة . فقال لم يبلغني هذا عن احد من اهل الفقه يلدنا و تركه واسع و لا يصلح آخر هذه الامة الا ما اصلاح اولها و لم يبلغني عن اول هذه الامة و صدرها . انهم كانوا يفعلون ذلك ، و يكره الامن جاء من

سفر

سفر او اراده . قال ابن القاسم ورأيت اهل المدينة اذا خرجوا منها او دخلوها اتوا القبر فسلموا قال وذلك رأيي . قال الباجي ففرق بين اهل المدينة والغرباء لان الغرباء قصدوا لذلك واهل المدينة مقيمون بها لم يقصدوها من اجل القبر والتسليم . انتهى ما حكاه القاضي عياض .
وانظر قول الباجي ان الغرباء قصدوا لذلك ودلالته على ان الغرباء قصدوا المدينة من اجل القبر والتسليم ، والمتلخص من مذهب مالك رحمه الله ان الزيارة قربة ولكنه على عادته في سد الذرائع يكره منها الاكثر الذي قد يفضى الى محذور ، والمذاهب الثلاثة يقولون باستجابها واستجاب الاكثر منها لان الاكثر من الخير خيرا وكلهم يجمعون على استجاب الزيارة ، وفي كتاب النوادر وياتي قبور الشهداء بأحد ويسلم عليهم كما يسلم على قبره صلى الله عليه وسلم وعلى ضجيعيه .
وقال ابو محمد عبد الكريم بن عطاء الله بن عبدالرحمن بن عبدالله ابن محمد بن عيسى بن الحسن المالكي في مناسكه التي التزم فيها مشهور مذهب مالك - فصل - اذا كمل لك حجك وعمرتك على الوجه المشروع لم يبق بعد ذلك الا اتيان مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم للسلام على النبي صلى الله عليه وسلم والدعاء عنده والسلام على صاحبيه والوصول الى البقيع وزيارة ما فيه من قبور الصحابة والتابعين والصلاة في مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم فلا ينبغي للقادر على ذلك تركه .

وقال العبدى في شرح الرسالة : واما النذر الى المسجد الحرام او المشى الى مكة فله اصل في الشرع وهو الحج والعمرة والى المدينة لزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم افضل من الكعبة ومن يت المقدس

وليس عندهما حج ولا عمرة فاذا نذر المشى الى هذه الثلاثة لزومه
فالكعبة متفق عليها واختلف اصحابنا وغيرهم في المسجدين الآخرين .
قلت الخلاف الذي أشار اليه في نذر اتيان المسجدين لاني
الزيارة ، فهذه نقول المذاهب الاربعة وكذلك غيرهم من الصحابة
والتابعين ومن بعدهم فقد صح من وجوه كثيرة عن عبدالله بن
عمر رضي الله عنهما انه كان يأتي القبر فيسلم على النبي صلى الله عليه وسلم .
انا عبدالمؤمن بن خلف انا ابراهيم بن ابي الخير وابوعبدالله محمد بن
الحق منفردين في الرحلة الاولى ، قالا انا شهدة انا الحسن بن احمد بن
سليمان انا الحسن بن احمد بن شاذان انا دعلج انا محمد بن علي بن
زيد الصائغ ثنا سعيد بن منصور ثنا مالك بن انس عن نافع عن ابن
عمر انه كان يأتي القبر فيسلم على النبي صلى الله عليه وسلم وعلى ابي بكر
وعمر . وقال دعلج هذا الحديث في الموطأ عن عبدالله بن دينار عن ابن
عمر وانا به اسحاق بن النحاس من طريق آخر الى سعيد بن منصور ثنا
مالك به . وروى عن ابن عون قال سألت رجلا نافعاً هل كان ابن عمر ينسلم
على القبر؟ قال نعم لقد رأيته مائة مرة او اكثر من مائة مرة كان يأتي القبر
فيقوم عنده فيقول السلام على النبي السلام على ابي بكر السلام على ابي .
وفي الموطأ من رواية يحيى بن يحيى الليثي عن ابن عمر كان يقف على
قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيصلي على النبي صلى الله عليه وسلم وعلى ابي بكر
وعمر . وعند ابن القاسم والقعني : ويدعو لابن بكر وعمر . وقال في رواية
ابن وهب يقول المسلم : السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته . قال في
المبسوط ويسلم على ابي بكر وعمر . قال القاضي ابو الوليد الباجي وعندى
انه يدعو للنبي صلى الله عليه وسلم بلفظ الصلوة ولابن بكر وعمر كما في

حديث

(٩)

حدیث ابن عمر من الخلاف .

وقال عبدالرزاق فی مصنفه باب السلام علی قبر النبی صلی الله علیہ وسلم وروی فیہ آثارا منها باسناد صحیح ان ابن عمر کان اذا قدم من سفر آتی قبر النبی صلی الله علیہ وسلم فقال السلام علیک یا رسول الله السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا ابیہ . وروی عبدالرزاق فی هذا الباب ایضا ان سعید بن المسیب رأى قوما یسلمون علی النبی صلی الله علیہ وسلم فقال ما مکث نبی فی الارض اکثر من اربعین یوما . ثم روى عبدالرزاق فیہ قوله صلی الله علیہ وسلم مررت بموسی لیلۃ أسرى بی وهو قائم یصلی فی قبره . كأنه قصد بذلك رد ما روى عن ابی المسیب وهو رد صحیح ، وما ورد عن ابن المسیب ورد فیہ حدیث تذکره فی باب حیاة الانبیاء ، وقد روى عن عثمان بن عفان رضی الله عنه انه لما حصر اشار بعض الصحابة علیہ بان یلحق بالشام فقال لن افارق دار هجرتی و مجاورة رسول الله صلی الله علیہ وسلم فیها . وهو مخالف لما قال ابن المسیب رحمه الله وهو الصحیح وكذلك ما ذکرناه عن ابن عمر ثم لوضح قول ابن المسیب لم یمنع من استحباب زیارة القبر لشرفه بحلولة فیہ ونسبته الیه كما قال الشاعر .

أمر علی الدیار دیار لیلی أقبل ذا الجدار وذا الجدارا
وما حب الدیار شغف قلبی ولكن حب من مکن الدیارا
و ابن المسیب رحمه الله لم ینکر التسلم و إنما ذکر عنده الفائدة
وقال القاضی عیاض فی الشفاء قال بعضهم رأیت انس بن مالک
آتی قبر النبی صلی الله علیہ وسلم فوقف فرفع یدیه حتی ظننت انه افتح
الصلوة فسلم علی النبی صلی الله علیہ وسلم ثم انصرف .

وفي مسند الامام ابي حنيفة رحمه الله تصنيف ابي القاسم طلحة ابن محمد بن جعفر الشاهد العدل قال ثنا محمد بن مخلد حدثني محمد بن يعقوب بن اسحاق بن حكيم حدثني احمد بن الخليل حدثني الحسن ثنا ابن المبارك ثنا وهب عن ابي حنيفة قال جاء ايوب السخيتاني فدنا من قبر النبي صلى الله عليه وسلم فاستدبر القبلة وأقبل بوجهه الى القبر فبكي بكاء غير متباك .

وقال ابراهيم الحربي في مناسكه تولى ظهرك القبلة وتستقبل وسطه - يعني القبر و تقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته وقال ابن بطال في شرح البخاري قوله صلى الله عليه وسلم ما بين يتي ومنبري روضة من رياض الجنة بعد أن حكى القولين المشهورين، قال واستدل الثاني بقوله ارتعوا في رياض الجنة يعني حلق الذكر والعلم، قال ويكون معناه التحريض على زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم والصلوة في مسجده انتهى .

ولو استوعبنا الآثار وأقاويل العلماء في ذلك لخرجنا الى حد الطول والملل، فان قلت قد ذكره مالك رحمه الله ان يقال زرنا قبر النبي صلى الله عليه وسلم، قلت قال القاضي عياض قد اختلف في معنى ذلك قيل كراهية الاسم لما ورد من قوله صلى الله عليه وسلم لعن الله زوارات القبور وهذا يردده قوله كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها وقوله من زار قبري، فقد اطلق اسم الزيارة وقيل لان ذلك لما قيل ان الآثار افضل من المزور وهذا ايضا ليس بشيء اذ ليس كل زائر بهذه الصفة وليس عموما، وقد ورد في حديث اهل الجنة لزيارتهم لربهم ولم يمنع هذا اللفظ في حقه، والاولى عندي ان منعه وكراهة مالك له لاضافة الى

زرت النبي واعظم ذلك ان يكون النبي صلى الله عليه وسلم يزار قال
 محمد بن رشد ما كره مالك هذا والله اعلم الامن وجه ان كلمة اعلى
 من كلمة فلما كانت الزيارة تستعمل في الموتى وقد وقع فيها من الكراهة
 ما وقع كرهه ان يذكر مثل هذه العبارة في النبي صلى الله عليه وسلم
 كما كرهه ان يقال ايام التشريق واستحب ان يقال الايام المعدودات كما
 قال الله تعالى، وكما كرهه ان يقال العتمة ويقال العشاء الاخيرة ونحو
 هذا، وكذلك طواف الزيارة كأنه يستحب ان يسمى بالاقاضة كما
 قال الله تعالى في كتابه (فاذا أفضتم من عرفات) فاستحب ان يشتق له
 الاسم من هذا وقيل انه كره لفظ الزيارة في الطواف بالبيت والمضى
 الى قبر النبي صلى الله عليه وسلم لان المضى الى قبره عليه السلام ليس
 ليصله بذلك ولا لينفعه به، وكذلك الطواف بالبيت وانما يفعل باديه
 لما يلزمه من فعله ورغبته في الثواب على ذلك من عند الله عز وجل
 وبالله التوفيق انتهى كلام ابن رشد .

وقد وقع فيه كراهية مالك قول الناس زرت النبي صلى الله عليه
 وسلم وهو يرد ما قاله القاضي عياض فاما كراهية اسناد الزيارة الى
 القبر فيحتمل ان تكون العلة فيه ما قاله القاضي عياض، ويحتمل ان
 تكون العلة ما قاله ابو عمران وابن رشد، واما اضافة الزيارة الى النبي
 صلى الله عليه وسلم ان ثبت ذلك عن مالك فيتعين ان تكون العلة فيه
 ما قاله ابو عمران وابن رشد .

والمختار في تأويل كلام مالك رحمه الله ما قاله ابن رشد دون
 ما قاله القاضي عياض لان ابن الموازحكي في كتابه في كتاب الحج في
 باب ما جاء في الوداع قال اشهب قبل لمالك فيمن قدم معتمرا ثم
 اراد

اراد ان يخرج الى رباط أعليه ان يودع؟ قال هو من ذلك في سعة ثم قال انه لا يعجبنى ان يقول أحد الوداع وليس هو من الصواب وانما هو الطواف قال الله تعالى (وليطوفوا بالبيت العتيق) قال واكره ان يقال الزيارة. واكره ما يقول الناس زرت النبي صلى الله عليه وسلم واءظم ذلك ان يكون النبي صلى الله عليه وسلم يزار، وقال مالك في وداع البيت ما يعرف في كتاب الله ولاسته رسوله عليه السلام الوداع انما هو الطواف بالبيت، قلت لمالك أفترى هذا الطواف الذى يودع به أهوال التزام؟ قال بل الطواف وانما قال فيه عمر آخر النسك الطواف بالبيت، قيل لمالك فالذى يلتزم أترى له ان يتعلق باستار الكعبة عند الوداع؟ قال لا ولكن يقف ويدعو. قيل له وكذلك عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال نعم، انتهى ما اردت نقله من الموازية وهي من اجل كتب المالكية القديمة المعتمد عليها.

وسياقة حكاية اشهب عن مالك ترشد الى المراد وان مالكا رحمه الله انما كره اللفظ كما كرهه في طواف الوداع أفترى يتوهم مسلم أو عاقل ان مالكا كره طواف الوداع؟ وانظر في آخر كلام مالك كيف اقتضى انه يقف ويدعو عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم كما يقف ويدعو عند الكعبة في طواف الوداع فأى دليل أبين من هذا في ان اتيان قبر النبي صلى الله عليه وسلم والوقوف والدعاء عنده من الامور المعلومة التي لم تزل قبل مالك وبعده ولوعرف مالك رحمه الله ان احدا يتوهم عليه ذلك من هذا اللفظ لما نطق به ولا لوم على مالك فان لفظه لا ايهام فيه وانما يتلبس على جاهل او متجاهل، والمختار عندنا انه لا يكره اطلاق هذا اللفظ ايضا لقوله: من زار قبرى وقد تقدم

الاعتذار عن مالك فيه ولا يرد عليه قوله «زوروا القبور» لان زيارة قبور غير الانبياء لينفعهم ويصلهم بها وبالذعاء والاستغفار، ولهذا قال ابو محمد عبد الله بن عبدالرحمن المالكي المعروف بالشارمساحي في كتاب (تلخيص محصول المدونة) من الاحكام الملقب بنظم الدر في كتاب الجامع في الباب الحادي عشر في السفر ان قصد الاتتفاع بالميت بدعة الا في زيارة قبر المصطفى صلى الله عليه وسلم وقبور المرسلين صلوات الله عليهم اجمعين وهذا الذي ذكره في الاتتفاع بقبور المرسلين صحيح وكذلك سائر الانبياء . واما ما ذكره في غير الانبياء فتكلم عليه ان شاء الله تعالى في قبور غير الانبياء .

واما زيارة اهل الجنة لله تعالى فان صح الحديث فيها فلا ترد على شيء من المعاني التي قالها عبدالحق وابن رشد لانها ليست واجبة فان الآخرة ليست دار تكليف وقد انقطع الالحاق بزيارة الموتى في توم الكراهة، فقد بان لك بهذا وجه كلام مالك رحمه الله وانه على جواب القاضي عياض انما كره زيارة القبر لزيارة النبي صلى الله عليه وسلم وعلى جواب غيره انما كره اللفظ فيها دون المعنى وكذلك اكثر ما حكيناه من كلام اصحابه الوافية بمعنى الزيارة دون لفظها فن نقل عن مالك ان الحضور عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم لزيارة المصطفى صلى الله عليه وسلم والسلام عليه والدعاء عنده ليس بقربة فقد كذب عليه، ومن فهم عنه ذلك فقد اخطأ في فهمه وضل وحاشي مالك وساير علماء الاسلام بل وعوامهم ممن قرالايان في قلبه .

فان قلت فقد روى عبدالرزاق في مصنفه بسنده الى الحسن بن الحسن ابن علي انه رأى قوما عند القبر فتهاجم، وقال ان النبي صلى الله عليه وسلم قال

قال لا تتخذوا قبري عيداً ولا تتخذوا بيوتكم قبوراً وصلوا عليّ حيث ما كنتم فان صلواتكم تبلغني ، قلت قد روى القاضي اسماعيل في كتاب فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم بسنده الى علي بن الحسين ابن علي ، وهو زين العابدين ، ان رجلاً كان يأتي كل غداة فيزور قبر النبي صلى الله عليه وسلم ويصلي عليه ويصنع من ذلك ما انتهره عليه علي بن الحسين فقال له علي بن الحسين ما يحملك على هذا قال احب التسليم على النبي صلى الله عليه وسلم فقال له علي بن الحسين هل لك ان احدثك حديثاً عن ابي قال نعم ، فقال له علي بن الحسين اخبرني ابي عن جدي انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجعلوا قبري عيداً ولا تجعلوا بيوتكم قبوراً وصلوا عليّ وسلوا حيث ما كنتم فسيلغني سلامكم وصلواتكم ، وهذا الاثريين لنا ان ذلك الرجل زاد في الحد وخرج عن الامر المسنون فيكون كلام علي بن الحسين موافقاً لما تقدم عن مالك وليس انكار اصل الزيارة ، او يكون اراد تعليقه ان السلام يبلغ من الغيبة لما رآه يتكلف الاكثار من الحضور وعلى ذلك يحمل ما ورد عن حسن بن حسن وغيره من ذلك ولم يذكر هذا الاثر ليحتج به بل للتأيس بأمر يحتمل في ذلك الاثر المطلق وابداء وجه من وجوه التأويل ، وكيف يتخيل في احد من السلف منهم من زيارة المصطفى صلى الله عليه وسلم وهم مجمعون على زيارة سائر الموتى ، وسند ذكر ذلك ، وما ورد من الاحاديث والآثار في زيارتهم فالنبي صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء الذين ورد فيهم انهم احياء كيف يقال فيهم هذه المقالة .

واما قوله صلى الله عليه وسلم لا تجعلوا قبري عيداً ، فرواه

ابو داود السجستاني وفي سننه عبدالله بن نافع الصائغ روى له الاربعة
ومسلم ، قال البخارى تعرف حفظه وتنكر . وقال احمد بن حنبل
لم يكن صاحب حديث كان ضعيفا فيه ولم يكن في الحديث بذاك ، وقال
ابو حاتم الرازى ليس بالحافظ هولين تعرف حفظه وتنكر و وثقه يحيى
ابن معين وقال ابوزرعة لا بأس به . .

وقال ابن عدى روى عن مالك غرائب وهو فى رواياته مستقيم
الحديث فان لم يثبت هذا الحديث فلا كلام وان ثبت وهو الاقرب
فقال الشيخ زكى الدين المنذرى يحتمل ان يكون المراد به الحث على
كثرة زيارة قبره صلى الله عليه وسلم وان لا يهمل حتى لا يزار الا فى بعض
الاقوات كالعيد الذى لا يأتى فى العام الا مرتين ، قال ويؤيد هذا التأويل
ما جاء فى الحديث نفسه لا تجعلوا بيوتكم قبورا اى لا تركوا الصلوة فى
بيوتكم حتى تجعلوها كالقبور التى لا يصلى فيها .

قلت ويحتمل ان يكون المراد لا تتخذوا له وقتا مخصوصا لا تكون
الزيارة الا فيه كما ترى كثيرا من المشاهد لزيارتها يوم معين كالعيد
وزيارة قبره صلى الله عليه وسلم ليس فيها يوم بعينه بل أى يوم كان
ويحتمل ايضا ان يراد ان يجعل كالعيد فى العكوف عليه واظهار
الزينة والاجتماع وغير ذلك مما يعمل فى الاعياد بل لا يؤتى الا للزيارة
والسلام والدعاء ثم ينصرف عنه والله اعلم بمراد نبيه صلى الله عليه وسلم .

الباب الخامس

فى تقرير كون الزيارة قرينة

وذلك بالكتاب والسنة والاجماع والقياس ، اما الكتاب فقوله
متعالى (ولو أنهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول
لوجدوا (١٠) لوجدوا

لوجدوا الله توابا رحيمًا) دلت الآية على الحث على المجيء إلى الرسول صلى الله عليه وسلم والاستغفار عنده واستغفاره لهم وذلك وإن كان ورد في حال الحياة فهي رتبة له صلى الله عليه وسلم لا تنقطع بموته تعظيما له .

فإن قلت المجيء إليه في حال الحياة ليستغفر لهم وبعد الموت ليس كذلك، قلت دلت الآية على تعليق وجدانهم الله تعالى توابا رحيمًا بثلاثة أمور المجيء واستغفارهم واستغفار الرسول، فاما استغفار الرسول فإنه حاصل لجميع المؤمنين لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم استغفر للمؤمنين والمؤمنات لقوله تعالى (واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات) . ولهذا قال عاصم بن سليمان وهو تابعي لعبد الله بن سرجس الصحابي رضي الله عنه استغفرك رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال نعم ولك ثم تلا هذه الآية رواه مسلم فقد ثبت أحد الأمور الثلاثة وهو استغفار رسول الله صلى الله عليه وسلم لكل مؤمن ومؤمنة فإذا وجد نجيبهم واستغفارهم تكملت الأمور الثلاثة الموجبة لتوبة الله ورحمته، وليس في الآية ما يبين أن يكون استغفار الرسول بعد استغفارهم بل هي بجملة والمعنى يقتضى بالنسبة إلى استغفار الرسول أنه سواء أتقدم أم تأخر فإن المقصود ادخالهم لمجيبهم واستغفارهم تحت من يشمله استغفار النبي صلى الله عليه وسلم، وإنما يحتاج إلى المعنى المذكور إذا جعلنا «واستغفر لهم الرسول» معطوفا على «فاستغفروا الله» أما إن جعلنا معطوفا على جاؤك لم يحتاج إليه .

هذا كله إن سلمنا أن النبي صلى الله عليه وسلم لا يستغفر بعد الموت ونحن لا نسلم ذلك لما سنذكره من حياته صلى الله عليه وسلم واستغفاره

لأمته بعد موته واذا انكر استغفاره وقد علم كمال رحمة وشفقته على أمته فيعلم انه لا يترك ذلك لمن جاره مستغفرا به تعالى فقد ثبت على كل تقدير أن الامور الثلاثة المذكورة في الآية حاصلة لمن يجيء اليه صلى الله عليه وسلم مستغفرا في حياته وبعد مماته، والآية وان وردت في اقوام معينين في حالة الحياة فتعم بعموم العلة كل من وجد فيه ذلك الوصف في الحياة وبعد الموت ولذلك فهم العلماء من الآية العموم في الحالتين واستحبوا لمن أتى الى قبره صلى الله عليه وسلم ان يتلو هذه الآية ويستغفر الله تعالى، وحكاية العتيبي في ذلك مشهورة وقد حكاها المصنفون في المناسك من جميع المذاهب والمؤرخون وكلهم استحسوها ورأوها من آداب الزائر وما ينبغي له ان يفعله وقد ذكرناها في آخر الباب الثالث .

واما السنة فما ذكرناه في الباب الأول والثاني من الاحاديث وهي ادلة على زيارة قبره صلى الله عليه وسلم بخصوصه وفي السنة الصحيحة المتفق عليها الامر بزيارة القبور، وقال صلى الله عليه وسلم كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، وقال صلى الله عليه وسلم زوروا القبور فانها تذكركم الآخرة، وقال الحافظ ابو موسى الاصبهاني في كتابه (آداب زيارة القبور) ورد الامر بزيارة القبور من حديث بريدة وأنس وعلي وابن عباس وابن مسعود وابي هريرة وعائشة وابي بن كعب وابي ذر رضي الله عنهم، انتهى كلام ابي موسى الاصبهاني، قبر النبي صلى الله عليه وسلم سيد القبور داخل في عموم القبور المأمور بزيارتها .

واما الاجماع، فقد حكاها القاضي عياض على ما سبق في الباب

الرابع

الرابع، واعلم ان العلماء مجمعون على انه يستحب للرجال زيارة القبور بل قال بعض الظاهرية بوجوبها للحديث المذكور وعن حكي اجماع المسلمين على الاستحباب ابو زكريا النووي، وقد رأيت في مصنف ابن ابي شيبة عن الشعبي قال لولا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن زيارة القبور لزرت قبر بنتي، وهذا ان صح يحمل على ان الشعبي لم يبلغه النسخ مع ان الشعبي لم يصرح بقول له ومثل هذا لا يفتح وكذلك رأيت فيه عن ابراهيم قال: كانوا يكرهون زيارة القبور وهذا لم يثبت عندنا ولم يبين ابراهيم الكراهة عن ولا كيف هي فقد تكون عمولة على نوع من الزيارة مكروهة، ولم اجد شيئا يمكن ان يتعلق به الخصم غير هذين الاثرين ومثلها لا يعارض الاحاديث الصريحة الصحيحة والسنن المستفيضة المألوفة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم بل لو صح عن الشعبي والنخعي التصريح بالكراهة لكان ذلك من الاقوال الشاذة التي لا يجوز اتباعها والتعويل عليها، فانا نقطع وتحقق من الشريعة بمجواز زيارة القبور للرجال وقبر النبي صلى الله عليه وسلم داخل في هذا العموم ولكن مقصودنا اثبات الاستحباب له بخصوصه للأدلة الخاصة بخلاف غيره عن لا يستحب زيارة قبره لخصومه بل لعموم زيارة القبور وبين المعنيين فرق كما لا يخفى فزيارته صلى الله عليه وسلم مطلوبة بالعموم والخصوص .

بل اقول انه لو ثبت خلاف في زيارة قبر غير النبي صلى الله عليه وسلم لم يلزم من ذلك اثبات خلاف في زيارته لان زيارة القبر تعظيم وتعظيم النبي صلى الله عليه وسلم واجب، واما غيره فليس كذلك ولهذا المعنى اقول والله اعلم انه لا فرق في زيارته صلى الله عليه وسلم بين

الرجال والنساء لذلك ولعدم المحذور في خروج النساء اليه، واما سائر القبور فحل الاجماع على استحباب زيارتها للرجال .

واما النساء ففي زيارتهن للقبور اربعة اوجه في مذهبنا ، اشهرها انها مكروهة جزم به الشيخ ابو حامد و المحاملي و ابن الصباغ و الجرجاني و نصر المقدسي و ابن ابي عصرون و غيرهم، وقال الرافعي ان الأكثرين لم يذكروا سواه وقال النووي قطع به الجمهور و صرح بانها كراهة تنزيه و الثاني انها لا تجوز قاله صاحب المهذب و صاحب البيان و الثالث لا تستحب و لا تکره بل تباح قاله الروياني ، و الرابع ان كانت لتجديد الحزن و البكاء بالتعديد و النوح على ما جرت به عادتھن فهو حرام و عليه يحمل الخبر و ان كانت للاعتبار بغير تعديد و لانياحة كره الا ان تكون عجزا لا تشتهي فلا تکره كحضور الجماعة في المساجد ، قاله الشاشي و فرق بين الرجل و المرأة بان الرجل معه من الضبط و القوة ، بحيث لا ييكي ولا يجزع بخلاف المرأة . و احتج المانعون بقوله صلى الله عليه وسلم لعن الله زوارات القبور، رواه الترمذي من حديث ابي هريرة ، و قال حسن صحيح و رواه ابن ماجه من حديث حسان بن ثابت .

و احتج المجوزون بأحاديث منها قوله صلى الله عليه وسلم كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، و اجاب المانعون بان هذا خطاب للذكور، و منها قوله صلى الله عليه وسلم للمرأة التي رآها عند قبر تبكي اتقى الله و اصبري و لم ينهها عن الزيارة و هو استدلال صحيح ، و منها قول عائشة كيف اقول يا رسول الله قال قولي السلام على اهل الديار من المؤمنين . و سند كرهه في خروج النبي صلى الله عليه وسلم للبقيع و هو استدلال صحيح .

و قد

من الدين ما لم يأذن به الله) فمن منع زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقد شرع من الدين ما لم يأذن به الله وقوله مردود عليه ولو فتحنا باب هذا الخيال الفاسد لتركنا كثيرا من السنن بل ومن الواجبات .

و القرآن كله و الاجماع المعلوم من الدين بالضرورة و سير الصحابة و التابعين و جميع علماء المسلمين و السلف الصالحين على و جوب تعظيم النبي صلى الله عليه وسلم و المبالغة في ذلك و من تأمل القرآن العزيز و ما تضمنه من التصريح و الايمان الى و جوب المبالغة في تعظيمه و توقيره و الأدب معه و ما كانت الصحابة يعاملونه ؟ من ذلك امتلاء قلبه ايمانا و احترام هذا الخيال الفاسد و استنكف ان يصغى اليه و الله تعالى هو الحافظ لدينه (و من يهد الله فهو المهتدي و من يضل فلا هادي له) و علماء المسلمين متكفلون بأن يبينوا للناس ما يجب من الادب و التعظيم و الوقوف عند الحد الذي لا يجوز مجاوزته بالادلة الشرعية ، و بذلك يحصل الامر من عبادة غير الله تعالى و من اراد الله ضلاله من افراد من الجهال فلن يستطيع أحد هدايته فمن ترك شيئا من التعظيم المشروع لمنصب النبوة زاعما بذلك الادب مع الربوبية فقد كذب على الله تعالى و ضيع ما أمر به في حق رسله كما ان من أفرط و جاوز الحد الى جانب الربوبية فقد كذب على رسل الله و ضيع ما امروا به في حق ربهم سبحانه و تعالى ، و العدل حفظ ما امر الله به في الجانبين و ليس في الزيارة المشروعة من التعظيم ما يفضى الى مجذور .

و اعلم أن زيارة القبور على اقسام ، القسم الاول ان يكون لمجرد تذكرا للموت و الآخرة و هذا يكفي فيه رؤية القبور من غير معرفة باصحابها و لا قصد امر آخر من الاستغفار لهم و الامن التبرك بهم و لا

ولامن اداء حقوقهم وهو مستحب لقوله صلى الله عليه وسلم زوروا القبور فانها تذكركم الآخرة ، وذلك لان الانسان اذا شاهد القبر تذكر الموت وما بعده وفي ذلك عظة واعتبار وهذا المعنى ثابت في جميع القبور ودلالة القبور على ذلك متساوية كما ان المساجد غير المساجد الثلاثة متساوية لا يتعين شيء منها بالتعين بالنسبة الى هذا الغرض .

القسم الثاني زيارتها للدعاء لاهلها كما ثبت من زيارة النبي صلى الله عليه وسلم لاهل البقيع وهذا مستحب في حق كل ميت من المسلمين .

القسم الثالث للتبرك بأهله اذا كانوا من اهل الصلاح والخير وقد قال ابو محمد الشارمساحي المالكي ان قصد الارتفاع بالميت بدعة الا في زيارة قبر المصطفى صلى الله عليه وسلم وقبور المرسلين صلوات الله عليهم اجمعين ، وهذا الذي استثناه من قبور الانبياء والمرسلين صحيح ، واما حكمه في غيرهم بالبدعة فيه نظر ولا ضرورة بنا هنا الى تحقيق الكلام فيه لان مقصودنا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وغيره من الانبياء والمرسلين للتبرك بهم مشروعة وقد صرح به .

القسم الرابع لاداء حقوقهم فان من كان له حق على الشخص فينبغي له بره في حياته وبعد موته والزيارة من جملة البر لما فيها من الاكرام ويشبه ان تكون زيارة النبي صلى الله عليه وسلم قبر امه من هذا القبيل كما روى عنه صلى الله عليه وسلم انه زار قبر امه فبكى وابكى من حوله فقال استأذنت ربي في ان استغفر لها فلم يؤذن لي واستأذنته في ان ازور قبرها فأذن لي فزوروا القبور فانها تذكر الموت ، رواه مسلم ويدخل في هذا المعنى الزيارة رحمة للميت ورقة له وتأنيسا فقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال آنس ما يكون الميت في قبره

اذا زاره من كان يحبه في دار الدنيا .

وعن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من احد يمر بقبر اخيه المؤمن يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الا عرفه بورد عليه السلام ذكره جماعة، وقال القرطبي في التذكرة ان عبد الحق صححه ورويناه في الخلفيات من حديث ابى هريرة رضى الله عنه ايضا، والآثار في انتفاع الموتى بزيارة الاحياء وما يصل اليهم منهم وادراكهم لذلك لا تحصر، اذا عرف هذا فنقول زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم ثبت فيها هذه المعاني الاربعة اما الاول فظاهر واما الثانى فلاننا مأمورون بالدعاء له صلى الله عليه وسلم وان كان هو غنيا بفضل الله عن دعائنا .

واما الثالث والرابع فلانه لا أحد من الخلق اعظم بركة منه ولا اوجب حقا علينا منه فالمعنى الذى فى زيارة قبره لا يوجد فى غيره ولا يقوم غيره مقامه كما ان المسجد الحرام لا يقوم غيره مقامه، ومن هاهنا شرع قصده بخصوصه ويتعين بخلاف غيره من القبور هذا لولم يرد فى زيارته دليل خاص فكيف وقد ورد فى زيارته بخصوصه ما سبق من الاحاديث، وغيره لم يرد فيه الا الأدلة العامة فزيارة قبره صلى الله عليه وسلم مستحبة بعينها لما ثبت فيها من الادلة الخاصة ولما فيها من المعانى العامة التى لا تجتمع فى غيره، واما زيارة قبر غيره فهى مستحبة بالاطلاق وقد تقدمت للنصوص الدالة على استحباب زيارة القبور وحكاية الاجماع على ذلك، وان من الناس من قال بوجوبها.

وفى كتاب التواذر لابن ابى زيد من كتاب ابن حبيب والاباس بزيارة القبور والجلوس اليها والسلام عليها عند المرور بها، وقد فعل ذلك النبي صلى الله عليه وسلم وقد قدم ابن عمر من سفر

وقد مات اخوه عاصم فذهب الى قبره فدعا له واستغفر . وفي غير كتاب ابن حبيب : وراثه فقال .

فان تك أحزان وفائض دمة جرين دما من داخل الجوف منقعا
تجرعتها من عاصم واحتسيتها فأعظم منها ما احتسى وتجرعا
فليت المنايا كن خلفن عاصما فعشنا جميعا أوذهبن بنا معا
دفنا بك الايام حتى اذا أتت تريدك لم نسطع لها عنك مدفعا

قال ابن حبيب و فعلته عائشة رضي الله عنها لما مات أخوها عبد الرحمن وهي غائبة فلما قدمت أنت قبره فدعت له واستغفرت . قال وقد خرج النبي صلى الله عليه وسلم الى البقيع يستغفر لهم .

وكان صلى الله عليه وسلم اذا سلم على أهل القبور يقول السلام عليكم يا أهل الديار من المؤمنين والمسلمين يرحم الله المستقدمين منا والمستأخرين وانا ان شاء الله بكم لاحقون ، اللهم ارزقنا أجرهم ولا تفتنا بعدهم ، والقول في ذلك واسع تعذر ما يحضر منه . ويدل على التسليم على أهل القبور ما جاء من السنة في التسليم على النبي صلى الله عليه وسلم و ابي بكر وعمر مقبورين . وقد أتى النبي صلى الله عليه وسلم قبور شهداء احد فلم عليهم ودعا لهم . ومن المجموعة عن مالك انه سئل عن زيارة القبور فقال قد كان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عنها ثم أذن فيه فلوفله انسان ولم يقل الاخيرا لم أربه بأسا وليس من عمل الناس . وروى عنه انه كان يضعف زيارتها . قال ابن القرطبي و انما أذن في ذلك ليعتبر بها الالقادم من سفر وقد مات وليه في غيبته فليدع له و يترحم عليه و يؤتى قبور الشهداء باحد و يسلم عليهم كما يسلم على قبره صلى الله عليه وسلم و على ضجيعيه . انتهى كلام ابن زيد في النوادر .

وما وقع في كلام ابن حبيب من قوله «ولا بأس» قد يوم انه مباح ولكن ذلك لا ينافي كونه سنة، ولعل زيارة القبور عنده من قبيل عبادة المرضى ونحوها من القربات التي لم توضع باصلها عبادة على ما سيأتي عند الكلام في نذر الزيارة، واذا اريد هذا المعنى فلا يبعد الموافقة عليه فان زيارة الموتى كزيارة الاحياء وزيارة الاحياء لا يقال بانها وضعت عبادة بل تفعل على قصد التقرب تارة فيثاب عليها وعلى غير قصد التقرب تارة فلا يثاب وتكون اما مباحة او غير مباحة بحسب قصده .

وهكذا زيارة القبور، ووجه القرية فيها على انواع، منها الاعتبار وهو مستحب لكل أحد، ومنها الترحم والدعاء وهو مؤكد لمن مات قريه في غيبته كما فعل ابن عمر حين قدم بعد موت اخيه عاصم وكان ابن عمر اذا قدم وقد مات بعض ولده قال دلوني على قبره فيدلونه عليه فينطلق فيقوم عليه ويدعوه، رواه ابن ابى شيبة . وكما فعلته عائشة حين مات اخوها عبد الرحمن وكان قد مات بالحشى والحشى على اثني عشر ميلا من مكة، هكذا في كتاب ابن ابى شيبة عن ابن جريج فحمل حتى دفن بمكة فقدمت عائشة من المدينة فأتت قبره فوقفت عليه فتمثلت بهذين البيتين .

وكنا كندمانى جذيمة حقة من الدهر حتى قيل لن يتصدعا
فلا تفرقبا كاني ومالك لطلول اجتماع لم نبت ليله معا
أما والله لو شهدتك ما زرتك ولو شهدتك ما دفتك الا في
مكانك الذي مت فيه . وروى ابن سعد في الطبقات بسنده الى ابن ابى
ملكه قال رحمت من منزلي وانا اريد منزل عائشة فلتقتني على حمار
فألت بعض من كان معها قال زارت قبراً خيها عبدالرحمن .

وفي

وفي السير الكبير لمحمد بن الحسن تصنيف شمس الأئمة السرخسي الخنق انها جاءت من المدينة حاجة أو معتمرة فزارت قبره، وقال في قولها لو شهدتك ما زرتك انما قالت ذلك لاطهار التأسف عليه حين مات في الغربة ولاظهار عذرها في زيارته فان ظاهر قوله صلى الله عليه وسلم لعن الله زوارات القبور، يمنع النساء من زيارة القبور قال والحديث وان كان متأولا فلحشمة ظاهره قالت ما قالت. انتهى .

ومقصودنا ان زيارة ما عدا قبر النبي صلى الله عليه وسلم مما يثاب الشخص على فعله وقديماً أكد بحسب بعض الأحوال. فزيارة القريب أكد من غيره وتطلب لمعنى فيه محتص به وهو القرابة، وزيارة غير القريب ايضاً مستحبة للاعتبار والترحم والدعاء وذلك عام في كل المسلمين، وسيأتي من نصوص المالكية في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم جملة أخرى في الباب السابع، واذا زار قبراً معنا يكون مؤدياً للسنة بما تضمنه من زيارة جنس القبور ولا نقول ان زيارة ذلك القبر المعين بخصوصه سنة حتى يرد فيها فضل خاص او يعرف صلاحه فان زيارة جميع الصالحين قرينة كما يقولون ان الصلاة في المسجد مطلوبة ولا نقول الصلاة في مسجد بعينه مطلوبة الا في الثلاثة التي شهد الشرع بها ويقوم ما هو الافضل منها كالمسجد الحرام عن غيره، واذا ظهر لك تنظير زيارة القبور باتيان المساجد فتى كان المقصود بالزيارة تذكير الموت لا يشرع فيها قصد قبر بعينه، وان صح عن احد من العلماء انه يمنع من شد الرحال الى زيارة القبور كما نقل عن ابن عقيل و كما وقع في شرح مسلم فليحمل على هذا القسم، وكذلك اذا كان المقصود التبرك بمن لا يقطع له بذلك وان كنا نستحب زيارة قبور الصالحين

من حيث الجملة ونرجو البركة بزيارتها اكثر مما يستحب زيارة مطلق القبور، واما من يقطع بركته كقبور الانبياء، ومن شهد الشرع له بالجنة كابي بكر وعمر فيستحب قصده، ثم هم في ذلك على مراتب اعظمتهم النبي صلى الله عليه وسلم كما ان المساجد المشهود لها بالفضل على مراتب اعظمتها المسجد الحرام ولا تشد الرحال في هذا القسم الى قبر احد غير الانبياء .

و اذا كان المقصود الدعاء من غير حق خاص لذلك الميت فلا يتعين ايضا نعم لونه لونه ميت بعينه ممن يجوز الدعاء له وجب الوفاء بالدعاء لتعلق حقه به ولا يقوم غيره مقامه كما لو نذر الصدقة على فقير بعينه، وفي وجوب الوفاء بالزيارة مع الدعاء كما نذره نظر والأقرب وجوب الوفاء لان الدعاء عند القبور مقصود كما في الدعاء لأهل البقيع، وحيث يجوز شد الرحل لاداء هذا الواجب بعد لزومه بالنذر ولا يستحب شد الرحل لهذا الغرض قبل النذر فان الدعاء لذلك الميت بعينه عند قبره لم يطلبه الشارع ولا تعلق به حق الميت، واما الزيارة لاداء الحق كزيارة قبر الوالدين فيظهر أن قصد ذلك بعينه مشروع ويجوز بل يستحب شد الرحال اليه تأدية لهذا الحق، واعظم الحقوق حق النبي صلى الله عليه وسلم على كل مسلم فيستحب شد الرحال اليه لذلك .

هذا لو لم يرد فيه دليل خاص فكيف وقد قام الاجماع على فعله خلفا عن سلف، فان قلت ما قولكم فيمن نذر زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم هل ينقذ نذره ويلزمه ذلك أم لا؟ فان مقتضى قولكم استحبابها ان يلزم بالنذر، قلت نعم نقول بانقضاء نذره ولو لم يرد به صريح القاضي ابن كنج من اصحابنا ولم نر لغيره من الاصحاب خلافه.

وقد قدمنا في الباب الرابع عن العبدى المالكى لزومه، على انه لا يلزم ان كل مستحب او قرينة يلزم بالنذر فان القربات نوعان، أحدهما قرينة لم توضع لتكون عبادة وانما هي أعمال و أخلاق مستحسنة رغب الشارع فيها لعموم فائدتها وقد يتغنى فيها وجه الله تعالى فينال الثواب كعبادة المرضى وزيارة القادمين و افشاء السلام وما اشبه ذلك، فهذا النوع في لزومه بالنذر و جهان أصحابها اللزوم لقوله صلى الله عليه وسلم من نذر ان يطيع الله فليطعه. ومن هذا النوع تشييع الجنائز و تسميت العاطس.

و النوع الثانى فى العبادات المقصودة و هى التى وضعت للتقرب بها و عرف من الشرع الاهتمام بتكليف الخلق بايقاعها عبادة كالصلاة و الصوم و الصدقة و الحج فهذا النوع يلزم بالنذر بالاجماع الا فيما يستثنى، و منهم من يعبر عن النوع الاول بما لم يوجب الشرع ابتداء و عن الثانى بما اوجبه، و ادرجوا الاعتكاف فى النوع الثانى و ان كان لم يجب ابتداء، و قالوا الاعتكاف لبث فى مكان مخصوص، و من جنسه ما هو واجب شرعا و هو الوقوف بعرفات. و جعلوا من النوع الاول تجديد الوضوء فانه ليس فى الشرع وضوء واجب بغير حدث و ليس الوضوء مقصودا لنفسه بل للصلاة. و الاصح لزوم تجديده بالنذر.

والمستثنى مما اجمع عليه صور، منها ما اذا اُفرد صفة الواجب بالالزام كتطويل القراءة و اقامة الفرائض فى جماعة فى لزومه بالنذر و جهان أصحابها اللزوم، و منها ما فيه ابطال رخصة شرعية كنذر صوم رمضان فى السفر فى لزومه و جهان أصحابها المنع، و كذلك نذر المريض القيام بتكليف المشقة فى الصلاة و نذر صوم بشرط ان لا يفطر فى المرض فلا يلزم بالشرط على الاصح، و اجرى الرافى الوجهين فيمن نذر القيام

بلاخلاف، وان قلنا بتعيينه فقد يقال ان الحديث محمول على ذلك وانه لا دلالة له فيه على المدعى من عدم لزوم الاتيان، ووجه الدلالة ان الصلوة في مكة تقوم مقام الصلوة في بيت المقدس لانها جنس واحد والصلوة بمكة افضل فالتضعيف الذي الزمه في بيت المقدس يحصل له في مكة وزيادة، واما المشى فامر زائد على الصلوة وهو عبادة اخرى فلولزم لما قامت الصلوة بمكة مقامه فنلزمه الصلوة ببيت المقدس من غير مشى بان كان وقت النذر ببيت المقدس فلاشك ان الصلوة بمكة تجزيه، ومن نذر المشى الى بيت المقدس والصلوة فيها عبادتان فان قلنا بعدم لزوم اتيانه لم يبق عليه الا الصلوة فيجزيه الصلوة بمكة، وان قلنا يجب اتيانه فيظهر ان الصلوة لا تقوم مقامه، ومثل المسافة لومشى الى مكة مثل المسافة التي بينه وبين بيت المقدس اجزاء، وصيغة الحديث كما روينا لم يصرح فيه باتيان بيت المقدس، فيحتمل ان يقال انما التزم الصلوة فلذلك قامت الصلوة في مكة مقامها، ويحتمل ان يقال ان الناذر لما لم يكن في بيت المقدس فهو بنذره للصلوة ملتزم اتيانه بناء على ان ما لا يتم الواجب الا به فهو واجب وحيث يكون الاتيان ملتزما كما لو صرح به فلما افتاه النبي صلى الله عليه وسلم بالصلوة في مكة دل على عدم لزوم الاتيان بالنذر كما استدل به الشافعي والاصحاب .

وقد اطلنا في هذا الفصل اكثر مما يحتمله هذا المكان وظهر لك منه اذن التزامات، منها ما يلزم بالنذر بلاخلاف، ومنها ما يلزم على الصحيح، ومنها ما لا يلزم على الصحيح وظهر لك ما خذ كل قسم منها، والصحيح عندنا انه لا يشترط في المنذور ان يكون جنسه واجبا وهو مذهب مالك . والوجه الثاني لاصحابنا اشتراطه وينقل عن ابي حنيفة .

اذا عرفت هذا فزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم قرينة لحث الشرع عليها وترغيب فيها وقد قدمنا ان فيها جهتين جهة عموم وجهة خصوص، فاما من جهة الخصوص وكون الادلة الخاصة وردت فيها بعينها فيظهر القطع بلزومها بالنذر الحاقا لها بالعبادات المقصودة التي لا يوتى بها الاعلى وجه العبادة كالصلوة والصدقة والصوم والاعتكاف ولهذا المعنى والله اعلم قال القاضى ابن كج رحمه الله اذا نذر ان يزور قبر النبي صلى الله عليه وسلم فعندى انه يلزمه الوفاء وجهها واحدا .

ولو نذر ان يزور قبر غيره ففيه وجهان ، قلت وما قاله من القطع بلزوم الوفاء بها هو الحق لما قدمناه من الادلة الخاصة عليها وتردده في قبر غيره يحتمل ان يكون محله عند الاطلاق اوسواء لو عين أم لا- تشبيها لذلك بزيارة القادمين وافشاء السلام ونحو ذلك مما لم يوضع قرينة مقصودة وان كان قرينة. وعلى هذا يكون الاصح لزومه بالنذر كما في تلك المسائل. ويحتمل ان يكون محله عند التعيين فان زيارة قبر معين من غير الانبياء لاقرينة فيها بخصوصها كما سبق عند الكلام في اغراض الزيارة، واما اذا نظرنا الى زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم من جهة العموم خاصة واجتماع المعاني التي تقصد بالزيارة فيه فيظهر ان يقال ايضا انه يلزم بالنذر قولاً واحداً .

ويحتمل على بعد أن يقال انه كما لو نذر زيارة القادمين وافشاء السلام فيجربى في لزومها بالنذر ذلك الخلاف مع كونها قرينة في نفسها قبل النذر وبعده، وقد بان لك بهذا انها تلزم بالنذر وانه على تقدير ان يقال لا تلزم بالنذر لايخرجها ذلك عن كونها قرينة، ومن يشترط في المنذور انه يكون مما وجب جنسه بالشرع ويقول ان الاعتكاف

كذلك (١٢)

عند غير محمد بن مسلمة ولا يمنع ايضا من لزوم الزيارة في حق القريب كما قاله محمد بن مسلمة في مسجد قبا. وهذا الوجه هو اقرب التأويلات على قواعد مالك رحمه الله تعالى .

قال في (التهذيب للسائل المدونة) من قال على ان آتى المدينة او بيت المقدس او المشى الى المدينة او بيت المقدس فلا يأتيتها حتى ينوى الصلاة في مسجديها او يسميها فيقول الى مسجد الرسول ومسجد ايلياء وان لم ينو الصلاة فيها فليأتها راكبا ولا هدى عليه وكأنه لما سماها قال لله على ان اصلى فيها ولونذر الصلاة في غيرهما من مساجد الامصار صلى بموضعه ولم يأتها، ومن نذر ان يراط او يصوم بموضع يتقرب بآتيانه الى الله تعالى كعسقلان والاسكندرية لزمه ذلك فيه، وان كان من اهل مكة والمدينة ولا يلزم المشى الا من قال على المشى الى مكة او بيت الله او المسجد الحرام او الكعبة او الحجر او الركن. انتهى كلام التهذيب، وهو يدل على انه انما يلزم اتيان المدينة اذا سمى مسجدها او نوى الصلاة فيه فاعدا هذا لا يلزم بالنذر وان كان قرية.

الثالث انا قد منا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم مطلوبة بالخصوص للاحاديث التي صدرنا بها هذا الكتاب ولعمل السلف والخلف ومطلوبة بالعموم لاندرجها تحت الاحاديث الصحيحة المشهورة في زيارة القبور واللزوم بالنذر ظاهر من الجهة الاولى، واما من الجهة الثانية فقد قد منا ان مقاصد الزيارة متعددة وزيارة القبور من حيث الجملة كزيارة القادمين وقد قد منا في لزوم زيارة القادمين بالنذر خلافا مع القطع بكونها قريبة وزيارة القبور من حيث الجملة مثله وزيارة قبر معين ان قصد بها الدعاء له او اداء حقه ظهر اللزوم لحق الميت وان قصد التبرك ظهر

اللزوم

اللزوم ايضا في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وتعيينه دون غيره وان قصد الاتعاظ لم يتعين وكان لزوم اصل الزيارة على الخلاف وان لم يقصد شيئا فأبعد عن اللزوم . والسائل لما لك رحمه الله انما ذكر مجرد الاتيان فعمل مالكا لم يلزمه لذلك ولعل مالكا رحمه الله لم تبلغه الاحاديث الخاصة الواردة في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم على الخصوص وانما يدرجه تحت الاحاديث الواردة في زيارة القبور وان كان هو اشرفها واحقها بالزيارة ولا يلزمه بالندر لذلك في حقه ولا في حق غيره .

الرابع ان اتيان القبر قد يقصد زيارة من فيه وهو الذي نقول يانه قرية وهو الذي يقصده الناس غالبا، وقد يقصد زيارة المكان في نفسه لشرفه وهذا لانقول يانه قرية الا فيما شهد الشرع به فعمل مالكا رحمه الله اجاب على ذلك . ويدل على ان هذا مراده استدلاله بالحديث الذي جاء «لاتعمل المطى الا الى ثلاثة مساجد» . وسنين بيانا واضحا ان الحديث انما هو في السفر للامكنة لاللقاصد التي فيها ومالك اجل واعلم واوسع باعا واعلى كعبا من ان يخفى عنه ذلك فاستدلاله به يدل على انه اراد المكان فيكون مراده ان زيارة القبر من حيث هو تلك البقعة ليس بقربة وهو يوافق ما حمل القاضى عياض عليه قوله زرت قبر النبي صلى الله عليه وسلم وحينئذ فاما ان نوافق مالكا رحمه الله على ذلك عملا بقوله صلى الله عليه وسلم «لاتشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد» .

ونحمل قوله من زار قبرى على ان المراد من زارنى في قبرى كما هو الظاهر المتبادر الى الفهم ، واما ان يقال ان زيارة قبره ايضا

قربة بقوله من زار قبري وهذا اخص من قوله لا تشد الرحال فيخص به الا ان كلامها اعم واخص من وجه فلا يقضى بتخصيص احدهما للآخر، والاولى ان المراد بقوله من زار قبري من زارني في قبري ويكون قصد البقعة نفسها ليس بقربة كما اقتضاه كلام مالك رحمه الله فقد بان بهذا معنى كلام مالك رحمه الله وانه ليس فيه ما يقتضى ان الزيارة ليست بقربة ولا ان السفر اليها ليس بقربة بل هي قربة عند جميع العلماء ولهذا لو نذر الايتان الى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم وقلنا بانه يلزمه وانه يشترط ضم قربة الى الايتان قال الشيخ ابو علي السنجى من اصحابنا انه يكتب بالزيارة، وقال الرافعى انه الظاهر وتوقف فيه الامام من جهة ان الزيارة لا تتعلق بالمسجد وتعظيمه وليس توقفه لكون الزيارة ليست قربة هذا لم يقله احد. وقد قدمنا في الباب الرابع من كلام العبدى المالكى التصريح بان المشى الى المدينة للزيارة افضل من الكعبة ومن بيت المقدس .

الباب السادس

في كون السفر اليها قربة

وذلك من وجوه، أحدها الكتاب العزيز في قوله تعالى (ولوانهم اذظلموا انفسهم جاؤك) الآية وقد تقدم تقريرها في الباب الخامس والمجىء صادق على المجىء من قرب ومن بعد بسفر وبغير سفر ولا يقال ان جاؤك مطلق والمطلق لادلالة له على كل فرد وان كان صالحا لها، لانا نقول هو في سياق الشرط فيعم فمن حصل منه الوصف المذكور وجد الله توابا رحيمًا .

الثاني السنة من عموم قوله من زار قبري فانه يشمل القريب

والبعيد

منهم ثم مع ذلك هو معمور بالنسبة الى الزيارة في حق هذا القليل
وغيرهم الاعظم هو الزيارة حتى لو لم يكن ربما لم يسافروا ولهذا
قل القاصدون الى بيت المقدس مع تيسراتيه وان كان في الصلوة فيه
من الفضل ما قد عرف فالمقصود الاعظم في المدينة الزيارة كما
ان المقصود الاعظم في مكة الحج او العمرة وهو المقصود او معظم
المقصود من التوجه اليها وانكار هذا مكابرة، وبعوى كون هذا
الظاهر اشد وصاحب هذا السؤال ان شك في نفسه فليسأل من كل
من توجه الى المدينة ما قصد بذلك .

واما ما ذكره المصنفون في المناسك فانهم لم يريدوا به انه شرط
في كون السفر للزيارة قرينة ما قال هذا احد منهم ولا توهمه ولا اقتضاه
كلامه وانما ارادوا انه ينبغي ان يقصد قرينة اخرى ليكون سفرا الى
قربتين فيكثر الاجر بزيادة القرب حتى لو زاد من قصد القربات زادت
الاجر كأن يقصد مع ذلك زيارة شهداء احد وغير ذلك من القرب
التي هناك . و ارادوا بالتبني على ذلك انه قد يتوهم ان قصد قرينة اخرى
قادح في الاخلاص في نية الزيارة فنبهوا بذلك على هذا المعنى ولهذا
قال ابو عمرو ابن الصلاح ولا يلزم من هذا خلل في زيارته على
ما لا يخفى فمن تخيل ان مرادهم ان شرط كون سفر الزيارة قرينة ضم
قصد قرينة اخرى اليه فقد أخطأ خطأ لا يخفى على احد ممن له فهم .
وقولك ان الخصم انما اراد ان يبين كيفية الزيارة المستحبة وهو ان
يضم اليها قصد المسجد كما قاله غيره ، ان غيره لم يقل ذلك ولأدل
عليه كلامه ولإرادته .

الخامس ان وسيلة القرينة قرينة فان قواعد الشرع كلها تشهد

بان الوسائر معتبرة بالمقاصد قال صلى الله عليه وسلم ، ألا أد لكم على ما يمحو الله به الخطايا وترفع به الدرجات قالوا بلى يا رسول الله قال اسبغ الوضوء على المكاره وكثرة الخطى الى المساجد وانتظار الصلاة بعد الصلاة فذلكم الرباط فذلكم الرباط ، رواه مسلم ، والخطى الى المساجد انما شرفت لكونها وسيلة الى عبادة .

وقال صلى الله عليه وسلم اذا توضأ فأحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد لا يخرج الا الصلاة لم يخط خطوة الا رفعت له بها درجة وحط عنه بها خطيئة . رواه البخارى ومسلم .

وقال صلى الله عليه وسلم اعظم الناس أجرا فى الصلوة ابدى فاعبدهم فابعدهم مشى ، رواه البخارى ومسلم . وقال رجل ما يسرنى ان منزلى الى جنب المسجد أنى اريد ان يكتب لى بمشاي الى المسجد ورجوعى اذا رجعت الى اهلى . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قد جمع الله لك ذلك كله . رواه مسلم . وقال جابر كانت ديارنا نائية من المسجد فاردنا ان نبيع بيوتنا فنقرب من المسجد فهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان لكم بكل خطوة درجة . رواه مسلم .

وقال صلى الله عليه وسلم من تطهر فى بيته ثم مشى الى بيت من بيوت الله ليقضى فريضة من فرائض الله كانت خطواته احداهما تحط خطيئة والاخرى ترفع درجة . رواه مسلم ، وقال صلى الله عليه وسلم من غدا الى المسجد او راح أعد الله له نزلا كلما غدا او راح ، رواه البخارى ومسلم .

وقال صلى الله عليه وسلم من خرج من بيته متطهرا الى صلوة مكتوبة فأجره كأجر الحاج المحرم ، ومن خرج الى تسبيح الضحى لا ينصبه

الا اياه فأجره كأجر المعتمر رواه ابو داود. وقال صلى الله عليه وسلم
 وبشر المشائين في الظلم الى المساجد بالنور التام يوم القيامة. رواه ابو داود
 والترمذى وابن ماجه، وفي رواية: اولئك الخواضون في رحمة الله. وقال
 صلى الله عليه وسلم من غسل واغتسل وغدا وابتكر ودنا من
 الامام ولم يبلغ كان له بكل خطوة عمل سنة صيامها وقيامها، رواه
 ابو داود. وفي رواية ومشى ولم يركب. وقال صلى الله عليه وسلم من
 أتى اخاه المريض عائدا مشى في غرفة الجنة حتى يجلس فاذا جلس
 غمّرتة الرحمة. وقال صلى الله عليه وسلم من عاد مريضا او زار اخاه
 في الله ناداه مناد من السماء ان طبت وطاب ممشاك وتبوات من الجنة
 منزلا. رواه الترمذى وابن ماجه وقال الترمذى حسن غريب.

فهذه الاحاديث كلها تدل على ان وسائل القرية قريبة وكيف
 يتأتى نزاع في ذلك والشريعة كلها طائفة به والقرآن ناطق به قال
 تعالى (ومن يخرج من بيته مهاجرا الى الله ورسوله ثم يدركه الموت
 فقد وقع أجره على الله) وهذه الآية يحسن ان تكون دليلا على المقصود
 فان المسافر لزيارة رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج من بيته مهاجرا
 الى الله ورسوله: وقال تعالى (ذلك بأنهم لا يصيبهم ظمأ ولا نصب
 ولا مخمصة في سبيل الله ولا يظأون موطأ يغيظ الكفار ولا ينالون من
 عدوئنا الا كتب لهم به عمل صالح ان الله لا يضيع أجر المحسنين
 ولا ينفقون نفقة صغيرة ولا يقطعون اديا الا كتب لهم ليجزيهم الله
 احسن ما كانوا يعملون).

فهذه الامور كلها انما كتبت لهم وكتب لهم بها اجر لانها وسيلة
 الى الجهاد في سبيل الله بل الجهاد نفسه انما شرف لكونه سببا لاعلاء

كلمة الله وكذلك جميع ما طلبه الشرع مما هو معقول المعنى فهو وسيلة لذلك المعنى المعقول منه وبسببه طلب، وقد نقل الاصوليون الاجماع على ان من مشى من مسكان بعيد حتى حج كان افضل ممن حج من مكة، وفي الحديث عن الله تعالى: يعينى ما يتحمل المتحملون من اجلى، ولا شك ان المتوسل الى قرية بمباح فيه مشقة كالسير وغيره متحمل لتلك المشقة من اجل الله تعالى فهو يعين الله تعالى والله ناظر اليه وجازيه على سعيه: بل المباح الذى لامشقة فيه وفيه راحة للنفس اذا قصد به التوسل الى قرية حصل له به اجر كمن نام ليتقوى على قيام الليل او اكل ليتقوى على الطاعة ولهذا ورد في الاثر انى احسب نومتى كما احسب قومتى .

و تكلم العلماء في ان الثواب في هذا القسم على القصد خاصة او على الفعل و الاقرب الثانى و يشهد له قوله صلى الله عليه وسلم في الحديث الصحيح: انك لن تنفق نفقة تبتغى بها وجه الله حتى اللقمة ترفعها الى في امرأتك الا ازددت رفعة و درجة، فهذا يشهد لانه يؤجر على المباح اذا اقترن بالنية، وكذلك الحديث الصحيح انه يضع شهوته في الحلال وله فيها اجر، وحاصلها ان العبادات اربعة اقسام .

احدها ما وضعه الشرع عبادة اما تعبدا و اما لمعنى يحصل بها كالصلوة و الصوم و الصدقة و الحج فهذا متى صح كان قرينة و لا يمكن وجوده شرعا على غير وجه القرينة .

و ثانيا ما طلبه الشرع من مكارم الاخلاق كافشاء السلام و نحوه لما فيه من المصالح و هذا مقصود الشارع فاذا وجد منه الامثال كان قرينة و ان وجد بدونها كان من جملة المباحات .

و ثالثها ما لا يتصل بتحصيل مصلحة و لا يفعل الا على وجه التوصل

به الى غيره كالمشي ونحوه فهذا لا يقع غالبا الاعلى وجه الوسيلة فيكون بحسب ما يقصد به ، ان قصد به حرام كان حراما أو مباح كان مباحا او قربة كان قربة وان وقع من المكلف لا يقصد أصلا كان عبثا فيكون مكروها ولا نزاع في هذا القسم انه اذا قصد به القربة كان قربة وهو القسم الذى نحن بصدده و تصدينا لتقرر كونه قربة .

ورابعها ما وضع مباحا مقصودا لتحصيل المصالح الدنيوية كالاكل والشرب والنوم لمصلحة الابدان فهذا ان حصل بغير نية او بنية دنيوية كان مستوى الطرفين وان حصل بنية دينية حصل الأجر ، اما على النية وحدها كما ذكره بعض العلماء ، واما على النية مع الفعل وهو الحق لما سبق ، وهذا القسم الرابع اخفض رتبة من الوسيلة كما ان الوسيلة اخفض رتبة من القسمين الاولين فقد تقرر بهذا ان وسيلة القربة قربة والسفر لقصد الزيارة وسيلة اليها فتكون قربة .

فان قلت قد يقول الخصم الزيارة قربة في حق القريب خاصة اما البعيد الذى يحتاج الى سفر فلا وحينئذ لا يكون السفر اليها وسيلة الى قربة في حقه وانما تكون الوسيلة قربة اذا كانت يتوصل بها الى قربة مطلوبة من ذلك الشخص المتوسل ، قلت الزيارة قربة مطلقا في حق القريب والبعيد فان الادلة الدالة عليها غير مفصلة ، ومن ادعى تخصيص العام بغير دليل قطعنا بخطائه .

فان قلت . فالصلوة مطلقا قربة والسفر اليها ليس بقربة الا الى المساجد الثلاثة ، قلت قد يكون الشيء قربة وانضمامه الى غيره ليس بقربة فالصلوة في نفسها قربة وكونها في مسجد بعينه غير الثلاثة ليس بقربة فالسفر اليه وسيلة الى ما ليس بقربة .

فان قلت لو كانت وسيلة القربة قربة مطلقا لكأن النذر قربة لانه وسيلة الى ايقاع العبادة واجبة والواجب افضل من النفل والنذر مكروه لان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن النذر وقال انه لا يأتي بخير وانما يستخرج به من البخيل، قلت جعل النفل فرضا ليس بقربة بل هو مكروه لما فيه من الخطر والتعرض للاثم بتقدير الترك. ووقوع العبادة يمكن بغير النذر فلم يحصل بالنذر الا التعرض للخطر والخرج على انا نقول ان وسيلة القربة قربة من حيث هي موصلة لذلك المطلوب وقد يقترن بها امر عارض يخرجها عن ذلك كمن مشى الى الصلوة في طريق منسوب، والمدعى ان الفعل اذا كان مباحا ولم يقترن به الا قصد القربة به كان قربة وهذا لا يستثنى منه شيء.

فان قلت كيف تجزمون بهذا وقد اشتهر خلاف الاصوليين في ان الامر بالشئ امر بما لا يتم الا به او لا ومقتضى ذلك ان يجري خلاف في ان وسيلة المندوب هل هي مندوبة اولا؟ قلت، سنين في آخر الكلام ان كون الفعل قربة اعم من كونه مأمورا به ونبدأ اولا بالكلام على كون هذا السفر مأمورا به امر ندب فنقول: ما لا يتم المأمور به الا به ينقسم الى شرط في وجوده. والى ما هو شرط للعلم بوجوده كغسل جزء من الرأس للعلم بغسل الوجه، والخلاف في القسم الثاني قوى وليس مما نحن فيه.

واما القسم الاول وهو ما كان شرطا اوسيا لوجود المأمور به كالذي نحن فيه ونعبر عنه بالمقدمة فالجمهور على انه مأمور به واجب لوجوب المقصد وخالف في ذلك فريقان من الاصوليين فرقة خالفوا في الشرط ولم يخالفوا في السبب: وفرقة خالفوا في الشرط والسبب جميعا

جميعا، وربما نقل الخلاف في ذلك عن الواقفية وانهم لم يجزموا في ذلك بشيء بل توقفوا على عاداتهم وربما نقل الجزم بعدم الوجوب، وكلا القولين ان اخذ بالنسبة الى دلالة اللفظ وان دلالة لفظ الامر بالمقصود قاصرة عن دلالة عن الامر بالمقدمة فيسهل الامر فيه ولا يمنع عدم دلالة غيره ولا ينفى ذلك كون مقدمة الأمر به ما مورأ بها لدليل عقلي، وان اخذ بالنسبة الى انه اذا ترك يعاقب على ترك المقصد خاصة ولا يعاقب على ترك المقدمة فقريب ايضا ولكنه انما يبقى الوجوب لالتدب و كلامنا في التدب، وان اخذ بالنسبة الى ان الشيء الذي ورد الامر به مطلقا لا يجب الا عند وجود شرطه كما صرح به بعض متأخري الاصوليين، فهذا قول باطل لم يتحقق القول به عن أحد من الأئمة المعتمد على كلامهم، وقواعد الشريعة تقطع بطلانه ولا شك ان الأئمة المعبرين الذين هم أئمة الفتيا على خلافه ومستند من فرق بين السبب والشرط ان ايجاب المسبب لو كان مقيدا بحال وجود السبب لكان ايجابا لتحصيل الحاصل لان المسبب حاصل مع السبب بخلاف الشرط وقد اطلقنا في ذلك والمقصود ان الزيارة اذا كانت مندوبة في حق البعيد والسفر شرط لها كان مندوبا وهذا لم يحصل فيه نزاع بين العلماء.

فان قلت هل تقولون ان كل سفر للزيارة مندوب او مطلق السفر لها، قلت قد تقرر في اصول الفقه ان الامر بالمأهية الكلية ليس امرا بشيء من جزئياتها ولكنه ما مورأ بجزئى من الجزئيات لا بعينه لانه لا يتحقق الا تيان بالكلى بدونه وهو مخير في تعيين ذلك الجزئى فاذا أتى بجزئى معين خرج عن عهدة الامر وتقول انه أتى بالمأوربه وهو الكلى والجزئى لا بعينه، واما هذا الجزئى المعين فلا يقول انه

مأموره لانه مخير فيه ولكنه قربة وطاعة لانه فعل لامثال الامر فكل سفر يقع بقصد الزيارة ولم يقترن به قصد محرم او مكروه فهو قربة لكونه موصلا الى قربة وبه يحصل اداء السفر المأموره لانه حاصل في ضمن ذلك الشخص ولا تقول ان ذلك الشخص هو المأموره لان الامر انما يتعلق بكلية وهذا جزئي لكنه قربة لكونه قصد به القربة ووسيلة اليها فالقربة تصدق على الكلية والجزئي والطلب لا يتعلق الا بكلية والسفر المعين وسيلة الى الزيارة وليس شرطا فيها ومطلق السفر للزيارة وسيلة وشرط ومطلق السفر شرط وقد لا يقصد به التوسل فلا يسمى وسيلة .

فان قلت : هل المقدمة هي الوسيلة او غيرها ؟ قلت المقدمة ما يتوقف عليها الشيء وقد علمت خلاف الاصوليين في انها هل تجب بوجود ذلك الشيء اولا وذلك خارج عن كونها قربة اوليست بقربة فان الذي يتوقف عليه الفعل قد يفعل بقصد القربة فيكون قربة وقد يفعل لا بقصد القربة فلا يكون قربة فمن مشى الى مكة لمقصد غير صالح ثم حج لم يكن سفره قربة ولكن سقط عنه الامر بالمقدمة لزوال السبب المقتضى لوجوبها .

واما الوسيلة فقال الجوهري الوسيلة ما يتقرب به الى الغير والجمع الوسل والوسائل والتوسيل والتوسل واحد يقال وسل فلان الى ربه وسيلة وتوسل اليه بوسيلة اذا تقرب اليه بعمل . انتهى كلام الجوهري ، فاسم الوسيلة اذا اطلق على المقدمة فهو من حيث كونها يتقرب بها لامن حيث كونها متوقفا عليها بل قد يكون المقصد متوقفا على الوسيلة بينها فيجري في وجوبها الخلاف السابق ، وقد لا يتوقف المقصد عليها

بها

بمعناها بل على ما هو أعم منها ويختارها العبد للتوسل بها، وقد لا يتوقف المقصد عليها أصلاً في نفس الأمر ولكن يقصد العبد أوتوهم توقفه أو خطر ياله أنها موصلة إليه ولم يخطر بباله أمر آخر ففى كل هذه الأحوال يسمى وسيلة وقربة لايجرى فيها الخلاف الاصولى، فالوسيلة لا تطلق على المقدمة حتى يقصد بها التقرب الى المقصود ولا تسمى وسيلة بدون هذا القصد الا على سبيل المجاز بمعنى انها صالحة للتوسل ومراد الاصوليين بالمقدمة ما يتوقف عليها الشيء سواء أ قصد بها التوصل اليه أم لا، فينبهها عموم وخصوص من وجه .

ولوسلنا ان الوسيلة مرادفة للمقدمة فلا شك انها لا تكون قربة حتى يقصد بها التقرب الى قربة فرادنا بقولنا وسيلة القربة قربة هذا المعنى، ومن هنا يظهر أن كون الشيء قربة غير كونه واجبا و مندوبا فان الحكم بالايجاب او الندب انما هو على الماهية الكلية وكل ما وجد فى الخارج مشخص لا يتعلق الطلب به بخصوصه فلا يحكم عليه بخصوصه بانه واجب لكنه مؤد للواجب فى ضمنه والحكم بكون الشيء قربة تارة يكون باعتبار حقيقته وهو ما وضع لان يتقرب به فيكون كذلك، وتارة يكون باعتبار ما قصد به التقرب فيطلق على الفعل بعد تشخصه .

اذا عرف ذلك فهانذا اعتبارات ، أحدها مطلق السفر ، والثانى السفر الى المدينة ، والثالث السفر الى المدينة بقصد القربة ، وكل واحد من القسمين الاولين ليس مطلوباً ولا قربة من حيث هو وانما قد يطلب طلب الوسائل لغيره، والقسم الثالث مطلوب وقربة ويتفاوت مراتبه بحسب تفاوت القربة المقصودة به فانها قد تكون الزيارة وقد تكون قربة اخرى كالصلاة فى المسجد ونحوها، وقد تكون

بمجموع ذلك او القدر المشترك بينها وهو مطلق القربة، وكل من هذه الاربعة قربة لما قررناه، ولان السفر الى المدينة لم يكن قربة لمطلق كونه سفرا او سفرا الى المدينة وانما كان لعلته وهي قصد القربة وحيث وجدت العلة وجد المعلول، ولا فرق في الحكم بالقربة على كل واحد من الاربعة بين ان يوجد كلياً او جزئياً مشخصاً لما قدمناه .

واما الحكم بكونه مطلوباً او مندوباً اليه بخصوصه فلا يتعلق بمشخص منها كان ولا بواحد من الاربعة بعينه وانما يتعلق بواحد منها لابعينه ومهما وجد منها كان قربة يتأدى المأمور به في ضمنه وهذا التقسيم وحكم كل واحد منها لا يتأتى فيه نزاع بين العقلاء سواء قلنا مقدمة المأمور به مأمور بها ام لا. وهكذا حكم كل كلى طلبه الشرع ولم ينص على انواعه، واما خصال الكفارة فقليل ان الواجب فيها القدر المشترك بين الخصال فيأتى في انواع الخصال ما قلناه في الجزئيات، والمشهور ان كل خصلة واجبة بعينها على تقدير ان لا يأتى بغيرها فمتى فعلها وقعت واجبة بخصوصها لنص الشرع عليها اعنى خصوص العتق مثلا بالنسبة الى الاطعام والكسوة، واما اعتاق الرقبة المعينة فهو كاشخاص الكلى بلا اشكال فيأتى فيه ماسبق من البحث .

فان قلت: السفر ينقسم الى ما يقصده المسافر ضمن عبادة اخرى الى الزيارة كصلوة واعتكاف في مسجده صلى الله عليه وسلم ولا اشكال في كونه قربة والى ما يقصد قصره على قصد الزيارة لا غير، والنزاع انما هو في هذا والى ما يعرى عن القصدين واستدلالكم بكون وسيلة القربة قربة فيه نظر لان توقف الشئ على الاعم لا يستلزم توقفه على الاخص وزيارة من كان على مسافة بعيدة انما يتوقف على سفر من

الاسفار الثلاثة المذكورة لاعلى القسم الثانى ليم ما ذكرتم ، قلت هذا خلف من الكلام لانك ان لم تقل بان وسيلة القرية قرية فلا حاجة بك الى هذا الاستدلال والتقسيم ، وقل ان وسيلة القرية ليست بقرية وحيث يرد عليك ما لا قبل لك به بما قدمناه من الاستدلال على كون وسيلة القرية قرية وذلك امر معلوم من الشرع ، ثم يلزمك ان السفر للزيارة وقرية اخرى لا تكون قرية على زعمك لانه انما يكون قرية لكونه وسيلة الى قرية وان كنت تقول بان وسيلة القرية قرية فما وجه النظر بعد تقرير كون الزيارة قرية ، واحتجاجك بان توقف الشيء على الاعم لا يستلزم توقفه على الاخص عجيب جدا لانك ان فسرت الوسيلة بما يفعل لقصد التقرب الى المقصود كما فسرناه كان كل واحد من السفر الذى قصد به الزيارة مع قرية اخرى والسفر الذى قصد به الزيارة فقط قرية لانه قصد به التوصل الى قرية فوجب ان يكون قرية سواء كانت الزيارة متوقفة على عينه ام لا فالفرق بين القسمين باطل قطعاً .

وان فسرت الوسيلة بما يتوقف عليه المقصود كما يشعر به ظاهر كلامك فان اخذته بشرط قصد القرية معه وجعلت علة القرية ذلك القصد بعد الكلام وكان كل من القسمين قرية لان الموجب لجعله قرية قصد القرية وهو موجود فى القسمين ، وان جعلت العلة التوقف وقلت انه يتوقف على الاعم لاعلى الاخص لزمك ان تقول القرية ما هو اعم من السفرين وخصوص كل منهما ليس بقرية صرفك بين القسمين لاوجه له ، وان اخذته مجردا فهو باطل لانه يدخل فيه مطلق السفر ولم يقل اخذ بانه قرية فان السفر من حيث هو مباح وانما

تعرض له القربة بعله قصد القربة. بحيث حصلت تلك العلة حصل معلولها
وحيث لا فلا ففرقك بين قربة وقربة لاوجه له .

فقد بان بهذا انه بعد العلم بكون الزيارة قربة وبكون وسيلة
القربة قربة يقطع بان السفر للزيارة قربة سواء ضم معه قصد قربة اخرى
ام لا، والشك في ذلك انما يكون للشك في احدى المقدمتين و تقرير
السؤال محتمل على كل تقدير، وليس لك ان تقول ان السفر للزيارة
المجردة داخل تحت النهي بقوله لاتشد الرحال والسفر لها والمسجد
سفر للمسجد فكان مباحا للحديث لانا سنين معنى الحديث وانه لايشمل
الزيارة. وبتقدير ان يكون السفر للزيارة منها عنه فالسفر لها والمسجد
ينبغي ان يكون منها عنه على هذا البحث لتركبه من منهي عنه وغيره
وايضا فان هذا يدل على انك لا تقول بان وسيلة القربة قربة فكان
يكفيك من الاول ان تقول ان وسيلة القربة ليست قربة وانما كان
السفر في القسم الاول قربة لدليل آخر، فانتقالك الى هذا التطويل
لافادة فيه فعلى كل تقدير هذا الكلام ساقط .

واما السفر العارى عن القصدين المذكورين فيدخل فيه السفر
لقربة غير الزيارة فقط والسفر المباح والسفر لغيرهما ولا حاجة بنا
الى الكلام في ذلك، واما قولك في القسم الثاني من اقسام السفر ما يقصد
به قصره على قصد الزيارة لاغير فهذه العبارة تحتل أمرين .

أحدهما ان يقصد الزيارة ويقصد أن لايفعل معها قربة اخرى من
تحية المسجد ولاغيرها وهذا الامر لايقصده عاقل غالبا وليس هو
المسؤل عنه فان الناس انما يسألون عن الواقع منهم وبهم حاجة الى
معرفة حكمه فذكر هذا القسم هوس و ارادته في قيا العامة بعبارة
يفهمون .

يقهون منها العموم تضليل، ثم انا نقول ولو فرض ذلك كان سفره
قربة لانه قصد به قربة ولكن قصده ترك غيرها من القربات ليس بقربة .
الامر الثانى ان يقصد الزيارة ولا يخطر بباله امر آخربنى ولا اثبات
ولا وجه للتوقف فى كون ذلك قربة بعد العلم بكون الزيارة قربة ووسيلة
القربة قربة والظاهر من صاحب هذا السؤال انه اراد هذا الامر الثانى
فانه الذى قال ان الخصم انما اراد ان يبين كيفية الزيارة المستحبة وهى
ان تضم اليها قصد المسجد كما قاله غيره، وقد منا الكلام على ذلك
فى هذه القطعة من كلامه يان ان شرط الاستحباب فى الزيارة عند
الخصم وغيره ضم قصد المسجد اليها وبمقتضى ذلك ان عند عدم
الضم يتنى الاستحباب سواء اراد عدم ما سواها من القرب ام لا
وهو بين ان مراده فيها تقدم بما يقصد قصره على قصد الزيارة لاغير .
المعنى الثانى الذى قدمناه وهو عدم قصد سواها لا قصد عدمه وقد قدمنا
انه لا وجه للتوقف فى كون ذلك قربة لانه وسيلة الى قربة ولم يترن
به قصد صادق ولا مانع من الحكم بالقربة عليه .

المعنى الثانى ان اطلاق قوله يقتضى ان الخصم وغيره انما يستحبون
الزيارة مطلقا من غير سفر اذا ضم اليها قصد المسجد وحيث لا تكون
الزيارة وحدها قربة سواء كانت عن سفر أم عن غير سفر وهو يخالف
للادلة الدالة على ان الزيارة قربة وكأنه انما اراد السفر للزيارة وانما
اطلق العبارة، وايا ما كان فهو باطل لما قدمناه .

واعلم ان هذا السؤال المبنى على تقسيم السفر ضعيف وكذلك
السؤال المبنى عليه الذى قدمته فى الاستدلال بعمل السلف والخلف
على السفر، وانما ذكرتها لاني وقفت على كلام بعض الفضلاء ذكرها

فيه فاحتجت الى جوابها و الخصم الذي النزاع معه لعله لا يرتضيها،
و العجب من أوردها مع موافقة على ان السفر لمجرد الزيارة قربة فان
كان قال ذلك بغير دليل فهو باطل وان كان قاله لاحد الدليلين
المذكورين فالقدح فيها قدح فيه فلا يمكنه الجزم به ، وان كان قاله
لدليل آخر فكان ينبغي ان يبينه حتى يظهر انه يفترق الحال فيه بين
الاسفار اولا .

بل العجب منه قوله بهذه الامور مع قوله بان كون الزيارة قربة
معلوم من الدين بالضرورة و جاحده محكوم عليه بالكفر وقد بان بما
ذكرناه ان لزوم كون السفر لمجرد الزيارة قربة لازم لكون الزيارة
قربة و ان اللزوم بينهما ليس بالحقى و العلم بالملزوم مع التوقف في
اللازم البين له مستحيل فالقول باثبات الملزوم مع التوقف في اثبات
اللازم البين لا يجتمعان فمن توقف في كون السفر لمجرد الزيارة قربة
لزومه التوقف في كون الزيارة قربة، و من قال بان كون السفر لمجرد
الزيارة قربة من الامور الخفية لزومه ان يقول بذلك في الزيارة فانه
تقرر ان الملازمة بينهما بينة معلومة من الشرع .

فان قلت : فما تقولون في السفر الى زيارة ما عدا قبر النبي صلى الله
عليه وسلم قلت ، قال الفقيه الامام ابو محمد عبد الله بن عبد الرحمن بن عمر
المالكي المعروف بالشارح مساحي في كتاب (تلخيص محصول المدونة من
الاحكام) الملقب (بنظم الدر) في كتاب الجامع في الباب الحادى عشر
في السفر و هو احد ابوابه ، قال في هذا الباب ، و السفر قسبان
هرب و طلب اما الهرب فالخروج من ارض الحرب و ارض البدعة
و ارض غلب عليها الحرام و من خوف الاذى في البدن و من الارض
الغمة .

الغمة (١) واما الطلب فيكون للحج والجهاد والعمرة والمعاش والاتجار
وقصد البقاع الشريفة وهي المساجد الثلاثة ومواضع الرباط تكثيرا لاهلها
ولطلب العلم ولتفقد احوال الاخوان وزيارة الموتى ليتفجعوا بترحم
الاحياء وقصد الانتفاع بالميت بدعة الا في زيارة قبر المصطفى صلى الله
عليه وسلم وقبور المرسلين صلوات الله عليهم اجمعين انتهى .
فاما استنائه قبر المصطفى صلى الله عليه وسلم وسائر المرسلين صلوات
الله عليهم اجمعين واقتصاره ان قصدها للانتفاع بهم سنة فصحيح
والظاهر ان ذلك عام في زيارتها والسفر اليها كما يقتضيه صدر كلامه
واما السفر لزيارة غيرهم من الموتى ليتفجعوا بترحم الاحياء فقد عده
الشارح مساحي كما ترى من اقسام سفر الطلب والظاهر ان قصده انه
سنة والامر كذلك وان كان عدمه سفر التجارة الذي هو مباح واما
قوله ان قصد الانتفاع بالميت غير الانبياء بدعة ففيه نظر فان ثبت
فينبغي ان يخرج منه من يتحقق صلاحه كالعشرة المشهود لهم بالجنة
وغيرهم وحينئذ يكون السفر لهم كالقسم الثاني فخرج من هذا ان الزيارة
حيث استجبت استحب السفر لها وذلك عام في قصد انتفاع الميت
بالترحم وخاص في قصد الانتفاع بالميت .

الباب السابع

في دفع شبه الخصم وتبع كلياته وفيه فصلان

الاول في شبهه

وله ثلاث شبه احداها فهم قوله صلى الله عليه وسلم « لا تشد الرحال
الا الى ثلاثة مساجد، فتوهم الخصم ان في هذا منع السفر للزيارة وليس

(١) لعله « الوجمة » .

کاتوهمه وتحن نذكر الفاظ الحديث ثم نذكر معناه ان شاء الله تعالى فنقول هذا الحديث متفق على صحته عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم وورد بالفاظ مختلفة اشهرها لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد مسجدي هذا ومسجد الحرام ومسجد الاقصى، وهذه رواية سفيان بن عيينة عن الزهري، والآخره تشد الرحال الى ثلاث مساجد، من غير حصر، وهذه رواية معمر عن الزهري، وآخر، انما يسافر الى ثلاثة مساجد مسجد الكعبة ومسجدي ومسجد ايلياء، وهذه من طريق غير الزهري، وهذه الروايات الثلاث ذكرها مسلم في فضل المدينة عن ابي هريرة وذكر قبل ذلك في سفر المرأة عن ابي سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم لا تشدوا الرحال الا الى ثلاثة مساجد مسجدي هذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصى، ولفظه كما ذكرنا بصيغة النهي واللفظ السابق بصيغة الخبر وورد في خبر ابي سعيد ايضا انما تشد الرحال الى ثلاثة مساجد مسجد ابراهيم ومسجد محمد ومسجد بيت المقدس، رواه اسحاق بن راهويه في مسنده، وورد من حديث ابن عمر رضي الله عنهما ايضا عن النبي صلى الله عليه وسلم ولفظه بصيغة النهي لا تشدوا الرحال الا الى ثلاثة مساجد مسجد الحرام ومسجد المدينة ومسجد بيت المقدس، رواه الطبراني في معجمه، هذه الفاظ المرويات .

واما معناها فاعلم ان هذا الاستثناء مفرغ تقديره لا تشد الرحال الى مسجد الا الى المساجد الثلاثة، اولاً تشد الرحال الى مكان الا الى المساجد الثلاثة ولا بد من احد هذين التقديرين ليكون المستثنى مندرجا تحت المستثنى منه، والتقدير الاول اولي لانه جنس قريب ولما سنيته من

قوله

قلة التخصيص او عده على هذا التقدير، ثم اعلم ان السفر فيه امران
باعث عليه كالحج او طلب العلم او الجهاد او زيارة الوالدين او الهجرة
وما اشبه ذلك .

والثاني، المكان الذي هو نهاية السفر كالسفر الى مكة او المدينة
او بيت المقدس او غيرها من الاماكن لاي غرض كان ولا شك ان
شد الرحال الى عرفة لقضاء النسك واجب باجماع المسلمين وليس من
المساجد الثلاثة وشد الرحال لطلب العلم الى اي مكان كان جائز
باجماع المسلمين وقد يكون مستجبا او واجبا على الكفاية او فرض عين
وكذلك السفر الى الجهاد ومن بلاد الكفر الى بلاد الاسلام للهجرة
واقامة الدين، وكذلك السفر لزيارة الوالدين وبرهما وزيارة الاخوان
والصالحين وكذلك السفر للتجارة وغيرها من الاغراض المباحة .

فانما معنى الحديث ان السفر الى المساجد مقصور على الثلاثة على التقدير
الاول الذي اخترناه، او ان السفر الى الاماكن مقصور على الثلاثة على
التقدير الثاني ثم على كلا التقديرين اما ان يجعل المساجد او الامكنة
غاية فقط وعلة السفر امر آخر كالاشتغال بالعلم ونحوه من
الامثلة التي ذكرها فهذا جائز الى كل مسجد والى كل مكان فلا
يجوز ان يكون هو المراد، وقد يقال على بعد ان خروج تلك المسائل
بأدلة على سبيل التخصيص للعموم فلا يمنع من ارادته في الباقي وهذا
لوقيل به فتقدير المساجد ايضا اول من تقدير الامكنة لعللة التخصيص
اذ التخصيص على تقدير اضمار الامكنة اكثر فيكون مرجوحا .

ثم على هذا التقدير فالسفر بقصد زيارة النبي صلى الله عليه وسلم
غايته مسجد المدينة لانه مجاور للقبر الشريف فلم يخرج السفر للزيارة

الثلاثة لا بد في كونه قرابة من قصد صالح، واما السفر لمكان غير
الاماكن الثلاثة لتعظيم ذلك المكان فهو الذي ورد فيه الحديث ولهذا
جاء عن بعض التابعين انه قال قلت لابن عمر اني اريد ان آتي الطور؟
قال انما تشد الرحال الى ثلاثة مساجد مسجد الحرام و مسجد رسول الله
صلى الله عليه وسلم و مسجد الاقصى و دع الطور فلاتأته .

و في مثل هذا الذي تكلم الفقهاء في شد الرحال الى غير المساجد
الثلاثة فنقل امام الحرمين عن شيخه انه كان يفتى بالمنع عن شد
الرحال الى غير هذه المساجد قال وربما كان يقول يكره وربما كان
يقول يحرم بعد ما يظاهر النهي، وقال الشيخ ابو علي لا يكره ولا يحرم
ولكن ابان رسول الله صلى الله عليه وسلم ان القرابة المقصودة في
قصد المساجد الثلاثة و ما عداها ليس في قصد اعيانها قرابة، قال وهذا
حسن لا يصح عندي غيره .

قلت و يمكن ان يقال ان قصد بذلك التعظيم فالحق ما قاله
الشيخ ابو محمد لانه تعظيم لما لم يعظمه الشرع و ان لم يقصد مع عينه
أمرا آخر فهذا قريب من العبث فيترجح فيه ما قاله الشيخ ابو علي
ولا نعلم في مذهبنا غير ذلك، و ذهب الداودي الى ان ما قرب من
المساجد الفاضلة من المصر فلا بأس ان يوثى مشيا و ركوبا استدلالا
بمسجد قباء و لا يدخل تحت النهي في اعمال المطى لان الاعمال و شد
الرحال لا يكون لما قرب غالبا، و نقل القاضي عياض عن بعضهم انه انما
يمنع المطى للناذر اما غير الناذر ممن يرغب في فضل مشاهد الصالحين فلا .
فهذه اربعة مذاهب في اتيان ما سوى الثلاثة من المساجد و على
المذهب الرابع المفصل بين ان يكون بالنذر أو بغيره حمل بعضهم اتيان

الثامة انما هي في شد الرحال الى هذه الثلاثة خاصة والله اعلم، انتهى
كلام النووي، وقد جعل الذهاب الى قبور الصالحين من محل الخلاف،
قلت، رحم الله النووي لو اقتصر على المنقول او نقده حق النقد لم يحصل
خلل وانما زاد التمثيل فحصل الخلل من زيادته .

والذي نقله الامام والرافعي والنووي في غير شرح مسلم عن الشيخ
ابي محمد رحمه الله ليس فيه هذه الزيادة بل فيه ما بين ان مراده ما قدمناه فان
الامام قال: اذا نذر ان يأتي مسجدا من المساجد سوى المسجد الحرام
قال العلماء فان كان المسجد الذي عينه غير مسجد المدينة ومسجد القدس
فلا يلزم بالنذر شي. اصلا فانه ليس في قصد مسجد بعينه غير المساجد
الثلاثة قرية مقصودة و مالا يكون قرية ولا عبادة مقصودة فهو غير
ملزم بالنذر، وكان شيخي يفتي بالمنع عن شد الرحال الى غير هذه
المساجد - وذكر ما قدمناه . وكذلك الرافعي قال اذا نذر اتيان مسجد آخر
سوى الثلاثة لم ينعقد نذره قال الامام وكان شيخي يفتي - و ذكر ما
تقدم وكذلك النووي في شرح المذهب وكذلك في شرح مسلم في باب
فضل المساجد الثلاثة كلامه مشعر بما قلناه و مع ذلك قال ان ما قاله
الشيخ ابو محمد غلط فقي كلام كل من الامام والرافعي والنووي في
غير شرح مسلم وفي شرح مسلم في غير هذا الباب ما بين ان فرض المسئلة
في قصد المساجد فيحمل كلام ابي محمد عليه .

اما قصد الاغراض الصحيحة في المساجد وغيرها من الامكنة
من الزيارة والاشتغال بالعلم والجهاد وغيرها فلم يتكلم فيه ابو محمد
ولا يجوز أن ينسب اليه المنع منه، ولو قاله هو او غيره ممن يقبل كلامه
الغلط لحكمنا بغلطه وانه لم يفهم مقصود الحديث لكنه بحمد الله لم

ثبت عندنا انه قال ذلك ولا نقله عنه احد غير ما وقع في شرح مسلم من التمثيل على سبيل السهو والغفلة ولهذا اجلنا مالكا رحمه الله عن ان يستدل بالحديث على هذا المقصود واولنا تأويل كلامه على ارادة البقعة لعينها وهكذا القاضي عياض فانه قال في الاكمال: قوله عليه الصلوة والسلام لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد فيه تعظيم هذه المساجد وخصوصها بشد الرحال اليها ولانها مساجد الانبياء عليهم السلام وتفضيل الصلوة فيها وتضعيف اجرها ولزوم ذلك لمن نذره بخلاف سيرها مما لا يلزم ولا يباح شد الرحال اليها لاناذرو ولا لمطوع بهذا النهي الا ما الحقه محمد بن مسلمة من مسجد قباء، وهذا الكلام من القاضي عياض ليس فيه تعرض لزيارة الموتى اصلا ولا يجوز ان ينقل ذلك عنه بتصریح ولا باشارة وانما اشار به الى غير الثلاثة من المساجد .

فان قلت قد قال ابن قدامة الحنبلي في (كتاب المغني) : فصل فان سافر لزيارة القبور والمشاهد فقال ابن عقيل لا يباح له الرخص لانه منهي عن السفر اليها قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد، والصحيح اباحتها وجواز القصر فيه لان النبي صلى الله عليه وسلم كان يأتي قباء ماشيا وراكبا وكان يزور القبور، وقال زوروها تذكروا الآخرة، واما قوله صلى الله عليه وسلم لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد، فيحمل على نفي الفضيلة لاعلى التحريم وليست الفضيلة شرطا في اباحة القصر ولا يضر اتفاؤها، قلت: قد وقعت على كلام ابن قدامة المذكور وترجمته بالسفر لزيارة القبور والمشاهد ولم اقف على كلام ابن عقيل فان كان في المشاهد او في قصدها مع الزيارة فلا يرد علينا لانه من باب قصد الامكنة وهذا هو الظاهر من استدلاله بالحديث على ما تقرير

ما تقرر وكلامنا انما هو في مجرد قصد الزيارة لليت من غير قصد البقعة اصلا وليس في كلام ابن عقيل ولا ابن قدامة تصريح بذلك بل كلامه يشير الى انه انما تكلم في القبور التي بنيت عليها المشاهد وقبر النبي صلى الله عليه وسلم لا يدخل في ذلك لان مكانه لا يسمى مشهدا ولوسلنا اندزاجه في مدلول كلامه فيجب تخصيصه وحمل كلامه على ما سواه و اذا كنا نخصص كلام الله وكلام رسوله بالادلة فائش كلام ابن عقيل حتى لا نخصص اذا حسنا الظن به، والموجب لتخصيص هذا القبر الشريف عن سائر القبور الادلة الواردة في زيارته على الخصوص واطباق الناس على السفر اليه فان لم يعتبر ابن عقيل هذه الادلة تفوقت سهام التخطيطة اليه ورد كلامه عليه ولكنه لم يثبت بحمد الله عندنا ذلك عنه .

فان قلت : قد اكثر من التفرقة بين قصد البقعة وقصد من فيها وسلس ان قصد البقعة داخل تحت الحديث والزيارة لا بد فيها من قصد البقعة فان السلام والدعا يحصل من بعد كما يحصل من قرب وهو مقصود الزيارة .

قلت قصد البقعة لما اشتملت عليه ليس بمحذور ولا نقول بنى الفضيلة عنه وانما قلنا ذلك في قصد البقعة بعينها او لتعظيم لم يشهد به الشرع على انا نقول انه لا يلزم من الزيارة ان يكون للبقعة مدخل في القصد الباعث بل تارة يكون ذلك مقصودا وتارة مجرد قصد الشخص المزور من غير شعور بما سواه وقوله ان مقصود الزيارة يحصل من بعد ممنوع فان الميت يعامل معاملة الحي فالحضور عنده مقصود الا ترى ان النبي صلى الله عليه وسلم لما خرج في ليلة عائشه الى البقيع فقام

فأطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات - الحديث المشهور وفيه ان عائشة سأله فقال ان جبرئيل أتاني فقال ان ربك عزوجل يأمرك ان تأتي اهل البقيع و تستغفر لهم ، قالت فقلت كيف اقول لهم يا رسول الله قال قولي السلام على اهل الديار من المؤمنين والمسلمين يرحم الله المستقدمين منا والمستأخرين وانا ان شاء الله بكم لاحقون رواه مسلم . فانظر كيف خرج النبي صلى الله عليه وسلم الى البقيع بأمر الله تعالى يستغفر لاهله ولم يكتب بذلك من الغيبة وهذا اصل في الاتيان الى القبور لزيارة اهلها للاستغفار لهم ، وقد سألت عائشة النبي صلى الله عليه وسلم كيف تقول - تعني اذا فعلت كفعله وعلها وفي ذلك دليل على انه يجوز لها وللنساء الاتيان الى القبور لهذا الغرض لان سؤاها ذلك كان بعد رجوعها الى البيت فلم يكن المقصود منه كيف اقول الآن وانما معناه كيف اقول مرة اخرى فلو كان لايجوز لها ذلك لينة لها وليس هذا المقصود هنا فانا نذكره ان شاء الله تعالى في موضع آخر : وانما المقصود هنا ان الحضور عند القبر لسبب زيارة من فيه والدعاء المطلوب وليس ذلك من باب قصد الامكنة ولادل الحديث على امتناعه ولا قال به أحد من العلماء .

وقد احضر الى بعض الناس صورة فتاوى منسوبة لبعض علماء بغداد في هذا الزمان لا ادري هل هي محتلفة من بعض الشياطين الذين لا يحسنون اوهى صادرة من هو متسم بسمه العلم وليس من اهله . فأولها فتا مالكي قال فيها قد نص الشيخ ابو محمد الجويني في كتبه على تحريم السفر لزيارة القبور وهو اختيار القاضي الامام عياض في اكمال . ولقد كذب في هذا النقل عن الشيخ ابى محمد والقاضي عياض جميعا

جميعا. ثم اطال الكلام بما لا فائدة فيه .

و ثبتها فتيا شافعي قال فيها: ان المفهوم من كلام العلماء و نظار العقلاء ان الزيارة ليست عبادة و طاعة بمجردهما. فان اراد المفهوم عنده فلا علينا منه و تقول له المفهوم عند العلماء خلافه . ثم قال ان من اعتقد جواز الشد الى غير ما ذكر او وجوبه او ندم به كان مخالفا لصريح النهي و مخالفة النهي معصية اما كفر او غيره على قدر المنهي عنه و وجوبه و تحريمه. و يكفي هذا الكلام ضخمة على من قاله ان يجعل المنهي عنه منقسما الى وجوب و تحريم ، دع سوء فهمه للحديث .

و ثالثها فتيا آخر شارك فيها الاول في النقل عن الشيخ ابى محمد و القاضى عياض و قد تقدم جوابه و أساء الفهم في الحديث كما أساء غيره .

و رابعها فتيا آخر ليس فيها طائل و كلهم خلط مع ذلك ما لا طائل تحته و الا قرب انها محتلفة و ان مثلها لا تصدر عن عالم و انما ذكرتها هنا لتضمنها النقل عن الشيخ ابى محمد و القاضى عياض الذى تعرضت هنا لافساده .

نتيه ، قد يتوهم من استدلال الخصم بهذا الحديث ان نزاعه قاصر على السفر للزيارة دون اصل الزيارة و ليس كذلك بل نزاعه فى الزيارة ايضا لما سنذكره فى الشبهتين الثانية و الثالثة و من كون الزيارة على هذا الوجه المخصوص بدعة و كونها من تعظيم غير الله المفضى الى الشرك و ما كان كذلك كان ممنوعا و على هاتين الشبهتين بنى كلامه . و اصل الخيال الذى سرى اليه منها لا غير و هو عام فى الزيارة و السفر اليها و لهذا يدعى هو أن الاحاديث الواردة فى زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم كلها

ضعيفة بل موضوعة و يستدل بقوله لا تتخذوا قبرى عيدا. و بقوله: لعن الله اليهود و النصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد. و بأن هذا كله محافظته على التوحيد و ان اصول الشرك بالله اتخاذ القبور مساجد كما سذكر ذلك فى نص كلامه المنقول عنه .

و قد رأيت ايضا قتيبا خطه و نقلت منها ما انا ذا كره قال فيها - و من خطه نقلت : و اما السفر للتعريف عند بعض القبور فهذا اعظم من ذلك فان هذا بدعة و شرك فان اصل السفر لزيارة القبور ليس مشروعاً و لا استجبه احد من العلماء و لهذا لو نذر ذلك لم يجب عليه الوفاء به بلا نزاع بين الائمة ثم قال و لهذا لم يكن احد من الصحابة و التابعين بعد ان فتحوا الشام و لا قبل ذلك يسافرون الى زيارة قبر الخليل عليه السلام و لا غيره من قبور الانبياء التى بالشام و لا زار النبي صلى الله عليه وسلم شيئا من ذلك ليلة الاسرى به و الحديث الذى فيه هذا قبر ابيك ابراهيم فانزل فصل فيه و هذا بيت لحم مولد اخيك عيسى انزل فصل فيه ، كذب لاحقيقة له و اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الذين سكنوا الشام اودخلوا اليه و لم يسكنوه مع عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه و غيره لم يكونوا يزورون شيئا من هذه البقاع و الآثار المضاة الى الانبياء .

ثم قال و لم يتخذ الصحابة شيئا من آثاره مسجدا و لا مزارا غير ما بيناه من المساجد و لم يكونوا يزورون غار حراء و لا غار ثور . ثم قال حتى ان قبر النبي صلى الله عليه وسلم لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم لفظ بزيارته و انما صح عنه الصلوة عليه و السلام موافقة لقوله تعالى (يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما) ثم قال : و لهذا لم يكن على

عهد الصحابة والتابعين مشهدين لا على قبر نبي ولا غير نبي فضلا عن ان يسافر اليه لا بالحجاز ولا بالشام ولا اليمن ولا العراق ولا مصر ولا المشرق. ثم قال ولهذا كانت زيارة القبور على وجهين زيارة شرعية وزيارة بدعية فالزيارة الشرعية مقصودها السلام على الميت والدعاء له ان كان مؤمنا وتذكر الموت سواء كان الميت مؤمنا ام كافرا. وقال بعد ذلك فالزيارة لقبر المؤمن نيا كان او غير نبي من جنس الصلوة على جنازته يدعى له كما يدعى اذا صلى على جنازته واما الزيارة البدعية فمن جنس زيارة النصارى مقصودها اشراك بالميت مثل طلب الحوائج منه او التمسح بقبره و تقييله او السجود له ونحو ذلك فهذا كله لم يأمر الله به ورسوله ولا استجبه احد من ائمة المسلمين ولا كان احد من السلف يفعله لا عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم ولا غيره. ثم قال ولم يكونوا يقسمون على الله باحد من خلقه لانبي ولا غيره ولا يستلون ميتا ولا غائبا ولا يستغيثون بميت ولا غائب سواء كان نيا او غير نبي بل كان فضلاؤهم لا يستلون غير الله شيئا انتهى ما اردت نقله من كلام ابن تيمية رحمه الله من خطه، وانا عارف بخطه وهو يدل على ما ذكرناه من ان نزاعه في السفر والزيارة جميعا غير أنه كلام محتبط في صدره ما يقتضى منع الزيارة مطلقا وفي آخره ما يقتضى انها ان كانت للسلام عليه والدعاء له جازت وان كانت على النوع الآخر الذى ذكره لم يحز، وبقى قسم لم يذكره وهو ان يكون للتبرك به من غير اشراك به .

فهذه ثلاثة اقسام ، اولها ، السلام والدعاء له وقد سلم جوازه وانه شرعى ويلزمه ان يسلم جواز السفر له فان فرق في هذا القسم

عليه اصل الزيارة ولا السفر اليها بل هو مع ما صدر منه من الجهل محمود على زيارته وسفره ومذموم على جهله وبدعته، واما طلب الحوائج عند قبره صلى الله عليه وسلم فسنذكره في باب الاستعانة بالنبي صلى الله عليه وسلم.

ولتكلم على الشبهة الثانية والثالثة اللتين بيى ابن تيمية رحمه الله كلامه عليهما، اما الشبهة الثانية وهي كون هذا مشرعاً؟ اراه من بدع التي لم يستحبها احد من العلماء لامن الصحابة ولا من التابعين من بعدهم، فقد قدمنا سفر بلال من الشام الى المدينة لقصد الزيارة وبن عمر ابن عبد العزيز كان يجهز البريد من الشام الى المدينة للسلام على النبي عليه الصلوة والسلام وان ابن عمر كان يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيسلم عليه وعلى ابي بكر وعمر رضى الله عنهم وكل ذلك يكذب دعوى ان الزيارة والسفر اليها بدعة، ولوطول ابن تيمية رحمه الله باثبات هذا النبي العام واقامة الدليل على صحته لم يجد اليه سيلاً فكيف يحل لذي علم ان يقدم على هذا الامر العظيم بمثل هذه الظنون التي مستنده فيها انه لم يبلغه وينكره ما اطبق عليه جميع المسلمين شرقاً وغرباً في سائر الاعصار بما هو محسوس خلفاً عن سلف ويجعله من البدع.

فان قال: ان الذي كان يفعله السلف من النوع الاول وهو السلام والدعاء له دون النوع الثاني والثالث، قلنا اما الثالث فلا استرواح اليه لان بعد كل مسلم منه واما النوع الاول والثاني فدعوى كون السلف كلهم كانوا مطبقين على النوع الاول وانه شرعي وكون الخلف كلهم مطبقين على الثاني وانه بدعة من التخرص الذي لا يقدر على اثباته فان المقاصد الباطنة لا يطلع عليها الا الله تعالى فمن اين له ان جميع

السلف لم يكن احد منهم بقصد التبرك او ان جميع الخلف لا يقصدون الا ذلك ثم انه قال فيما سنحكيه من كلامه ان احدا لا يسافر اليها الا لذلك يعنى لاعتقاده انها قريبة وانه متى كان كذلك كان حراما ولاشك ان بلالا وغيره من السلف وان سلنا انهم ما قصدوا الا السلام فانهم يعتقدون ان ذلك قريبة فلو شعر ابن تيمية رحمه الله ان بلالا وغيره من السلف فعل ذلك لم ينطق بما قال ولكنه قام عنده خيال ان هذه الزيارة فيها نوع من الشرك ولم يستحضر ان احدا فعلها من السلف، فقال ما قال وغلط رحمه الله فيما حصل له من الخيال وفي عدم الاستحضر، ودعواه انه لو نذر ذلك لم يجب عليه الوفاء به بلا نزاع من الائمة نحن نطالبه بنقل هذا عن الائمة وتحقيق انه لانزاع بينهم فيه ثم بتقرير كون ذلك عاما في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وغيره ليحصل مقصوده في هذه المسئلة التي تصدينا لها ومتى لم تحصل هذه الامور الثلاثة لا يحصل مقصوده وليس الى حصولها سبيل، ونحن قد قلنا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم تلزم بالنذر وعلى مقتضاه يلزم السفر اليها ايضا بالنذر على الضد مما قال، واما قوله ان الصحابة لما فتحوا الشام لم يكونوا يسافرون الى زيارة قبر الخليل وغيره من قبور الانبياء التي بالشام فلمه لانه لم يثبت عندهم موضعها فانه ليس لنا قبر مقطوع به الاقبره صلى الله عليه وسلم، واما قوله ولا زار النبي صلى الله عليه وسلم شيئا من ذلك ليلة اسرى به فلمه لاشغاله بما هو اهم وقد تحققنا زيارته صلى الله عليه وسلم القبور بالمدينة وغيرها في غير تلك الليلة فليس ترك زيارته في تلك الليل دليلا على ان زيارة ليست بمتشاغل بالاستدلال بذلك تشاغل بما لا يجدى تقاضا.

واما

وذكر أبو القاسم عمر بن أبي جرادة في تاريخ حلب أنه ولد في المحرم
يوم عاشوراء سنة اثنتين وثلاثين وأربع مائة بيت المقدس .

قلت و ذكر في هذا التصنيف آثارا في زيارة قبر إبراهيم الخليل منها
الحديث المذكور قال أنا الشيخ الصالح الثقة أبو محمد عبدالعزيز بن أحمد بن
عمر بن إبراهيم المقدسي قراءة عليه رحمه الله أنا محمد بن أحمد أبو بكر بن محمد
الواسطي الخطيب قراءة عليه ثنا أبو القاسم عيسى بن عبيد الله بن عبدالعزيز
الموصلى المعروف بالمصاحفى ثنا أبو الحسن علي بن جعفر بن محمد الرازى
وكيل المسجد الأقصى ثنا العباس بن أحمد بن عبد الله و أنا سأله ثنا عبد الله
بن أبي عمرة المقدسي ثنا بكر بن زياد الباهلي عن عبد الله بن المبارك عن
سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن زرارة بن أوفى عن أبي هريرة قال
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما أسرى بي إلى بيت المقدس مر بي جبرئيل
إلى قبر إبراهيم عليها الصلوة والسلام . فقال أنزل صل هاهنا ركعتين فإن
هاهنا قبر إبيك إبراهيم عليه السلام ثم مر بي إلى بيت لحم فقال أنزل
صل هاهنا ركعتين فإن هاهنا ولد أخوك عيسى عليه السلام ثم أتى بي
إلى الصخرة . قال و ذكر الحديث ورواه ابن حبان عن محمد بن أحمد
ابن إبراهيم ثنا عبد الله بن سليمان بن أبي عمرة ثنا بكر بن زياد . و إنما
تكلما على هذا الحديث للتبني على الفائدة فيه وليس بنا ضرورة إلى
إثباته أو نفيه في تحقيق المقصود و لما سبق أن عدم الزيارة في وقت
خاص لا يدل على عدم الاستجاب ، و قوله أن الصحابة لم يكونوا
يزورون شيئا من هذه البقاع والآثار فكلامنا إنما هو في زيارة ساكن
البقعة لا في زيارة البقعة وقد تقدم التبني على الفرق بينهما ، ثم إن هذه
شهادة على نفي يصعب إثباتها ، و إن كنا مستغنين عن منعها أو تسليمها ،
وقوله

وقوله حتى ان قبر النبي صلى الله عليه وسلم . هذا هو المقصود في هذه المسئلة . وقوله لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم لفظ زيارة . قد تقدم ابطال هذه الدعوى وتحقيق ثبوت الحديث فيها .

وقوله ولهذا لم يكن على عهد الصحابة و التابعين مشهد يزار على قبر نبي ولا غير نبي فضلا عن ان يسافر اليه الى آخر كلامه ، ان اراد عما يسمى مشهدا فوضع قبره صلى الله عليه وسلم لا يسمى مشهدا وكلامنا انما هو فيه ، وان اراد انه لم يكن في ذلك الزمان زيارة لقبر نبي من الانبياء فهذا باطل لما قد مناه وبقية كلامه و تقسيمه الزيارة الى شرعية وبدعية سبق الكلام عليه وفيه اعتراف بمطلق الزيارة و يلزمه الاعتراف بالسفر اليها ، ولا يمنع من ذلك كون نوع منها يقترن به . من بعض الجهال ما هو منهي عنه فمن ادعى ان الزيارة من غير انضمام شيء آخر اليها بدعة فقد كذب و جهل ، ومن حرماها فقد حرم ما احله الله تعالى ومن اطلق التحريم عليها لان بعض انواعها محرم او يقترن به محرم فهو جاهل وهكذا من امتنع من اطلاق الاستحباب على الزيارة من حيث هي لوقوع بعض انواعها من بعض الناس على وجه التحريم فهو جاهل ايضا فان الصلوة قد تقع على وجه منهي عنه كالصلوة في النار المنصوبة وما اشبه ذلك ولا يمنع ذلك من اطلاق القول بان الصلوة قرينة او واجبة فهكذا ايضا الزيارة من حيث هي قرينة لقوله صلى الله عليه وسلم زوروا القبور وان كان بعض انواعها يقع على وجه منهي عنه فيكون ذلك الوجه منها منهي عنه وحده ، والحكم بالابتداع على هذا النوع لا يضرنا ونحن نسله و نمنع من يفعله ، والحكم بالابتداع على المطلق عين الابتداع .

واما الشبهة الثالثة وهي ان من الشرك بالله تعالى اتخاذ القبور
مساجد كما قال طائفة من السلف في قوله تعالى (قالوا لا تذرنا آلهتكم
ولا تذرنا ودا ولا سواعا ولا يغوث ويعوق ونسرا) قالوا كان هؤلاء
قوما صالحين في قوم نوح فلما ماتوا عكفوا على قبورهم ثم صوروا
على صورهم تماثيل ثم طال عليهم الأمد فبعدوها، وتخييل ابن تيمية ان
منع الزيارة والسفر اليها من باب المحافظة على التوحيد وان فعلها مما
يؤدي الى الشرك وهذا تخييل باطل لان اتخاذ القبور مساجد
والعكوف عليها وتصوير الصور فيها هو المؤدى الى الشرك وهو
الممنوع منه كما ورد في الاحاديث الصحيحة كقوله صلى الله عليه وسلم
لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد، يحذر ما
صنعوا، وقوله صلى الله عليه وسلم لما اخبر بكنيسته بارض الحبشة
اولئك اذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا
فيه تلك الصورة اولئك شرار الخلق عند الله .

واما الزيارة والدعاء والسلام فلا يؤدي الى ذلك ولهذا شرعه
الله تعالى على لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما ثبت من الاحاديث
المتقدمة عنه صلى الله عليه وسلم قولا وفلا وتواتر ذلك واجماع
الامة عليه فلو كانت زيارة القبور من التعظيم المؤدى الى الشرك
كالتصوير ونحوه لم يشرعها الله تعالى في حق أحد من الصالحين ولا فعلها
النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة في حق شهداء احد والبيع وغيرهم
وليس لنا ان نحرم الا ما حرمه الله وان تخيلنا انه يفضى الى محذور
ولا نبيح الا ما اباحه الله، وان تخيلنا انه لا يفضى الى محذور، ولما
اباح الزيارة وشرعها و سنه رسول الله وحظر اتخاذ القبور مساجد
وتصوير

و تصوير الصور عليها، قلنا باباحة الزيارة و مشروعيتها و تحريم اتخاذ القبور مساجد و التصوير فن قاس الزيارة على التصوير في التحريم كان مخالفا للنص كما ان شخصا قال باباحة اتخاذ القبور مساجد اذا لم يفض الى الشرك كان مخالفا للنص ايضا، والوسائل التي لا يتحقق بها المقصود ليس لنا ان نجري حكم المقصود عليها الا بنص من الشارع فان هذا من باب سد الذرائع الذي لم يقم عليه دليل فالمنضى الى الشرك حرام بلا اشكال، واما الامور التي قد تؤدي اليه و قد لا تؤدي فما حرمة الشرع منها كان حراما و ما لم يحرمه كان مباحا لعدم استلزامه للحذور، وهذه الامور التي نحن فيها من هذا القبيل حرم الشرع منها اتخاذ القبور مساجد و التصوير و العكوف على القبور و اباح الزيارة و السلام و الدعاء و كل عاقل يعلم الفرق بينهما، و يتحقق ان النوع الثاني اذا فعل مع المحافظة على آداب الشريعة لا يؤدي الى محذور وان القائل يمنع ذلك جملة سدا للذريعة متقول على الله و على رسوله منتقص ما ثبت لذلك المزور من حق الزيارة.

واعلم ان هاهنا امرين لا بد منهما، احدهما و جوب تعظيم النبي صلى الله عليه وسلم و رفع رتبته عن سائر الخلق، و الثاني افراد الربوبية و اعتقاد ان الرب تبارك و تعالى منفرد بذاته و صفاته و افعاله عن جميع خلقه فمن اعتقد في احد من الخلق مشاركة الباري تعالى في ذلك فقد اشرك و جنى على جانب الربوبية فيما يجب لها و على الرسول فيما ادى الى الامة من حقها، و من قصر بالرسول عن شيء من رتبته فقد جنى عليه فيما يجب له و على الله تعالى بمخالفته فيما اوجب لرسوله، و من بالغ في تعظيم النبي صلى الله عليه وسلم بانواع التعظيم و لم يبلغ به

ما يختص بالبارى تعالى فقد اصاب الحق وحافظ على جانب الربوبية
والرسالة جميعا وذلك هو العدل الذى افراط فيه ولا تفریط .
ومن المعلوم ان الزيارة بقصد التبرك والتعظيم لا تنهى في التعظيم
الى درجة الربوبية ولا تزيد على مانص عليه في القرآن والسنة وفعل
الصحابه من تعظيمه في حياته وبعد وفاته وكيف تخيل امتاعها املته وانا
اليه راجعون ، وهذا الرجل قد تخيل ان الناس بزيارتهم متعرضون
للاشراك بالله تعالى وبنى كلامه كله على ذلك وكل دليل ورد عليه
يصرفه الى غير هذا الوجه وكل شبهة عرضت له يستعين بها على ذلك
فهذا داء لا دواء له الا بان يلهمه الله الحق ايرى هو لما زار قصد ذلك
واشرك مع الله غيره .

الفصل الثانى

في تتبع كلماته، وقد سبق تتبع ما نقلته من خطه في قيام يسأل فيها
عن الزيارة قصدا بل جاء ذكرها تبعا للكلام في المشاهد والذى اتصل
عنه بالدولة نسخة قيسا نقلت من خطه وعلى رأسها بخط قاضى القضاة
جمال الدين ما صورته قابلت الجواب عن هذا السؤال المكتوب دونه في
هذه الورقة على خط تقي الدين بن تيمية فصح سوى ما علم عليه بالاحمر
فان مواضعه من الورقة التى بخطه وجدتها واهية وليس ذلك بمحز
انما المحز جعله زيارة النبي صلى الله عليه وسلم وقبور سائر الانبياء عليه
السلام معصية بالاجماع مقطوعا بها . وكتب محمد بن عبدالرحمن القزوينى
الشافى وقد علم عليها الآن بالاسود في هذه النسخة (بسم الله الرحمن
الرحيم ما يقول السادة العلماء ائمة الدين نفع الله بهم المسلمين في رجل
نوى زيارة قبر نبي من الانبياء مثل نبينا محمد صلى الله عليه وسلم وغيره

فهل يجوز له في سفره ان يقصر الصلاة وهل هذه الزيارة شرعية ام لا وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال من حج ولم يزرني فقد جفاني ومن زارني بعد موتي كن زارني في حياتي وقد روى عنه صلى الله عليه وسلم انه قال لا تشد الرحال الا الى المسجد الحرام والمسجد الاقصى ومسجدي هذا، اقتونا ما جورين .

صورة ما وجد بخط تقي الدين بن تيمية رحمه الله مكتوبا تحت هذا السؤال جوابا عنه ، الحمد لله اما من سافر لمجرد زيارة قبور الانبياء والصالحين فهل يجوز له قصر الصلاة على قولين معروفين .

احدهما - وهو قول متقدمي العلماء من الذين لا يجوزون القصر في سفر المعصية كابي عبدالله بن بطة وابي الوفاء بن عقيل وطوائف كثيرين من العلماء المتقدمين انه لا يجوز القصر في مثل هذا السفر لانه سقر منهى عنه ، ومذهب مالك والشافعي واحدا ان السفر المنهى عنه في الشريعة لا يقصر فيه .

والقول الثاني انه يقصر فيه وهذا قول من يجوز القصر في السفر المحرم كابي حنيفة رحمه الله ويقوله بعض المتأخرين من اصحاب الشافعي واحدا ممن يجوز السفر لزيارة قبور الانبياء والصالحين كابي حامد الغزالي وابي الحسين بن عبدوس الخرائفي وابي محمد بن قدامة المقدسي وهؤلاء يقولون ان هذا السفر ليس بمحرم لعموم قوله زوروا القبور ، وقد يحتج بعض من لا يعرف الاحاديث بالاحاديث المروية في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم كقوله من زارني بعد مماتي فكأنما زارني في حياتي رواه الدارقطني وابن ماجه واما ما يذكره بعض الناس من قوله من حج ولم يزرني فقد جفاني فهذا لم يروه أحد من العلماء وهو مثل قوله من زارني وزار ابي ابراهيم في عام واحد

ضمنت له على الله اجته فان هذا ايضا باطل باتفاق العلماء لم يروه احد ولم يحتج به احد وانما يحتج بعضهم بحديث الدارقطني .

وقد احتج أبو محمد المقدسي على جواز السفر لزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقبور الانبياء بان النبي صلى الله عليه وسلم كان يزور مسجد قباء واجاب عن حديث لاتشد الرحال بان ذلك محمول على نفي الاستحباب، واما الاولون فانهم يحتجون بما في الصحيحين عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لاتشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الاقصى ومسجدي هذا، وهذا الحديث اتفق الائمة على صحته والعمل به فلونذر الرجل ان يصلي في مسجد او مشهد او يعتكف فيه او يسافر اليه غير هذه الثلاثة لم يجب عليه ذلك باتفاق الائمة ولونذر ان يأتي المسجد الحرام بحج او عمرة وجب عليه ذلك باتفاق العلماء ولونذر ان يأتي مسجد النبي صلى الله عليه وسلم او المسجد الاقصى لصلوة او اعتكاف وجب عليه الوفاء بهذا النذر عند مالك والشافعي واحمد ولم يجب عند ابي حنيفة لانه لا يجب عنده بالنذر الا ما كان من جنسه واجبا بالشرع، واما الجمهور فيوجبون الوفاء بكل طاعة كما ثبت في صحيح البخاري عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من نذر ان يطيع الله فليطعه ومن نذر ان يعص الله فلا يعصه والسفر الى المسجد طاعة فلهذا بكل (٢) طاعة وجب الوفاء به، واما السفر الى بقعة غير المساجد الثلاثة فلم يوجب احد من العلماء السفر اليه اذا نذره حتى نص العلماء على انه لا يسافر الى مسجد قباء لانه ليس من الثلاثة مع ان مسجد قبا يستحب زيارته لمن كان في المدينة لان ذلك ليس بشد رحل كما في الحديث الصحيح من تطهر في بيته ثم اتى مسجد قباء لا يريد

لا يريد الا الصلوة فيه كان كعمرة قالوا ولان السفر الى زيارة قبور الانبياء والصالحين بدعة لم يفعلها احد من الصحابة والتابعين ولا امر بها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا استحب ذلك احد من ائمة المسلمين فمن اعتقد ذلك عبادة وفعلها فهو مخالف للسنة والاجماع الامة وهذا ما ذكره ابو عبدالله بن بطة في (اباته الصغرى) من البدع المخالفة للسنة والاجماع وبهذا يظهر ضعف حجة ابى محمد فان زيارة النبي صلى الله عليه وسلم لمسجد قباء لم يكن بشد رحل وهو يدلهم ان السفر اليه لا يجب بالنذر .

وقوله ان قوله لا تشد الرحال محمول على نفي الاستحباب محتمل على وجهين أحدهما ان هذا تسليم منه ان هذا السفر ليس بعمل صالح ولا قرينة ولا طاعة ولا هو من الحسنات فان من اعتقد في السفر لزيارة قبور الانبياء والصالحين انها قرينة وعبادة وطاعة فقد خالف الاجماع واذا سافر لاعتقاده انها طاعة كان ذلك محرما باجماع المسلمين فصار التحريم من الامر المقطوع به، ومعلوم ان احدا لا يسافر اليها الا لذلك واما اذا قدر ان الرجل يسافر اليها لغرض مباح فهذا جائز وليس من هذا الباب .

الوجه الثاني ان النفي يقتضى النهى والنهى يقتضى التحريم وما ذكره من الاحاديث في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم فكلمها ضعيفة باتفاق اهل العلم بالحديث بل هي موضوعة لم يرو احد من اهل السنن المعتمدة شيئا منها ولم يحتج احد من الائمة بشيء منها بل مالك امام اهل المدينة النبوية الذين هم اعلم الناس بحكم هذه المسئلة كره ان يقول زرت قبر النبي صلى الله عليه وسلم ولو كان هذا اللفظ هو معروفا عندهم او مشروعا

أوما ثورا عن النبي صلى الله عليه وسلم لم يكرهه عالم المدينة، و الامام احمد أعلم الناس في زمانه بالسنة لما سئل عن ذلك لم يكن عنده ما يعتمد عليه الا حديث ابى هريرة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما من رجل يسلم على الاراد الله على روى حتى ارد عليه السلام، وعلى هذا اعتمد ابوداود في سننه . وكذلك مالك في الموطأ روى عن عبد الله بن عمر انه كان اذا دخل المسجد فقال السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا بنت ثم ينصرف، وفي سنن ابى داود عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لا تتخذوا قبرى عبدا وصلوا على فان صلواتكم تبلغني حيث ما كنتم، وفي سنن سعيد بن منصور ان عبد الله بن حسن بن حسن ابن على بن ابى طالب رأى رجلا يتخلف الى قبر النبي صلى الله عليه وسلم يدعو عنده فقال يا هذا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تتخذوا قبرى عبدا وصلوا على حيث ما كنتم فان صلواتكم تبلغني فانت ورجل بالاندلس الا سواء، وفي الصحيحين عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال في مرض موته لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد مسجدا يحذر ما فعلوا .

قالت عائشة ولولا ذلك لابرز قبره ولكن كره ان يتخذ مسجدا فهم دفنوه في حجرة عائشة خلاف ما اعتادوه من الدفن في الصحراء لتلاصق أحد عند قبره و يتخذ مسجدا فيتخذ قبره وثنا وكان الصحابة والتابعون لما كانت الحجرة النبوية منفصلة عن المسجد الى زمان الوليد بن عبد الملك لا يدخل احد الى عنده لالسلوة هنالك ولا لمسح بالقبر ولا دعاء هناك بل هذا جميعه انما يفعلونه في المسجد وكان السلف من الصحابة والتابعين اذا سلوا عليه وازادوا الدعاء دعوا مستقبلي القبلة ولم يستقبلوا القبلة .
واما

واما وقت السلام عليه فقال ابو حنيفة رحمه الله يستقبل القبلة
ايضا ولا يستقبل القبر وقال اكثر الأئمة بل يستقبل القبر عند السلام
خاصة ولم يقل احد من الأئمة انه يستقبل القبر عند الدعاء الا في
حكاية مكنوبة تروى عن مالك ومذهبه بخلافها، وانفق الأئمة على انه
لا يتمسح بقبر النبي صلى الله عليه وسلم ولا يقبله وهذا كله محافظة على
التوحيد فان من اصول الشرك بالله اتخاذ القبور مساجد كما قال طائفة
من السلف في قوله (تعالى وقالوا لا تدرن المهتم ولا تدرن ودا ولا سواها
ولا يفتوت ويعوق ونسرا) قالوا هؤلاء كانوا قوما صالحين في قوم
نوح فلما ماتوا عكفوا على قبورهم ثم صوروا على صورهم تماثيل ثم
طال عليهم الامد فبدوها وقد ذكر هذا المعنى البخارى في صحيحه
عن ابن عباس وذكره ابن جرير والطبرى وغيره في التفسير عن غير
واحد من السلف وذكره وثيمة وغيره في قصص الانبياء من عدة
طرق وقد بسط الكلام على اصول هذه المسائل في غير هذا .

و اول من وضع الاحاديث في السفر لزيارة المشاهد التى على
القبور هم اهل البدع من الرافضة ونحوهم الذين يعطلون المساجد ويعظمون
المشاهد يدعون بيوت الله التى امر أن يذكر فيها اسمه ويعبد وحده
لا شريك له ويعظمون المشاهد التى يشرك فيها ويكذب فيها ويتدع
فيها من لم ينزل الله به سلطانا فان الكتاب والسنة انما فيه ذكر
المساجد دون المشاهد كما قال الله تعالى (قل امر ربى بالقسط واقموا
وجوهكم عند كل مسجد وادعوه مخلصين له الدين) وقال الله تعالى
(انما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر واقام الصلوة)
الآية وقال الله تعالى (وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا) . وقال الله

تعالى (ولا تبشروهن و اتم عاكفون في المساجد) وقال الله تعالى (ومن
 اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها) لآية
 وقد ثبت عنه في الصحيح انه كان يقول ان من كان قبلكم كانوا يتخذون
 القبور مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فاني انها كم عن ذلك . والله
 سبحانه اعلم ، كتبه احمد بن تيمية هذا صورة خطه من اول الجواب
 الى هنا .

قلت اما قوله من سافر بمجرد زيارة قبور الانبياء والصالحين
 فهل يجوز له قصر الصلاة على قولين معروفين فيرد عليه فيه اسئلة
 احدها ان زيارة قبور الانبياء والصالحين اما ان تكون عنده قرابة
 او مباحة او معصية فان كانت معصية فلا حاجة الى قوله مجرد فان القولين
 في سفر المعصية سواء تجرد قصد المعصية ام انضم اليه قصد آخر
 وان كانت قرابة لم يجر فيها الا قولان بل يقصر بلا خلاف . وان كانت
 مباحة فالمسافر لذلك له حالتان ، احدهما ان يسافر معتقدا ان ذلك من
 المباحات المستوية الطرفين فيجوز القصر ايضا بلا خلاف ولا اشكال
 في ذلك كالسفر لسائر الامور المباحة ، والثانية ان يسافر معتقدا ان ذلك
 قرابة وطاعة وهذا سيأتي الكلام فيه وعلى تقدير ان يسلم له ما يقول
 يكون كلامه هنا مطلقا في موضع التفصيل فهو على التقديرين الاولين
 خطأ صريح وعلى التقدير الثالث خطأ بالاطلاق في موضع التفصيل .

السؤال الثاني انه بنى كلامه في ذلك على ان هذا السفر مختلف
 في تحريره فقد قدمنا انكار هذا الخلاف وانه لم يتحقق صحته الا ما وقع
 في كلام ابن عقيل وقد قدمنا الكلام عليه وعلى تقدير صحته وعدم
 تأويله لم يتعرض فيه لقبر النبي صلى الله عليه وسلم ولا يجوز ان ينقل عنه

فيه بخصوصه شيء مع اطلاق الناس على السفر اليه. وابن تيمية رحمه الله نقل المنع من القصر فيه عن ابن بطة وابن عقيل وطوائف كثيرين من العلماء المتقدمين وهو مطلوب بتحقيق هذا النقل وتبين هولاء الطوائف الكثيرين من المتقدمين .

السؤال الثالث ، انه جعل المنع من القصر قول متقدمي العلماء كابن بطة وابن عقيل فجعل ابن عقيل من المتقدمين ثم جعل القول بجواز القصر قول ابي حنيفة رحمه الله وبعض المتأخرين من اصحاب الشافعي واحمد كالغزالي وغيره والغزالي في طبقة ابن عقيل بل تاخرت وفاته عنه فان وفاة الغزالي في سنة خمس وخمسة و وفاة ابن عقيل في سنة ثلاث عشرة وخمسة فكيف يجعل ابن عقيل من المتقدمين والغزالي من المتأخرين وليس ابن تيمية رحمه الله ممن يخفى عنه طبقتها فان كان مراده بجعل ابن عقيل من المتقدمين ان يتفق قوله عند العوام لاختياره اياه، ويجعله الغزالي من المتأخرين ان يضعف قوله عند العوام فليس ذلك صنيع أهل العلم .
قوله ان من زارني بعد عماتي فكأنما زارني في حياتي رواه ابن ماجه ليس كذلك لم اراه في سنن ابن ماجه .

قوله فمن حج ولم يزرني فقد جفاني لم يروه احد من العلماء، ليس بصحيح وقد قدمنا من رواه وان كان ضعيفا .

قوله لو نذر الرجل ان يصلى في مسجد او مشهد او يعتكف فيه او يسافر اليه غير هذه الثلاثة لم يجب عليه ذلك باتفاق الائمة ليس بصحيح فان في مذهب الشافعي وجهين مشهورين فيما اذا نذر الاعتكاف في مسجد معين غير المساجد الثلاثة هل يتعين كما يتعين المساجد الثلاثة أولا .

قوله حتى نص العلماء على انه لا يسافر الى مسجد قباء لانه ليس من الثلاثة ليس كذلك عن العلماء كلهم فان المنقول عن الليث بن سعد انه متى نذر مسجدا لزمه من المساجد الثلاثة وغيرها والمنقول عن بعض المالكية انه يجوز اعمال المطى لغير الناذر مطلقا وحمل على ذلك اتيان النبي صلى الله عليه وسلم مسجد قباء فانه كان بغير نذر فهذان المذهبان يردان قوله ان العلماء نصوا على انه لا يسافر الى مسجد قباء .

قوله قالوا ولان السفر الى زيارة قبور الانبياء والصالحين بدعة لم يفعلها احد من الصحابة ولا التابعين ولا امر بها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا استحب ذلك احد من ائمة المسلمين فمن اعتقد ذلك عبادة وفعلها فهو مخالف للسنة ولاجماع الامة هذا من البهت الصريح وقد قدمنا من فعل ذلك من الصحابة والتابعين ومن استحبه من علماء المسلمين واثمتهم لجحد ذلك مباحته .

ثم قوله قالوا وجعله ذلك على لسان غيره، ان كان مراده به ان يخلص من تبعته عند المخالفة (١) فليس ذلك من دأب العلماء ثم هو مطلوب بنقل هذا القول برمة عن المتقدمين الذين نسبة اليهم او عن بعضهم ثم نسبة ذلك الى غيره لا يخلصه لانه انما حكاة حكاية من يرتضيه ويتصر له ويفى به العوام ويغريهم على اعتقاده ولا يفرق العايم الذي يسمع هذه الفتيا بين ان يذكره عن نفسه او حاكيا عن غيره . قوله وهذا عما ذكره ابو عبد الله بن بطة في ابائه الصغرى قلنا قد ذكرنا عن ابن بطة في الابائة ما يخالف هذا في حق قبر النبي

(١) كذا و لعله « المحاقاة »

قربة فبطل التعرض لدعوى الاجماع وانما مقصود ابن تيمية رحمه الله الزام ابي محمد المقدسي على قوله ان لا تشد الرحال محمول على نفي الاستحباب وعلى تقدير ان هذا تسليم منه لان هذا السفر ليس بعمل صالح وغاية ما يلزم من هذا ان هذا السفر [ليس] بقربة وان من اعتقد انه قربة فقد خالف ابا محمد وابن ذلك من مخالفة الاجماع واما فساده فلان ابا محمد انما تكلم في جواز القصر ومقصوده اثبات الاباحة فانها كافية فيه فتنى توهم التحريم بحمل الحديث على نفي الفضيلة اى لا يستحب شد الرحال الى مكان الا الى الثلاثة ومع هذا لا بد فيه من تأويل لان السفر مستحب لطلب العلم وغيره الى غيرها فالمقصود لا يستحب اليها من حيث هي وقد يكون هناك امر آخر يقتضى الاستحباب او الوجوب ولا مانع يكون قصد زيارة شخص مخصوص او أشخاص مما يقتضى الاستحباب ولم يتعرض ابو محمد لذلك لانه لم يتكلم فيه وانما تكلم في جواز القصر فاقصر على ما يكفي فيه وهو اثبات الاباحة .

قوله واذا سافر لا اعتقاده انها طاعة كان ذلك محرما باجماع المسلمين فصار التحريم من الامر المقطوع به هذا ايضا توهم وفساد اما ايهاهه فلان كثيرا من يسمعه يظن ان هذا كلام مبتدأ ادعى فيه انعقاد الاجماع على التحريم وان ذلك مقطوع به، وكان ابن تيمية اراد ذلك وجعله معطوفا على الزام الشيخ ابي محمد حتى اذا حوَّق فيه تخلص من دركه بجعله معطوفا وليس هذا دأب من يبنى الارشاد بل من يبنى الفساد فاما فساده، فلانا لو سلمنا ان السفر ليس بطاعة بالاجماع فسافر شخص معتقدا انه طاعة كيف يكون سفره محرما باجماع المسلمين

اظهارا فيه قال الخبر ليس مستعملا في لفظ النهى بل في معناه ومعناه منقسم الى الحقيقي والمجازي، فان قيل النهى النفساني شيء واحد وهو طلب الترك المجازم المانع من النقيض وما سواه ليس بنهي حقيقة فاذا ثبت ان المراد بالخبر النهى ثبت التحريم قلنا حيثذ يمنع ان المراد بالخبر النهى .

وقوله ان ما ذكروه من الاحاديث في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم فكلها ضعيفة باتفاق اهل العلم بالحديث بل هي موضوعة لم يروا احد من اهل السنن المعتمدة شيئا منها قد بينا بطلان هذه الدعوى في اول هذا الكتاب ما روى مالك من كراهة، قوله زرت قبر النبي صلى الله عليه وسلم بينا مراده في الباب الرابع .

قوله ولو كان هذا اللفظ مشروعا عندهم الى آخره كلام في غير محل النزاع لان النزاع ليس في اللفظ ولم يسئل عنه وانما هو في المعنى وما ذكره عن احمد وابي داود ومالك في الموطأ فكله حجة عليه لانه لان المقصود معنى الزيارة وهو حاصل من تلك الآثار واما حديث لا تتخذوا قبوري عيدا فقد تقدم الكلام عليه وحديث لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد لا يدل على مدعاه لاننا لم نتخذ مسجدا فان اراد قياس الزيارة عليه فقد سبق الكلام في ذلك .

قوله فهم دفنوه في حجرة عائشة خلاف ما اعتادوه من الدفن في الصحراء لثلاثي اهل احد عند قبره ويتخذ مسجدا فيتخذ قبره وثنا هذا ليس بصحيح، وانما دفنوه في حجرة عائشة لما روى لهم ان الانبياء يدفنون حيث يقبضون بعد اختلافهم في اين يدفن فلما روى لهم الحديث المذكور دفنوه هناك وهذا من الامور المشهورة التي يعرفها

كل أحد ولم يقل أحد انهم دفنوه هناك للفرض الذي ذكره .
 قوله وكان الصحابة والتابعون لما كانت الحجرة النبوية منفصلة
 عن المسجد لا يدخل احد الى عنده لا لصلاة هنالك ولا لمسح بالقبر
 ولا دعاء هناك فنقول ان هذا لا يدل على مقصوده ونحن نقول ان
 من ادب الزيارة ذلك ونهى عن التمسح بالقبر والصلاة عنده على
 ان ذلك ليس مما قام الاجماع عليه فقد روى ابو الحسين يحيى بن
 الحسن بن جعفر بن عبيد الله الحسيني في كتاب اخبار المدينة قال حدثني
 عمر بن خالد ثنا ابونباتة عن كثير بن زيد عن المطلب بن عبد الله
 ابن حنطب قال اقبل مروان بن الحكم فاذا رجل ملتزم القبر فاخذ
 مروان برقبته ثم قال هل تدري باذا تصنع فاقبل عليه فقال نعم اتي
 لم آت الحجر ولم آت اللين انما جئت رسول الله صلى الله عليه لا تبكوا
 على الدين اذا وليه أهله ولكن ابكو عليه اذا وليه غير أهله ، قال
 المطلب وذلك الرجل ابو ايوب الانصاري رضى الله عنه قلت و ابونباتة
 يونس بن يحيى ومن فوقه ثقات وعمر بن خالد لم اعرفه فان صح
 هذا الاسناد لم يكره مس جدار القبر وانما اردنا بذكره القدر
 في القطع بكرهه ذلك : قوله وكان السلف من الصحابة والتابعين
 اذا سلموا عليه و ارادوا الدعاء دعوا مستقبلي القبلة ولم يستقبلوا القبر
 هذا فيه اعتراف بدعاء السلف عند السلام وتركهم الدخول الى الحجرة
 مبالغة في الادب وتركهم استقبال القبر عند الدعاء ان صح لا يدل
 على انكار الزيارة ولا على انكار السفر لها .

قوله ، واما وقت السلام عليه فقال ابو حنيفة رحمه الله يستقبل
 القبلة ايضا هو كذلك ذكره ابو الليث السمرقندي في الفتاوى عطفًا على

حكاية (١٩)

حكاية حكاهما الحسن بن زياد عن ابي حنيفة رحمه الله، وقال السروجي الحنفى يقف عندنا بمسقبل القبلة، قال الكرمانى وعن اصحاب الشافعى وغيره يقف وظهره الى القبلة ووجهه الى الحظيرة، وهو قول ابن حنبل واستدل الحنفية بان ذلك جمع بين عبادتين، وقول اكثر العلماء استقبال القبلة عند السلام وهو الاحسن والادب فان الميت يعامل معاملة الحي والحي يلم عليه مستقبلا فكذلك الميت وهذا لا ينبغي ان يتردد فيه. وقوله ان اكثر العلماء قالوا يستقبله عند السلام خاصة، التقييد بقوله خاصة طلب بنقله بل مقتضى كلام اكثر العلماء من الشافعية والمالكية والحناابلة الاستقبال عند السلام والدعاء، وذكر النقل في استقبال القبلة عن ابي حنيفة رحمه الله ليس في المشهور من كتب الحنفية بل غالب كتبهم ساكتة عن ذلك وقد قدمنا عن ابي حنيفة رحمه الله انه قال جاء ايوب السخيتانى فدنا من قبر النبي صلى الله عليه وسلم فاستدبر القبلة واقبل بوجهه الى القبر، وقال ابراهيم الحزبى في مناسكه تولى ظهره القبلة وتقبل وسطه - يعنى القبر، ذكره الأجرى عنه في كتاب الشريعة وذكر السلام والدعاء .

قوله، ولم يقل احد من الائمة يستقبل القبر عند الدعاء الا فى حكاية مكذوبة تروى عن مالك ومذهبه بخلافها، اما انكاره ذلك عن احد من الائمة فقد قدمنا عن ابي عبد الله السامرى الحنبلى صاحب كتاب المستوعب فى مذهب احمد انه قال يجعل القبر تلقاء وجهه والقبلة خلف ظهره والمنبر عن يساره وذكر كيفية السلام والدعاء الى آخره، وظاهر ذلك انه يستقبل القبلة فى السلام والدعاء جميعا، وهكذا اصحابنا وغيرهم اطلاق كلامهم يقتضى انه لا فرق فى استقبال

القبر بين حالى السلام والدعاء وكذا ما قدمناه الآن عن ابراهيم
الحربى، وقد صرح اصحابنا بانه ياتى القبر الكريم فيستدبر القبلة ويستقبل
جدار القبر ويعد من رأس القبر نحو اربعة اذرع فيسلم على النبي
صلى الله عليه وسلم ثم يتأخر عن صوب يمينه فيسلم على ابي بكر رضى الله
عنه ثم يتأخر ايضا فيسلم على عمر رضى الله عنه ثم يرجع الى موقفه الاول
قائلة رسول الله صلى الله عليه وسلم ويتوسل به في حق نفسه ويستشفع
به الى ربه سبحانه وتعالى ويقول حكاية العبي ثم يتقدم الى رأس
القبر فيقف بين القبر والاسطوانة التى هناك ويستقبل القبلة ويحمد الله
تعالى ويمجده ويدعو لنفسه ولوالديه ومن شاء بما احب، وحاصله ان
استقبال القبلة فى الدعاء حسن واستقبال القبر ايضا حسن لاسباب حالة
الاستشفاع به ومخاطبه ولا اعتقد أن احدا من العلماء كره ذلك ومن
ادعى ذلك فليتبته .

وقوله ان الحكاية عن مالك مكذوبة فقد قدمنا ان هذه الحكاية
رواها القاضى عياض عن القاضى ابى عبد الله محمد بن عبد الرحمن
الاشعري و ابى القاسم احمد بن بى الحاكم وغير واحد فيما اجازوه
قالوا ثنا احمد بن عمرو بن دهاك ثنا على بن فهر عن محمد بن احمد
ابن الفرج ثنا ابوالحسن عبد الله بن المتاب ثنا يعقوب بن اسحاق بن ابى
اسرائيل ثنا ابن حميد قال ناظر ابوجعفر امير المؤمنين مالكا فى مسجد
رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرها الى ان قال ابوجعفر يا ابا عبد الله
استقبل القبلة وادعوا ام استقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال
ولم تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك ووسيلة ايك آدم عليه السلام
بل استقبله واستشفع به فيشفعك الله تعالى هكذا ذكرها القاضى عياض

في

في الشفاء في الباب الثالث في تعظيم امره ووجوب توقيره وبره
 صلى الله عليه وسلم ولم يعقبها بانكار، ولا قال ان مذهبه بخلافها بل
 قال في الباب الرابع في فصل في حكم زيارة قبره قال مالك في رواية
 ابن وهب وهو اذا سلم على النبي صلى الله عليه وسلم ودعا يقف
 ووجهه الى القبر لا الى القبلة ويدنو ويسلم ولا يمس القبر يده فهذا
 نص عن مالك من طريق اجل اصحابه وهو عبد الله بن وهب احدا لائمة
 الاعلام صريح في انه يستقبل عند الدعاء القبر لا القبلة، وذكر القاضي
 عياض انه قال في المبسوط لا ارى ان يقف عند القبر يدعو ولكن
 يسلم ويمضي قلت فالاختلاف بين المبسوط ورواية ابن وهب في
 كونه يقف للدعاء اولا وليس في الاستقبال وقد قدمنا عن كثير من
 كتب المالكية انه يقف ويدعو ولم نرا احدا منهم قال بانه اذا وقف
 عند القبر يستديره ويدعو ولا يجعله الى جانبه فكيف يحل لذي علم ان
 يدعى ان مذهب مالك بل مذهب جميع العلماء بخلاف الحكاية المذكورة
 ويجعل ذلك وسيلة الى تكذيبها وتكذيب ناقلها بمجرد الوهم والخيال
 من غير دليل اقضى له ذلك الا مجرد شيء قام في نفسه .

وقد ذكر القاضي عياض اسنادها وهو اسناد جيد، اما القاضي
 عياض فناهيك به نبلا وجلالة وثقة وامانة وعلما مجما عليه وشيخه
 ابوالقاسم احمد بن محمد بن احمد بن مخلد بن عبدالرحمن بن احمد بن يحيى
 ابن مخلد من بيت العلم والجلالة ذكره ابن بشكوال وذكر شيوخه الذين
 سمع منهم، ثم قال وكتب اليه ابو العباس العذري بالاجازة وشور
 بالاحكام بقرطبة فصار صدر المفتين بها لسه وتقدمه وهو من بيت علم
 ، نامة وفضل، وصيانة وكان ذا كرامات المسائل والنوازل دريا بالفتوى بصيرا

بنقد الشروط وعلها مقدا في معرفتها اخذ الناس عنه ، ولد في شعبان سنة ست و اربعين و اربعمائة وتوفى في سلخ سنة اثنتين و ثلاثين و خمسمائة و ذكر ابن بشكوال ، ايضا ابا عبدالله محمد بن عبدالرحمن بن علي بن سعيد بن عبدالله بن سيرين يكنى ابا عبدالله كان من اهل العلم و المعرفة و الفهم عالما بالفروع و الاصول و استقضى باشيلى و حدت سيرته توفى سنة ثلاث و خمسمائة كتب الى القاضي ابوالفضل بوفاته ، قلت ، و الظاهر انه الذي وصفه القاضي عياض بالاشعري ، و شيخهم ابوالعباس احمد بن عمرو بن انس بن دلهات العدوي ، قال ابوالقاسم خلف بن عبدالملك بن مسعود بن موسى بن بشكوال رحل الى المشرق مع ابويه سنة سبع و اربعمائة و صلوا الى بيت الله الحرام في شهر رمضان سنة ثمان جاوروا اعراما و انصرف عن مكة سنة ست عشرة فسمع بالحجاز سمعا كثيرا و صحب الشيخ الحافظ ابان الهروي و سمع منه صحيح البخاري سبع مرات و كان متقنا بالحديث و نقله و روايته و ضبطه مع ثقته و جلالة قدره و علو اسناده سمع الناس منه و حدث عنه كبار العلماء ابن عبدالبر و ابن حزم و ابو علي الفسافي و جماعة ، قال ابو علي اخبرني ابوالعباس ان مولده في ذي القعدة سنة ثلاث و تسعين و ثلاثمائة و توفى في آخر شعبان سنة ثمان و سبعين و اربعمائة و دفن بالمدينة .

و شيخه ابوالحسن علي بن الحسن بن علي بن فخر الرازي المصري الحافظ روى عن الحسن بن رشيق و اسما عيسى بن ابي محمد الازدي و روى مسند الموطا عن مؤلفه الحرم و سمعه منه بمصر روى عنه البيهقي و شيخه محمد بن احمد بن محمد بن الفرج ابوبكر المعري الجزائري الهامج توفى في ذي القعدة سنة ثمان و ستين و ثلاثمائة و ذكره ابن السمعاني في

فی الجزائری ذکرہ القراب عن المالینی قال وقال ابن المنذر هو ثقة .
 و شیخہ ابوالحسن عبداللہ بن المتاب هو عبداللہ محمد بن المتاب
 القاضی روی عنہ ابوالحسن الجوزی احدائمة اصحابنا مقرونا بابی بکر
 النسابوری حدیث الاسلام ان تسلم و جهک فتقیم الصلاة و توفی الزکاة
 و تصوم رمضان و تحج البيت و تعتمر و شیخہ یعقوب بن اسحاق بن ابراهیم
 ابن کاجر المعروف والده باسحاق بن ابی اسرائیل حدث عن ابيه
 و داود بن رشید و احمد بن عبد الصمد الانصاری و الحسن بن شیب
 و عمر بن شبة النمیری روی عنہ المفضل بن سلمة و عبد الصمد الطیبی
 و ابوالقاسم الطبرانی قال الدارقطنی لا بأس به ذکرہ الخطیب و شیخہ
 ابن حمید اظن انه ابوسفیان محمد بن حمید المعمری ، فان الخطیب ذکرہ
 فی الرواة عن مالک و انه قال کتب عن مالک موطأه ارانیه فجعل يعرضه
 علی و يقول قلت فی کسوة المسلمین فی کفارة اليمين کذاً لیس هذا
 حسن فان یکنه فهو ثقة روی له مسلم توفی سنة اثنتین و مائین و قيل
 له المعمری لانه رحل الی معمر فانظر الی هذه الحکایة و ثقة رواها
 و موافقتها لما رواه ابن وهب عن مالک و حسبک بابن وهب فقد قيل
 کان الناس بالمدينة یختلفون فی الشیء عن مالک فینظرون قدوم ابن وهب
 حتی یسألوه عنه ، و قال ابن بکیر : ابن وهب اقته من ابن القاسم .

و لنا هاهنا طرق ، احداها الاخذ بروایة ابن وهب فقط لرجحانها
 الثانية الاعتراف بالروایتین و ان هذا لیس من الاختلاف فی حلال
 و حرام و لافی مکروه فان استقبال القبلة حسن و استقبال القبر حسن ،
 الثالثة لو ثبت له مازعمه من استقبال القبلة خاصة و عدم استقبال القبر
 عند الدعاء فای شیء یلزم من ذلك و هل هذا الاکما اذا قلت المصلی

يستقبل القبلة ولا يستقبل القبر فهل لهذا مدخل في الزيارة ولفظه (؟) من العوام ريربأنفسه عن هذا الكلام فضلا عن علماء الاسلام وقد طالعت عدة كتب من كتب المالكية فلم ارفيها عن احد المنع من استقبال القبر في الدعاء ولا كراهة ذلك ولا انه خلاف الاولى غير ما قدمته عن المبسوط وليس ذلك في انه يدعو غير مستقبل كما ادعاه ابن تيمية اما الذي ادعى ابن تيمية انه مذهب مالك ومذهب جميع العلماء انه اذا سلم مستقبل القبر واراد الدعاء استدبر القبر ولاجله رد الحكاية المذكورة عنه لم نلقه في شيء من كتب المالكية ولا من كتب غيرهم وقد قدمت في الباب الرابع من كلام المالكية في الزيارة جملة .

وبقيت جملة اذكرها هاهنا، قال ابو الحسن اللخمي في التبصرة في باب من جاء مكة ليلا او بعد العصر او الصبح ويتدى في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم بركعتين تحية المسجد قبل ان يأتي القبر ويسلم وهكذا قول مالك وقال ابن حبيب يقول اذا دخل بسم الله وسلام على رسول الله . يريد انه يتدى . بالسلام من موضعه ثم يركع ولو كان دخوله من الباب الذي بناحية القبر ومروره عليه فوقف فلم ثم تهادى الى موضع يصلي فيه لم يكن ضيفا، انتهى كلام اللخمي .

وقال ابن بشير المالكي في كتاب التنبه على مبادئ التوجيه في دخول مكة وحكم الطواف والركوع والسعي، والاولى لمن دخل المدينة الابتداء بالركوع في مسجده ثم ينصرف الداخل الى القبر فيسلم على الرسول صلى الله عليه وسلم ويكثر من الصلاة عليه ثم يدعو في نفسه بما احب ثم يسلم على ابي بكر وعمر رضي الله عنهما ويستحب له ان يفعل ذلك عند خروجه من المدينة. وظاهر هذا الكلام انه يدعو مستقبل القبر .

وقال

وقال ابن يونس المالكي في باب فرائض الحج والغسل لها ودخول المدينة وصفة الاحرام والتلبية، قال ابن حبيب و يقول اذا دخل مسجد النبي صلى الله عليه وسلم بسم الله السلام على رسول الله السلام علينا من ربنا صلى الله و ملائكته على محمد اللهم اغفر لي ذنوبي و افتح لي ابواب رحمتك و جنتك و احفظني من الشيطان، ثم اقصد الى الروضة و هي ما بين القبر و المنبر فاركع فيها ركعتين قبل و قوفك بالقبر تحمد الله تعالى و تسأله تمام ما خرجت له و العون عليه و ان كانت ركعتان في غير الروضة اجزأتا عنك و في الروضة افضل و قد قال عليه السلام ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة و منبري على ترعة من ترع الجنة .

قال ابن حبيب ثم اقصد اذا قضيت ركعتيك الى القبر من وجاه القبلة فادن منه ثم سلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم و سلم و اثن عليه و عليك السكينة و الوقار فانه صلى الله عليه وسلم يسمع و يعلم و قوفك بين يديه و تسلم على ابي بكر و عمر رضی الله عنهما و تدعو لها و اكثر الصلوة في مسجد الرسول عليه الصلاة و السلام بالليل و النهار و لا تدع ان تأتي مسجد قباء و قبور الشهداء، انتهى و ناهيك بهذا الكلام من ابن حبيب رحمه الله و تصريحه و جزمه بان النبي صلى الله عليه وسلم يسمع كلام المسلم عليه و يعلم و قوفه بين يديه و ابن حبيب رحمه الله من اجلة العلماء .

وقال النووي في كتاب رؤس المسائل عن الحافظ ابي موسى الاصبهاني انه روى عن مالك بن انس الامام رحمه الله انه قال اذا اراد الرجل ان يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيستدبر القبلة و يستقبل النبي صلى الله عليه وسلم و يصل عليه و يدعو . و رأيت في شرح كتاب عبد الله بن عبد الحكم الكبير لابي بكر محمد بن عبد الله

ابن صالح الابهري في كتاب الجامع قال ابن وهب سئل مالك ابن يقف من اراد التسليم على رسول الله صلى الله عليه وسلم من القبر قال عند الزاوية التي تلى القبلة مما يلي المنبر مستقبل القبلة ولا احب ان يمس القبر بيده . انما قال ذلك لانه شاهد الناس يسلمون على النبي صلى الله عليه وسلم فاستحب الاقتداء بهم ولا يمس قبره ولا حائطه تعظيمه وان ذلك لم يكن عليه فعل من مضى وهذه النسخة يحتمل ان تكون غلطا لان رواية ابن وهب عن مالك كما تقدم ان المسلم يستقبل القبر لا القبلة ويشهد لها رواية ابي موسى وكلام المالكية ويحتمل ان يكون عنه في ذلك روايتان ، احدها كذهب ابي حنيفة رحمه الله والاخرى هي المشهورة ولو ثبت عن مالك وعن غيره ان الاولى استقبال القبلة في الدعاء لا القبر لم يكن في ذلك شيء من منع الزيارة ولا السفر ولا مانعا من تعظيم القبر ومن اعتقد ذلك فقد ضل ، وكل ما ذكره بعد ذلك تقدم الجواب عنه وانه لا يدل على مقصوده .

الباب الثامن

في التوسل والاستعانة والتشفع بالنبي صلى الله عليه وسلم

اعلم انه يجوز ويحسن التوسل والاستعانة والتشفع بالنبي صلى الله عليه وسلم الى ربه سبحانه وتعالى وجواز ذلك وحسنه من الامور المعلومة لكل ذى دين المعروفة من فعل الانبياء والمرسلين وسير السلف الصالحين والعلماء والعوام من المسلمين ولم ينكر احد ذلك من اهل الاديان ولا سمع به في زمن من الازمان حتى جاء ابن تيمية فتكلم في ذلك بكلام يلبس فيه على الضعفاء الاغمار وابتدع ما لم يسبق اليه في سائر الاعصار ولهذا طعن في الحكاية التي تقدم ذكرها

(٢٠) عن

عن مالك فان فيها قول مالك للنصور: استشفع به. ونحن قد بينا صحتها
ولذلك ادخلنا الاستعانة في هذا الكتاب لما تعرض اليها مع الزيارة
وحسبك ان انكار ابن تيمية للاستعانة والتوسل قول لم يقله عالم قبله
وصاربه بين اهل الاسلام مثله، وقد وقفت له على كلام طويل في
ذلك رأيت من رأى القويم ان اميل عنه الى الصراط المستقيم ولا اتبعه
بالنقض والابطال، فان دأب العلماء القاصدين لايضاح الدين وارشاد
المسلمين تقريب المعنى الى افهامهم وتحقيق مرادهم وبيان حكمه، ورأيت
كلام هذا الشخص بالضد من ذلك فالوجه الاضراب عنه .

واقول ان التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم جائز في كل حال
قبل خلقه وبعد خلقه في مدة حياته في الدنيا وبعد موته في مدة
البرزخ وبعد البعث في عرصات القيامة والجنة وهو على ثلاثة انواع .
النوع الاول ان يتوسل به بمعنى ان طالب الحاجة يسأل الله
تعالى به او بجاهه او ببركته فيجوز ذلك في الاحوال الثلاثة وقد ورد
في كل منها خبر صحيح، اما الحالة الاولى قبل خلقه فيدل على ذلك آثار
عن الانبياء الماضين صلوات الله وسلامه عليهم اجمعين اقتصرنا منها على
ما تبين لنا صحته وهو ما رواه الحاكم ابو عبد الله ابن البيع في المستدرک
على الصحيحين او احدهما، قال ثنا ابو سعيد عمرو بن محمد بن منصور
المعدل ثنا ابو الحسن محمد بن اسحاق بن ابراهيم الحنظلي ثنا ابو الخارث
عبد الله بن مسلم الفهرى ثنا اسماعيل بن مسلمة انا عبد الرحمن بن زيد
ابن اسلم عن ابيه عن جده عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم لما اعترف آدم عليه السلام بالخطيئة قال:
يا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لى فقال الله يا آدم وكيف عرفت

محمدًا ولم أخلقه ، قال يا رب لأنك لما خلقتني بيدك و نفخت في من
روحك رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبًا . لا اله الا الله
محمد رسول الله ، فعرفت انك لم تضيف الى اسمك الا احب الخلق
اليك فقال الله صدقت يا آدم انه لأحب الخلق الى اذ سألتني بحقه
فقد غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك ، قال الحاكم هذا حديث صحيح
الاسناد وهو اول حديث ذكرته لعبد الرحمن بن زيد بن اسلم في هذا
الكتاب ورواه البيهقي ايضا في دلائل النبوة وقال تفرد به عبد الرحمن
وذكره الطبراني وزاد فيه ، وهو آخر الانبياء من ذريتك .

وذكر الحاكم مع هذا الحديث ايضا عن علي بن حمشاذ العدل
ثنا هارون بن العباس الهاشمي ثنا جندل بن والقي ثنا عمرو بن أوس
الانصاري ثنا سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن سعيد بن المسيب
عن ابن عباس قال : أوحى الله الى عيسى عليه السلام ، يا عيسى آمن
بمحمد وأمر من أدركه من امتك ان يؤمنوا به فلولا محمد ما خلقت
آدم ولولاه ما خلقت الجنة والنار ولقد خلقت العرش على الماء
فاضطرب فكتبت عليه . لا اله الا الله ، فسكن .

قال الحاكم هذا حديث حسن صحيح الاسناد ولم يخرجاه انتهى
ما قاله الحاكم والحديث المذكور لم يقف عليه ابن تيمية بهذا الاسناد
ولا يبلغه ان الحاكم صححه فانه قال اعنى ابن تيمية اما ما ذكره في قصة
آدم من توسله فليس له اصل ولا نقله احد عن النبي صلى الله عليه
وسلم باسناد يصلح الاعتماد عليه ولا لا اعتبار ولا لا استشهاد ، ثم ادعى
ابن تيمية انه كذب وأطال الكلام في ذلك جدا بما لا حاصل تحته
بلوهم واتخرصن ، ولو بلغه ان الحاكم صححه لما قال ذلك او تعرض

للجواب

للجواب عنه وكأني به ان بلغه بعد ذلك يظن في عبدالرحمن بن زيد
ابن اسلم راوى الحديث ونحن نقول ، قد اعتمدنا في تصحيحه على الحاكم
وايضا عبدالرحمن بن زيد بن اسلم لا يبلغ في الضعف الى الحد الذى
ادعاه وكيف يحل لمسلم ان يتجاسر على منع هذا الامر العظيم الذى
لا يردده عقل ولا شرع وقد ورد فيه هذا الحديث ، وسنزيد هذا المعنى
صحة وثبتا بعد استيفاء الاقسام .

واما ما ورد من توسل نوح و ابراهيم وغيرهما من الانبياء فذكره
المفسرون واكتفينا عنه بهذا الحديث لجودته وتصحيح الحاكم له
ولا فرق في هذا المعنى بين ان يعبر عنه بلفظ التوسل او الاستعانة
او التشفع او التجوء (؟) و الداعى بالدعاء المذكور وما فى معناه متوسل بالنبي
صلى الله عليه وسلم لانه جعله وسيلة لاجابة الله دعائه ومستغيث به
والمعنى انه استغاث الله به على ما يقصده ، فالباء هاهنا للسبية وقد ترد
للتعدي كما يقول من استغاث بك فاغثه ومستشفع به ومتجوه به
ومتوجه فان التجوء والتوجه راجعان الى معنى واحد . . .

فان قلت ، المتشفع بالشخص من جاء به ليشفع فكيف يصح
ان يقال يتشفع به ، قلت ليس الكلام فى العبارة وانما الكلام فى
المعنى وهو سؤال الله بالنبي صلى الله عليه وسلم كما ورد عن آدم وكما
يفهم الناس من ذلك وانما يفهمون من التشفع والتوسل والاستعانة
والتجوء ذلك ولا مانع من اطلاق اللغة بهذه الالفاظ على هذا المعنى
والمقصود جواز ان يسأل العبد الله تعالى بمن يقطع ان له عند الله
قدرا او مرتبة ولا شك ان النبي صلى الله عليه وسلم له عند الله قدر على
و مرتبة رفيعة وجاه عظيم وفى العادة ان من كان له عند الشخص قدر

بحيث انه اذا شفّع عنده قبل شفّاعته فاذا تسبب اليه شخص في غيبته
وتوسل بذلك وتشفّع به وان لم يكن حاضرا ولا شافعا وعلى هذا
التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم قبل خلقه ولسنا في ذلك سائلين
غير الله تعالى ولا داعين الاياه ويكون ذكر المحبوب او التعظيم سببا
للإجابة كما في الادعية الصحيحة المأثورة: أسألك بكل اسم لك وأسألك
باسمائك الحسنی وأسألك بانك انت الله واعوذ برضاك من سخطك
وبمافاتك من عقوبتك وبك منك .

وحديث الغار الذي فيه الدعاء بالاعمال الصالحة وهو من الاحاديث
الصحيحة المشهورة فالمسؤول في هذه الدعوات كلها هو الله وحده
لا شريك له والمسؤول به مختلف ولم يوجب ذلك اشراكا ولا سؤال
غير الله، كذلك السؤال بالنبي صلى الله عليه وسلم ليس سؤالا للنبي
صلى الله عليه وسلم بل سؤال بالله به واذا جاز السؤال بالاعمال وهي
مخلوقة فالسؤال بالنبي صلى الله عليه وسلم أولى ولا يسمع الفرق بان الاعمال
تقتضى المجازاة عليها لان استجابة الدعاء لم يكن عليها والاحصلت بدون
ذكرها وانما كانت على الدعاء بالاعمال، وليس هذا المعنى مما يختلف فيه
الشرائع حتى يقال ان ذلك شرع من قبلنا فانه لو كان ذلك مما يخل
بالتوحيد لم يجز في ملة من الملل فان الشرائع كلها متفقة على التوحيد،
وليت شعري ما المانع من الدعاء بذلك فان اللفظ انما يقتضى ان
للمسؤول به قدرا عند المسؤول وتارة يكون المسؤول به أعلى من المسؤول
اما الباري سبحانه وتعالى كما في قوله من سألكم بالله فاعطوه وفي
الحديث الصحيح في حديث ابرص واقرع واعمى أسألك بالذي أعطاك
اللون الحسن والجلد الحسن الحديث - وهو مشهور وإما بعض البشر
ويحتمل

ويحتمل ان يكون من هذا القسم قول عائشة لفاطمة اسألك بمالى عليك من الحق. وتارة يكون المسؤل أعلى من المسؤل به كما في سؤال الله تعالى بالنبي صلى الله عليه وسلم فانه لاشك ان للنبي صلى الله عليه وسلم قدرا عنده ومن انكر ذلك فقد كفر، فتنى قال أسألك بالنبي صلى الله عليه وسلم فلاشك في جوازه وكذا اذا قال بحق محمد والمراد بالحق الرتبة والمنزلة والحق الذى جعله الله على الخلق او الحق الذى جعله الله بفضله له عليه كما في الحديث الصحيح قال فحاق العباد على الله وليس المراد بالحق الواجب فانه لايجب على الله شيء وعلى هذا يعنى يحمل ماورد عن بعض الفقهاء في الامتناع من اطلاق هذه اللفظة .

الحالة الثانية التوسل به بذلك النوع بعد خلقه صلى الله عليه وسلم في مدة حياته فمن ذلك ما رواه ابو عيسى الترمذى في جامعه في كتاب الدعوات قال ثنا محمود بن غيلان ثنا عثمان بن عمر ثنا شعبة عن ابى جعفر عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف ان رجلا ضرير البصر أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ادع الله ان يعافىنى قال: ان شئت دعوت و ان شئت صبرت فهو خير لك قال فادعه، قال : فأمره ان يتوضأ فيحسن وضوءه ويدعو بهذا الدعاء . اللهم انى أسألك و أتوجه اليك ببيك محمد نبي الرحمة يا محمد انى توجهت بك الى ربي فى حاجتى ليقتضى لى اللهم شفعه فى .

قال الترمذى هذا حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه الا من هذا الوجه من حديث ابى جعفر الخطامى و رواه النسائى فى اليوم والليلة عن محمود بن غيلان باسناده نحوه وعن محمد بن معمر عن حبان عن حماد عن ابى جعفر عن عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف نحوه

وعن زكريا بن يحيى عن ابن مثنى عن معاذ بن هشام عن ابيه عن ابي جعفر عن ابي امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بنحوه واخرجه ابن ماجه في الصلوة عن احمد بن منصور بن سيار عن عثمان بن عمر باسناده نحوه .

ورويناه في دلائل النبوة للحافظ ابي بكر البيهقي ثم قال البيهقي وزاد محمد بن يونس في روايته فقام وقد ابصر . قال البيهقي وزويناه في كتاب الدعوات باسناد صحيح عن روح بن عبادة عن شعبة قال ففعل الرجل فبراً ، قال : وكذلك رواه حماد بن سلمة عن ابي جعفر الخطمي ثم روى باسناده عن روح بن القاسم عن ابي جعفر المدني وهو الخطمي عن ابي امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف فذكره وفي آخره يا محمد انى أتوجه بك الى ربى فيجلى عن بصرى اللهم شفعه في وشفعنى في نفسى ، قال عثمان فوالله ما تفرقنا ولا طال الحديث حتى دخل الرجل وكأنه لم يكن به ضرقت ، وسنذكر هذا الحديث ايضا في التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم بعد موته من طريق الطبرانى والبيهقى وقد كفانا الترمذى والبيهقى رحمهما الله بتصحيحها مؤنة النظر في تصحيح هذا الحديث وذاهيك به حجة في المقصود ، فان اعترض معترض بان ذلك انما كان لان النبي صلى الله عليه وسلم شفيع فيه فلماذا قال له ان يقول انى توجهت اليك بنبيك .

قلت الجواب من وجوه ، أحدها سيأتى ان عثمان بن عفان وغيره استعملوا ذلك بعد موته صلى الله عليه وسلم وذلك يدل على انهم لم يفهموا اشتراط ذلك ، الثانى انه ليس في الحديث ان النبي صلى الله بين له ذلك ، الثالث انه ولو كان كذلك لم يضر في حصول المقصود

وهو

وهو جواز التوسل الى الله بغيره بمعنى السؤال به كما عليه النبي صلى الله عليه وسلم وذلك زيادة على طلب الدعاء منه ، فلولم يكن في ذلك فائدة لما عليه النبي صلى الله عليه وسلم وارشده اليه ، ولقال له انى قد شفعت فيك ولكن لعله صلى الله عليه وسلم اراد أن يحصل من صاحب الحاجة التوجه بذل الاضطرار والافتقار والانكسار مستغنياً بالنبي صلى الله عليه وسلم فيحصل كمال مقصوده ولاشك ان هذا المعنى حاصل في حضرة النبي صلى الله عليه وسلم وغيبته في حياته وبعد وفاته فانا نعلم شفقتة صلى الله عليه وسلم على امته ورقته بهم ورحمته لهم واستغفاره لجميع المؤمنين وشفاعته فاذا انضم اليه توجه العبد به حصل هذا الغرض الذى ارشد النبي صلى الله عليه وسلم الاعمى اليه .

الحالة الثالثة ان يتوسل بذلك بعد موته صلى الله عليه وسلم لما رواه الطبرانى رحمه الله فى المعجم الكبير فى ترجمة عثمان بن حنيف وذلك فى الجزء الخمسين فان اول الجزء الخمسين من اسمه طفيل وآخره جعلنى اما مهم وانا اصغرهم قبل ترجمة عمار بن طليحة (؟) قال فى هذا الجزء الخمسين ثنا طاهر بن عيسى بن قبرس المصرى المقرئ ثنا اصبع بن الفرغ ثنا ابن وهب عن ابى سعيد المسكى عن روح بن القاسم عن ابى جعفر الخطمى المدنى عن ابى امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف ان رجلا كان يختلف الى عثمان بن عفان رضى الله عنه فى حاجة له فكان عثمان لا يلتفت اليه ولا ينظر فى حاجته فلقى ابن حنيف فشكا ذلك اليه فقال له عثمان بن حنيف ايت الميضاة فتوضأ ثم ايت المسجد فصل فيه ركعتين ثم قل اللهم انى اسئلك واتوجه اليك بنينا محمد صلى الله عليه وسلم نبى الرحمة يا محمد انى اتوجه

اليك الى ربك فيقضى حاجتي ، وتذكر حاجتك وروح حتى اروح معك فانطلق الرجل فصنع ما قال له ثم أتى باب عثمان بن عفان فجاء البواب حتى اخذ يده فادخله علي عثمان بن عفان فأجلسه معه على الطنفسة فقال ما حاجتك؟ فذكر حاجته وقضاها له ، ثم قال له ما ذكرت حاجتك حتى كان الساعة ، وقال ما كانت لك من حاجة فاذكرها ثم ان الرجل خرج من عنده فلقى عثمان بن حنيف فقال له جزاك الله خيرا ما كان ينظر في حاجتي ولا يلتفت الى حتى كلمته في فقال عثمان بن حنيف والله ما كلمة ولكني شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم واتاه ضريبر فشكا اليه ذهاب بصره فقال له النبي صلى الله عليه وسلم اوتصبر ، فقال يا رسول الله انه ليس لي قائد وقد شق علي فقال له النبي صلى الله عليه وسلم إيت الميضاة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات قال ابن حنيف فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرر قط .

ثنا ادريس بن جعفر العطار ثنا عثمان بن عمر بن فارس ثنا شعبة عن ابي جعفر الخطمي عن ابي امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه . ورواه البيهقي باسناده عن ابي جعفر المديني عن ابي امامة بن سهل بن حنيف ان رجلا كان يختلف الى عثمان بن عفان فذكره بنحو مما سبق ، رواه من طريقين ، أحدهما عن عبدالمالك بن ابي عثمان الزاهد انا ابوبكر محمد بن علي بن اسماعيل الشاشي القفاري (٢) انا ابو عروبة ثنا العباس بن الفرغ ثنا اسماعيل بن شبيب ثنا ابي عن روح بن القاسم عن ابي جعفر . والاحتجاج من هذا الاثر لفهم عثمان رضي الله تعالى عنه ومن حضره الذين هم

(٢١) أعلم

أعلم بالله ورسوله وفعلمهم .

النوع الثاني التوسل به بمعنى طلب الدعاء منه، وذلك في احوال .
احداها في حياته صلى الله عليه وسلم وهذا متواتر والاخبار
طالفة به ولا يمكن حصرها وقد كان المسلمون يفرعون اليه ويستغيثون
به في جميع ما نابهم كما في الصحيحين ان رجلا دخل المسجد يوم الجمعة
ورسول الله صلى الله عليه وسلم قائم يخطب فاستقبل رسول الله صلى الله
عليه وسلم قائما قال يا رسول الله هلكت الاموال وانقطعت السبل فادع
الله تعالى يغثنا، فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه ثم قال ؟ اللهم
اغثنا اللهم اغثنا فطلعت من ورائه سحابة مثل الترس فلما توسطت السماء
ابتشرت ثم امطرت قال فلا والله ما رأينا الشمس سبتا، الحديث .

وروى البيهقي في دلائله عن ابي وجزة يزيد بن عبيد السعدي قال
لما قفل رسول الله صلى الله عليه وسلم من غزوة تبوك ايام وفد بني
فزارة الى ان قال فقالوا يا رسول الله استت بلادنا واجدبت جناتنا
وعريت عيالنا وهلكت مواشينا فادع ربك ان يغثنا واشفع لنا الى
ربك ويشفع ربك اليك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم، سبحان الله
ويحك ان انا شفعت الى ربي فمن ذا الذي يشفع اليه ربنا الله لا اله الا هو
العظيم وسع كرسيه السموات والارض وهو يثب من عظمته وجلاله،
وذكر بقية الحديث الى ان قال فتمام رسول الله صلى الله عليه وسلم
فصعد المنبر وفيه كان مما حفظ من دعائه اللهم اسق بلدك وبهيمتك
وانشر رحمتك واحي بلدك الميت، وذكر دعاء وحديثا طويلا .

وفي سنن ابي داود في كتاب السنة عن جبير بن مطعم قال أتى
رسول الله صلى الله عليه وسلم اعرابي فقال يا رسول الله جهدت الانفس

وايض يستقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للأراامل
 يطوف به الهلاك من آل هاشم فهم عنده في نعمة وفواضل
 كذبتهم وبيت الله يزي محمد ولما نطا عن حوله وتناضل
 نسلمه حتى نصرع حوله ونزهل عن ابائنا والحلائل
 فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أجل ققام رجل من كنانة
 رضى الله تعالى عنه فقال .

لك الحمد والحمد بمن شكر سقينا بوجه النبي المطر
 دعا الله خالقه دعوة اليه واشخص منه البصر
 فلم يكن الا كما ساعة واسرع حتى رأينا الدرر
 دفاق العز الى جم البعاف اغاث به الله عليا مضر
 فكان كما قال عمه ابو طالب ايض ذو غرر
 فمن يشكر الله يلقى المزيد ومن يكفر الله يلقى الغير

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يك شاعرا حسن فقد
 احسنت، والاحاديث والآثار في ذلك اكثر من ان تحصى ولوتبعتها
 لوجدت منها ألوقا، ونص قوله تعالى (ولوانهم اذظلموا نفسهم جاؤك
 فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول) الآية صريحة في ذلك وكذلك يجوز
 ويحسن مثل هذا التوسل بمن له نسبة من النبي صلى الله عليه وسلم كما
 كان عمر بن الخطاب رضى الله عنه اذا قحط استسقى بالعباس بن
 عبدالمطلب رضى الله عنه ويقول: اللهم انا كنا اذا قحطنا توسلنا اليك
 بنينا فسقينا وانا توسل اليك بعم نينا محمد صلى الله عليه وسلم فاسقنا
 قال فيسقون، رواه البخارى من حديث انس واستسقى به عام الرمادة
 فسقوا وفي ذلك يقول عباس بن عتبة بن ابي لهب .

بعمى سقى الله الحجاز واهله عشية يستقى بشيئته عمر
واستقى حمزة بن القاسم الهاشمي ببغداد فقال اللهم انا من ولد
ذلك الرجل الذي استقى بشيئته عمر بن الخطاب فسقوا فما زال
يتوسل بهذه الوسيلة حتى سقوا، وروى انه لما استقى عمر بالعباس
وفرغ عمر من دعائه قال العباس : اللهم انه لم ينزل من السماء بلاء
الابذنب ولا يكشف الابتوبة وقد توجه بي القوم اليك لمكاني من
نيك صلى الله عليه وسلم وهذه ايدينا اليك بالذنوب ونواصينا بالتوبة
وذكر دعاء، فاتم كلامه حتى ارتجت السماء بمثل الجبال ، وكذلك يجوز
مثل هذا التوسل بسائر الصالحين وهذا شيء لا ينكره مسلم بل متدين
بملة من الملل ، فان قيل ، لم توسل عمر بن الخطاب بالعباس ولم يتوسل
بالنبي صلى الله عليه وسلم او بقبره ، قلنا ليس في توسله بالعباس انكار
للتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم او بالقبر ، وقد روى عن ابي الجوزاء
قال قحط اهل المدينة قحطا شديدا فشكوا الى عائشة رضيت الله عنها
فقال فانظروا قبر النبي صلى الله عليه وسلم فاجعلوا منه كوى الى السماء
حتى لا يكون بينه وبين السماء سقف ففعلوا فطروا حتى نبت العشب
وسمن الابل حتى تفتقت من الشحم فسمى عام الفتن ، ولعل توسل عمر
بالعباس لامرين ، أحدهما ليدعوا كما حكينا من دعائه ، والثاني ،
انه من جملة من يستقى ويتنعع بالسقيا. وهو محتاج اليها بخلاف النبي
صلى الله عليه وسلم في هذه الحالة فانه مستغن عنها فاجتمع في العباس
الحاجة وقربه من النبي صلى الله عليه وسلم وشيئه والله تعالى يستحي
من ذى الشبهة المسلم فكيف من عم نبيه صلى الله عليه وسلم ويجب
دعاء المضطر فلذلك استقى عمر بشيئته .

فان

فان قال المخالف انا لا اضع التوسل و التشفع لما قدمتم من الآثار و الادلة و انما اضع اطلاق التجوه و الاستغاثة لان فيها ايها ان التجوه به و المستغاث به أعلى من التجوه عليه و المستغاث عليه .

قلنا هذا لا يعتقده مسلم و لا يدل لفظ التجوه و الاستغاثة عليه فان التجوه من الجاه و الوجاهة و معناه علو القدر و المنزلة و قد يتوسل بذى الجاه الى من هو أعلى جاها منه و الاستغاثة طلب العوث فالمستغاث يطلب من المستغاث به ان يحصل له العوث من غيره و ان كان أعلى منه فالتوسل و التشفع و التجوه و الاستغاثة بالنبي صلى الله عليه و سلم و سائر الانبياء و الصالحين ليس لها معنى في قلوب المسلمين من غير ذلك و لا يقصد بها احد منهم سواه فمن لم يشرح صدره لذلك فليكن على نفسه نسأل العافية و اذا صح المعنى فلا عليك في تسميته توسلا او تشفعا او تجوها او استغاثة، و لو سلم ان لفظ الاستغاثة يستدعى النصر على المستغاث منه فالعبد يستغاث على نفسه و هواه و الشيطان و غير ذلك مما هو قاطع له عن الله تعالى بالنبي صلى الله عليه و سلم و غيره من الانبياء و الصالحين متوسلا بهم الى الله تعالى لينغيثه على من استغاث منه من النفس و غيرها و المستغاث به في الحقيقة هو الله تعالى و النبي صلى الله عليه و سلم واسطة بينه و بين المستغاث ، الحالة الثانية بعد موته صلى الله عليه و سلم في عرصات القيامة بالشفاعة منه صلى الله عليه و سلم و ذلك مما قام الاجماع عليه و تواترت الاخبار به و سندكر تفاصيل الشفاعة المجمع عليها و المختلف فيها في هذا الكتاب ان شاء الله تعالى ، الحالة الثالثة ، المتوسطة في مدة البرزخ و قد ورد هذا النوع فيها ايضا ، انا ابو بكر بن يوسف بن عبدالعظيم المعروف بابن الصباح بقرائتي عليه في المجلدة الحادية عشر من دلائل النبوة للبيهقي

قال انا ابو الكرم لاحق بن عبد المنعم بن قاسم الارتاحي قراءة عليه
وانا اسمع انا ابو محمد المبارك بن علي بن الحسين البغدادي المعروف بابن
الطباخ انا الشيخ السيد ابو الحسن عبيد الله بن محمد بن احمد البيهقي
انا جدي الامام ابو بكر احمد بن الحسين البيهقي انا ابو نصر بن قتادة
وابو بكر الفارسي قالوا اخبرنا ابو عمر بن مطر ثنا ابراهيم بن علي الذهلي
ثنا يحيى بن يحيى انا ابو معاوية عن الاعمش عن ابي صالح عن مالك
الدار قال اصاب الناس قحط في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه
فجاء رجل الى قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله استمع الله
لامتك فانهم قد هلكوا فاتاه رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنام فقال
ائت عمر فاقره السلام واخبره انهم مسقون وقل له عليك الكيس
الكيس فاتي الرجل عمر فاخبره فبكي عمر رضي الله عنه ثم قال يا رب
ما آلو الاما عجزت عنه .

و محل الاستشهاد من هذا الاثر طلبه الامتسقاء من النبي صلى الله
عليه وسلم بعد موته في مدة البرزخ و لا مانع من ذلك فان دعاء النبي صلى الله
عليه وسلم لربه تعالى في هذه الحالة غير ممتنع وقد وردت الاخبار
على ما ذكرنا ونذكر طرفا منه وعليه صلى الله عليه وسلم بسؤال من
يسأله ورد ايضا ، ومع هذين الامرين فلا مانع من ان يسأل الله
صلى الله عليه وسلم الاستسقاء كما كان يسأل في الدنيا .

النوع الثالث . من التوسل ان يطلب منه ذلك الامر المقصود
بمعنى انه صلى الله عليه وسلم قادر على التسبب فيه بسؤاله ربه وشفاعته
اليه فيعود الى النوع الثاني في المعنى وان كانت العبارة مختلفة ومن هذا
قول القائل للنبي صلى الله عليه وسلم أسألك مرافقتك في الجنة قال أعني
على

على نفسك بكثرة السجود .

والآثار في ذلك كثيرة ايضا ولا يقصد الناس بسؤالهم ذلك الا كون النبي صلى الله عليه وسلم سببا وشفاعا وكذلك جواب النبي صلى الله عليه وسلم وان ورد على حسب السؤال كما روينا في دلائل النبوة لليهوق بالاسناد الى عثمان بن ابي العاص قال شكوت الى النبي صلى الله عليه وسلم سوء حفظي للقرآن فقال شيطان يقال خنزب ادن مني يا عثمان ثم وضع يده على صدري فوجدت بردها بين كتفي وقال اخرج يا شيطان من صدر عثمان قال : فما سمعت بعد ذلك شيئا الا حفظته فانظر امر النبي صلى الله عليه وسلم بالخروج للشيطان للعلم بان ذلك باذن الله تعالى وخلقته وتيسيره وليس المراد نسبة النبي صلى الله عليه وسلم الى الخلق والاستقلال بالافعال هذا لا يقصده مسلم فصرف الكلام اليه ومنعه من باب التليس في الدين والتشويش على عوام الموحدين واذ قد تحررت هذه الانواع والاحوال في الطلب من النبي صلى الله عليه وسلم وظهر المعنى فلا عليك في تسميته توسلا او تشفعا او استغاثة او تجوها او توجهها لان المعنى في جميع ذلك سواء .

اما التشفع فقد سبق في الاحاديث المتقدمة قول وفد بني فزارة للنبي صلى الله عليه وسلم تشفع لنا الى ربك وفي حديث الاعمى ما يقتضيه ايضا والتوسل في معناه ، واما التوجه والسؤال في حديث الاعمى والتجوه في معنى التوجه قال تعالى في حق موسى عليه السلام (وكان عند الله وجيها) وقال في حق عيسى ابن مريم عليه الصلوة والسلام (وجيها في الدنيا والاخرة) وقال المفسرون وجيها اي ذاجاه ومنزلة عنده وقال الجوهرى في فعل وجه اذا صار وجيها ذاجاه وقرر

وقال الجوهري ايضا في فعل «جوه»، الجاه القدر والمزلة و فلان ذوجاه وقد اوجهته ووجهته انا اي جعلته وجيها وقال ابن فارس فلان وجيه ذوجاه اذا عرف ذلك فعنى تجوه توجه بجاهه وهو منزلته وقدره عند الله تعالى اليه .

واما الاستغاثة ، فهي طلب الغوث و تارة يطلب الغوث من خالقه وهو الله تعالى وحده كقوله تعالى (اذ تستغيثون ربكم) ، وتارة يطلب ممن يصح اسناده اليه على سبيل الكسب ومن هذا النوع الاستغاثة بالنبي صلى الله عليه وسلم في هذين القسمين ، تعدى الفعل تارة بنفسه كقوله تعالى (اذ تستغيثون ربكم) (فاستغاثه الذي من شيعته) وتارة بحرف الجر كما في كلام النحاة في المستغاث به ، وفي كتاب سيويه رحمه الله تعالى فاستغاث بهم ليشترواله كليا فيصح ان يقال استغثت النبي صلى الله عليه وسلم واستغيث بالنبي صلى الله عليه وسلم بمعنى واحد وهو طلب الغوث منه بالدعاء ونحوه على النوعين السابقين في التوسل من غير فرق وذلك في حياته وبعد موته ، ويقول استغثت الله واستغيث بالله بمعنى طلب خلق الغوث منه فالله تعالى مستغاث فالغوث منه خلقا و ايجادا ، والنبي صلى الله عليه وسلم مستغاث والغوث منه تسيبا وكسبا ولا فرق في هذا المعنى بين ان يستعمل الفعل متعديا بنفسه او لازما او تعدى بالباء وقد تكون الاستغاثة بالنبي صلى الله عليه وسلم على وجه آخر وهو ان يقول استغثت الله بالنبي صلى الله عليه وسلم كما يقول سألت الله بالنبي صلى الله عليه وسلم فيرجع الى النوع الاول من انواع التوسل ويصح قبل وجوده وبعد وجوده وقد يخذف المفعول به ، ويقال استغثت بالنبي صلى الله عليه وسلم بهذا المعنى فصار

لفظ الاستغاثۃ بالنبي صلى الله عليه وسلم له معنيان ، احدهما ان يكون مستغاثا ، والثاني ، ان يكون مستغاثا به والباء للاستعانة فقد ظهر جواز اطلاق الاستغاثۃ والتوسل جميعا وهذا امر لا يشك فيه فان الاستغاثۃ في اللغة طلب العوث وهذا جائز لغة وشرعا من كل من يقدر عليه باى لفظ عبر عنه كما قالت : ام اسميل اغث ان كان عندك غوث .

وقدر وينا في (المعجم الكبير للطبراني) حديثا ظاهره قد يمدح في هذا ، قال الطبراني ثنا احمد بن حماد بن زغبة المصرى ثنا سعيد بن عفير ثنا ابن لهيعة عن الحارث بن يزيد عن علي بن رباح عن عبادة قال قال ابو بكر رضى الله عنه قوموا نستغيث برسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا المناق فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انه لا يستغاث بي انما يستغاث بالله عز وجل ، وهذا الحديث في اسناده عهد الله بن لهيعة وفيه كلام مشهور فان صح الحديث فيحتمل معاني احدها ان النبي صلى الله عليه وسلم كان قد اجرى على المناقنين احكام المسلمين بامر الله تعالى فعمل ابا بكر ومن معه استغاثوا بالنبي صلى الله عليه وسلم ليقته فاجاب بذلك بمعنى ان هذا من الاحكام الشرعية التي لم ينزل الوحي بها وامرها الى الله تعالى وحده والنبي صلى الله عليه وسلم اعرف الخلق بالله تعالى فلم يكن يسأل ربه تغيير حكم من الاحكام الشرعية ولا يفعل فيها الا ما يؤمر به فيكون قوله لا يستغاث بي عاما مخصوصا اى لا يستغاث في هذا الامر لانه مما يستأثر الله تعالى به ولا شك ان من ادب السؤال ان يكون المسؤل ممكنا فكما انا لانسال الله تعالى الا ما هو فيمكن القدرة الالهية كذلك لانسال النبي صلى الله عليه وسلم الا ما يمكن ان يجب اليه ، والثاني ، ان يكون ذلك من باب قوله

ما انا حملكم ولكن الله حملكم اى انا وان استغيت بي فالمستغاث به في الحقيقة هو الله تعالى وكثيرا ما تسمى السنة بنحو هذا من بيان حقيقة الامر ويعنى القرآن باضافة الفعل الى مكتسبه كقوله صلى الله عليه وسلم لن يدخل احدكم الجنة عمله مع قوله تعالى (ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون) وقال صلى الله عليه وسلم لعل لان يهدى الله بك رجلا واحدا فسلك الادب في نسبة الهداية الى الله تعالى وقد قال تعالى (وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا) فنسب الهداية اليهم وذلك على سبيل الكسب ومن هذا قوله تعالى لنيه صلى الله عليه وسلم (وانك لتهدى الى صراط مستقيم) واما قوله تعالى (انك لاتهدى من احببت) فالاحسن ان يكون المراد به التسلية (والحمل) عن قلب النبي صلى الله عليه وسلم في عدم اسلام عمه ابي طالب فكأنه قد قيل انت وفيت بما عليك وليس عليك خلق هدايته لان ذلك ليس اليك فلا تذهب نفسك عليه .

وبالجملة اطلاق لفظ الاستغانة بالنسبة لمن يحصل منه غوث اما خلقا وابدادا واما تسيبا وكسبا امر معلوم لاشك فيه لغة وشرعا ولا فرق بينه وبين السؤال فتعين تأويل الحديث المذكور وقد قيل ان في البخارى في حديث الشفاعة يوم القيامة فينام كذلك استغاثوا بآدم ثم بموسى ثم بمحمد صلى الله عليه وسلم وهو حجة في اطلاق لفظ الاستغانة ولكن ذلك لا يحتاج اليه لان معنى الاستغانة والسؤال واحد سواء عبر عنه بهذا اللفظ ام بغيره والزاع في ذلك نزاع في الضروريات وجوازه شرعا معلوم فتخصيص هذه اللفظة بالبحث عما لا وجه له وانكار السؤال بالنبي صلى الله عليه وسلم مخالف لما قدمناه من الاحاديث

الاحاديث والآثار وما اشرنا اليه بما لم يذكره .

الباب التاسع

في حياة الانبياء عليهم الصلاة والسلام

قد تضمنت الاحاديث المتقدمة ان روح النبي صلى الله عليه وسلم
ترد عليه وانه يسمع ويرد السلام فاحتجنا الى النظر فيها قد قيل في
ذلك بالنسبة الى الانبياء والشهداء وسائر الموتى وقد رتبنا الكلام في
هذا الباب على فصول .

الفصل الاول

فيما ورد في حياة الانبياء عليهم الصلاة والسلام

صنف الحافظ ابوبكر البيهقي رحمه الله في ذلك جزءاً وروى
فيه احاديث منها الانبياء صلوات الله عليهم احياء في قبورهم يصلون
ورواه ابن عدى في الكامل انا غير واحد اذنا عن ابن المقير
عن ابن الشهرزوري انا اسماعيل بن مسعدة انا حمزة بن يوسف انا
احمد بن عدى الحافظ قال ثنا قسطنطين بن عبدالله الرومي مولى المعتمد
على الله امير المؤمنين ثنا الحسين بن عرفة حدثني الحسن بن قتيبة المدائني
ثنا المستم بن سعيد الثقفي عن الحجاج الاسود عن ثابت البناني عن
انسن قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء صلوات الله عليهم
احياء في قبورهم يصلون، قال ابن عدى وللحسن بن قتيبة هذا احاديث
بمغرائب حسان فارجوانه لابأس به، وذكره ابن ابي حاتم ولم يذكر فيه
جرحا ولا تعديلا وذكره الخطيب في التاريخ وقال عن البرقاني عن
الدارقطني انه متروك الحديث وروى البيهقي هذا الحديث في صدر
الجزء الذي صنفه عن ابي سعيد احمد بن محمد بن الخليل الصوفي عن

ابن عدی بسندہ المذكور ثم قال الیهقی هذا حدیث یعد فی افراد الحسن بن قتیبة .

وقد روى عن یحیی بن ابی بکیر عن المستم بن سعید وهو فیما انا الثقة من اهل العلم انا ابو عمرو بن حمدان انا ابو یعلی الموصلی ثما ابو جهم الازرق بن علی ثما یحیی بن ابی بکیر ثما المستم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون . قلت ویحیی بن ابی بکیر ثقة والمستم بن سعید ثقة والحجاج (۱) ان کان ابن ابی الزناد ثقة وان کان غیره فم اعرفه .

قال الیهقی وروی كما اخبرنا ابو عبدالله الحافظ انا ابو حامد احمد ابن علی الحسنوی املاء ثما ابو عبدالله محمد بن العباس الحمصی بمحمص ثما ابو الریح الزاهرانی ثما اسماعیل بن طلحة بن یزید عن محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن ثابت عن انس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ان الانبیاء لا یترون فی قبورهم بعد اربعین لیلة ولكنهم یصلون بین یدی الله تعالی حتی ینفخ فی الصور . قال الیهقی وهذا ان صح بهذا اللفظ فالمراد به والله اعلم لا یترون لا یصلون الا هذا المقدار ثم یترون مصلین فیما بین یدی الله تعالی قال الیهقی ولحیة الانبیاء بعد موتهم شواهد من الاحادیث الصحیحة .

ثم ذکر الیهقی باسانیده حدیث ، مررت بموسی وهو قائم یصلی

(۱) قال فی الفتح فی باب ، واذکر فی الكتاب مریم من احادیث الانبیاء اخرجہ البزار لکن وقع عنده عن الحجاج الصواف وهو وهم والصواب الحجاج الاسود كما وقع التصریح به فی رواية الیهقی وصححه الیهقی .

فی قبره ، و حدیث قد رأی فی جماعة من الانبیاء فاذا موسى قائم یصلی و اذا رجتل ضرب جمد كأنه من رجال شنوءة و اذا عیسی ابن مریم قائم یصلی اقرب الناس به شیها عروة بن مسعود الثقفی ، و اذا ابراهیم قائم یصلی اثنه الناس به صاحبکم ، یعنی نفسه ، فحانت الصلاة فأعتهم فلما فرغت من الصلاة قال قائل لی یا محمد هذا مالك صاحب النار فسلم علیه فالتفت الیه فبدأ فی بالسلام ، اخرجه مسلم .

و فی حدیث سعید بن المسیب و غیره انه لقیهم فی بیت المقدس و فی حدیث ابی ذر فی صفة المراج انه لقیهم فی السموات و کلوه و کلهم و کل ذلك صحیح لا ینتخلف بکضه بعضا قد رای موسى علیه السلام قائما یصلی فی قبره ، ثم یرى بموسى و غیره الی بیت المقدس كما اسرى بنینا صلی الله علیه وسلم ثم یرج بهم الی السموات كما عرج بنینا علیه الصلاة والسلام فیرام فیها كما اخرج و حلولهم فی اوقات بمواضع مختلفات فانه فی العقل كما ورد به خبر الصادق و فی كل ذلك دلالة علی حیاتهم .

و بما یدل علی ذلك و ساق اسناده الی اوس بن اوس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم افضل ایامکم یوم الجمعة و فیہ خلق آدم و فیہ قبض و فیہ النفخة و فیہ الصمعة فاکثروا علی من الصلاة فیہ فان صلاتکم معروضة قالوا و کیف تعرض صلاتنا علیک و قد ارمت ، یقولون بلیت فقال ان الله تعالی حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء ، اخرجه ابوداود .

قال الیهتی وله شواهد ، منها ما انا ابو عبد الله انا ابن اسحاق الفقیه انا الابن ثنا احمد بن عبد الرحمن ثنا الولید ثنا ابورافع عن سعید المقبری

عن ابى مسعود الانصارى عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال اکثروا الصلاة علی فی يوم الجمعة فانه لیس یصلی علی احد يوم الجمعة الا عرضت علی صلواته .

وانا علی بن احمد انا احمد بن حنبل ثنا الحسن بن سعيد ثنا ابراهیم ثنا حماد عن برد عن مکحول عن ابی امامة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اکثروا علی من الصلاة فی کل يوم جمعة فان صلاة امی تعرض علی فی کل يوم جمعة فمن کان اکثرم علی صلاة کان اقربهم من منزلة .

وانا الاسفرائینی حدثنی والدی انا امامة بمصر ثنا محمد بن اسماعیل الصائغ حدثنا حکامة بنت عثمان بن دینار عن مالک بن دینار عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اقربکم منی يوم القيامة فی کل موطن اکثرکم علی صلاة فی الدنيا فمن صلی علی يوم الجمعة ولیة الجمعة قضی الله له مائة حاجة من حوائج الآخرة وثلاثین من حوائج الدنيا ثم یوکل الله بذلك ملکا یدخله فی قبری كما تدخل علیکم الهدایا یخبر من صلی علی باسمه وتسیب الی عشیرته فاتبه عندی فی صحیفة یضاه .

ثم ذکر الیهقی حدیث ، فان ضلالتکم تلبغی حیث ما كنتم ، وحدیث ، ما من احد یسلم علی الأرداء الله علی روحی حتی ارد ، قال الیهقی وانما اراد والله اعلم الا وقدر الله علی روحی حتی ارد علیه .

قلت ، وقد تقدم احتمال آخر ثم ذکر الیهقی حدیث ، ان لله ملائكة سیاحین یلتفتون عن امی السلام ، وقول ابن عباس لیس احد

من

من امة محمد صلى الله عليه وسلم صلى عليه صلاة الا وهي تبلغه يقول له الملك فلان صلى عليك كذا وكذا صلاة ، وحديث ، من صلى على عند قبري سمعته ، من طريق ابي عبد الرحمن وقال هو محمد بن مروان السدي فيما ارى وفيه نظر وقد مضى ما يؤكد ، هذا قول لليهقي وذكر ما قد مناه عن سليمان بن محيم .

ثم قال وما يدل على حياتهم ما انا ابو عبد الله الحافظ وساق اسناده وذكر حديث ، فاذا موسى باطش بجانب العرش فلا ادرى اكان فيمن صق ؟ فافاق ، قبل اركان من استثنى الله عزوجل ، رواه البخاري ومسلم ، قال اليهقي وهذا انما يصح على ان الله عزوجل رد على الانبياء صلوات الله عليهم ارواحهم فهم احياء عند ربهم كالشهداء فاذا تضح في الصور النفخة الاولى صسقوا فيمن صق ثم لا يكون ذلك موتا في جميع معانيه الا في ذهاب الاستعمار فان كان موسى عليه السلام من استثنى الله بقوله (الامن شاء الله) فانه لا يذهب استعمارهم في تلك الحالة فيخطبه بصنعة يوم الطور ويقال ان الشهداء من جملة من استثنى الله عزوجل بقوله تعالى (الامن شاء الله) وروينا في ذلك خيرا مرفوعا ، هذا جملة ما ذكره الحافظ ابو بكر اليهقي في كتاب حياة الانبياء في قبورهم لم يمحذف منه الابيض الاسايد اوبعض الزيادة في الاسماء وقد قد منا في حديث من سنن ابن ماجه فيه فبوا الله حتى يرزق . وقال اليهقي في دلائل النبوة وفي الحديث الصحيح عن سليمان التيمي وثابت البناني عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت غلي موسى ليلة اسرى بي عند الكئيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره .

ورويها في الحديث الصحيح عن ابي سلمة عن ابي هريرة ان
النبي صلى الله عليه وسلم قال وقد رأيتني في جماعة من الانبياء فاذا موسى
قائم يصلي ، وذكر ابراهيم وعيسى ووصفهم ثم قال ، فحانت الصلوة
فانتمهم ، ورويها في حديث ابن المسيب انه لقيهم في بيت المقدس ،
ورويها في حديث انس انه بعث له آدم فمن دونه من الانبياء فامهم
رسول الله صلى الله عليه وسلم تلك الليلة ، ورويها في الحديث الصحيح
عن انس عن مالك بن صعصعة وعن انس عن ابي ذر رضي الله عنهم
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى موسى بن عمران في السماء
السادسة ، وليس بين هذه الاخبار منافاة تقديرها في مسيرته قائما يصلي في
قبره ثم يساربه الى بيت المقدس كما اسرى بالنبي صلى الله عليه وسلم
فراه فيه ثم يرج به الى السماء السادسة كما عرج بالنبي صلى الله عليه
وسلم فراه في السماء وكذلك سار من رآه من الانبياء في الارض ثم
في السماء والانبياء صلوات الله عليهم احياء عند ربهم كالشهداء فلا ينكر
حلولهم في اوقات بمواضع مختلفات كما ورد خبر الصادق به ، هذا
كلام اليهقي .

وقد ثبت في الصحيح في حديث الاسراء انه صلى الله عليه وسلم
وجد آدم في السماء الدنيا وقال فيه فاذا رجل عن يمينه اسودة وعن
يساره اسودة فاذا نظر قبل يمينه ضحك واذا نظر قبل شماله بكى مرجاء
بالنبي الصالح والابن الصالح ، وجد ابراهيم في السابعة حينما ظهر
الى البيت المعمور وقال صلى الله عليه وسلم برزت ليلة اسرى في علي
موسى ابن عمران رجل آدم طوال جمد كناه من رجال سود ورايت
عيسى ابن مريم مربع الحاق الى اخرة والياض منبسط الواس .

(٢٣) وقال

وقال في حديث آخره لقيت موسى فلذا برجل حسبه قال مضطرب رجل الرأس كأنه من رجال شتوة، ولقيت عيسى فاذا ربعة حمراء كأنما خرج من ديماس يعني حما ما ورأيت ابراهيم وانا اشبه ولده به .
 وفي حديث آخر أراني ليلة عند الكعبة فرأيت رجلا آدم كاحسن ما أنت راء من الرجال من آدم الرجال له لمة كاحسن ما أنت راء من المم قد رجلها فهي تقطر ماء متكأ على رجلين أو على عواتق رجلين يهلوف باليت فسألت من هذا فقيل هذا المسيح بن مريم .
 وفي حديث - لقد رأيتني في الحجر وقريش تسألني عن مسراي فسألني عن اشياء من بيت المقدس لم اثبتها ففكرت كرابا ما كربت مثله قط قال فرضه الله انظر اليه ما يسألوني عن شيء الا انبأتهم وقد رأيتني في جماعة من الانبياء فاذا موسى قائم يصلي فاذا رجل ضرب جعد كأنه من رجال شتوة واذا عيسى بن مريم قائم يصلي اقرب الناس به شبيها عروة بن مسعود التقى واذا ابراهيم قائم يصلي اشبه الناس به صاحبكم يعني نفسه فحانت الصلاة فامتهم فلما فرغت من الصلاة قال قائل يا محمد هذا مالك صاحب النار فسلم عليه فالتفت اليه فبدأني بالسلام .

• وفي حديث آخر - ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بوادي الازرق فقال كأنى انظر الى موسى هابطا من الجنة وله جوار الى الله باللية ثم أتى على ثنية مرشى فقال كأنى انظر الى يونس بن متى على ذقة حمراء جعدة عليه جبة من صوف خطام ناقه خلبة وهو يلي .
 وفي حديث آخر - كأنى انظر الى موسى واضعا اصبعه في اذنيه ،
 وهذه الاحاديث كلها في الصحيح وقد تقدم في موسى وعيسى .

و جميع الانبياء المذكورين شئ كثير من صفات الاجسام ، وكذلك صلاتهم قياما و امامة النبي صلى الله عليه وسلم بهم ، و لا يقال ان ذلك رؤيا منام و ان قوله ارانى فيه اشارة الى النوم لان الاسراء و ما اتفق فيه كان يقظة على الصحيح الذى عليه جمهور السلف و الخلف و لو قيل بانه نوم فرؤيا الانبياء حق و قوله ارانى لادلالة فيه على المنام بدليل قوله رأتى فى الحجر و كان ذلك فى اليقظة كما يدل عليه بقية الكلام ، و قال تعالى (فلا تكن فى مرية من لقائه) و فى صحيح مسلم كان قتادة يفسرها ان نبي الله صلى الله عليه وسلم قد لقي موسى و قد قيل فى قوله تعالى (و اسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا) ان النبي صلى الله عليه وسلم سألهم ليلة الاسراء قال القاضى عياض رحمه الله . فان قيل يحجون و يلبون و هم اموات و هم فى الدار الآخرة ، لست دار عمل ، فاعلم ان للمشايخ و فيها ظهر لنا عن هذا اجوبة أحدها انهم كالشهداء بل افضل منهم و الشهداء احياء عند ربهم فلا يعد ان يحجوا و يصلوا كما ورد فى الحديث الآخر - و ان يتقربوا الى الله تعالى بما استطاعوا لانهم و ان كانوا قد توفوا فهم فى هذه الدنيا التى هى دار العمل حتى اذا فئت مدتها و تعقبها الآخرة التى هى دار الجزاء انقطع العمل .

و الوجه الثانى ان عمل الآخرة ذكر و دعاء ، قال الله تعالى (دعواهم فيها سبحانك اللهم) الثالث ان يكون رؤيا منام فهم فى غير ليلة الاسراء ، الرابع انه صلى الله عليه وسلم ارى حالهم التى كانت فى حياتهم و مثلوا له فى حال حياتهم كيف كانوا و كيف كان حجهم و تلييتهم . الخامس ان يكون اخبر عما أوحى اليه صلى الله عليه وسلم من امرهم و ما كان منهم و ان

وان لم يرم رؤية عين ، هذا كلام القاضي ، والوجه الاول والثاني يلزم منها الحياة . والثالث لا يأتي في ليلة الاسراء والرابع والخامس انما يأتيان في الحج والتلبية ونحوهما واما فيما حصل ليلة الاسراء فلا .
والجواب الصحيح في الصلاة ونحوها احد جوابين ، اما ان نقول البرزخ ينسحب عليه حكم الدنيا في استكثارهم من الاعمال وزيادة الاجور وهو الجواب الاول الذي ذكره القاضي واما ان نقول ان المنقطع في الآخرة انما هو التكليف وقد يحصل الاعمال من غير تكليف على سبيل التلذذ بها والخضوع لله تعالى ولهذا انهم يسبحون ويدعون ويقرؤون القرآن وانظر الى سجود النبي صلى الله عليه وسلم وقت الشفاعة أليس ذلك عبادة وعملا ، وعلى كلا الجوابين لا يمتنع حصول هذه الاعمال في مدة البرزخ وقد صح عن ثابت البناني التابعي انه قال ، اللهم ان كنت اعطيت احدا ان يصلي في قبره فاعطني ذلك فرثي بعد موته يصلي في قبره ، وتكفي رؤية النبي صلى الله عليه وسلم لموسى قائما يصلي في قبره ولان النبي صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء لم يقبضوا حتى خيروا بين البقاء في الدنيا وبين الآخرة فاخترت الآخرة ولا شك انهم لو بقوا في الدنيا لازدادوا من الاعمال الصالحة ثم انتقلوا الى الجنة فلم يعلموا ان اتقاهم الى الله اكل ما اختاروا ولو كان اتقاهم من هذه الدار يفوت عليهم زيادة فيما يقرب الى الله لما اختاروه . فهذه نبذة من الأحاديث الصحيحة الدالة على حياة الانبياء ، والكتاب العزيز يدل على ذلك ايضا ، قال تعالى (ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون) واذا ثبت ذلك في الشهيد ثبت في حق النبي صلى الله عليه وسلم بوجوه .

احدهما ان هذه رتبة شريفة اعطيت للشهيد كرامة له ولا رتبة أعلى من رتبة الانبياء ولا شك ان حال الانبياء أعلى واكل من حال جميع الشهداء فيستحيل ان يحصل كمال للشهداء ولا يحصل للانبياء لاسباب هذا الكمال الذي يوجب زيادة القرب والزلقي والنعيم والانس بالعلي الأعلى .

الثاني ان هذه الرتبة حصلت للشهداء اجزا على جهادهم وبذلهم انفسهم لله تعالى والنبي صلى الله عليه وسلم هو الذي سن لنا ذلك ودعانا اليه وهدانا له باذن الله تعالى وتوفيقه ، وقد قال صلى الله عليه وسلم من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الى يوم القيامة ومن سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها الى يوم القيامة .

وقال صلى الله عليه وسلم من دعا الى هدى كان له من الاجر مثل اجور من يتبعه لا ينقص ذلك من اجورهم شيئا ومن دعا الى ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثام من يتبعه لا ينقص ذلك من آثامهم شيئا . والاحاديث الصحيحة في ذلك كثيرة مشهورة فكل اجر حصل للشهيد حصل للنبي صلى الله عليه وسلم لسعيه مثله والحياة اجر فيحصل للنبي صلى الله عليه وسلم مثلها زيادة على ماله صلى الله عليه وسلم من الاجر الخاص من نفسه على هدايته للهدى وعلى ماله من الاجور على حسناته الخاصة من الاعمال والمعارف والاحوال التي لاتصل جميع الامة الى عرف نشرها ولا يلقون معشار عشرها ، وهكذا نقول ان جميع حسناتنا واعمالنا الصالحة وعبادات كل مسلم تسطر في صحائف نبينا محمد صلى الله عليه وسلم زيادة على ماله من الاجر ويحصل له صلى الله عليه من الاجور بعدد امته اضغاثا لا يحصرها الا الله تعالى ويقصر العقل عن ادراكها فان كل مهتد وعامل الى يوم القيامة يحصل له اجر ويتبعه

ويتجدد لشيخه في الهداية مثل ذلك الاجر ولشيخ شيخه مثلاه وللشيخ الثالث اربعة وللرابع ثمانية وهكذا يضاعف في كل مرتبة بعدد الاجور المحاصلة بعده الى ان تنهى الى النبي صلى الله عليه وسلم فاذا فرضت المراتب عشرة بعد النبي صلى الله عليه وسلم كان للنبي صلى الله عليه وسلم من الاجر الف واربعة وعشرون فاذا اهتدى بالعاشر حادى عشر صار اجر النبي صلى الله عليه وسلم الفين وثمانية واربعين، وهكذا كلما ازداد واحد يتضاعف ما كان قبله ابدا الى يوم القيامة وهذا امر لا يحصره الا الله تعالى ويقصر العقل عن كنه حقيقته فكيف اذا اخذ مع كثرة الصحابة وكثرة التابعين وكثرة المسلمين في كل عصر فكل واحد من الصحابة يحصل له بعدد الاجور التي يترتب على فعله الى يوم القيامة .

وكل ما يحصل لجميع الصحابة حاصل بحمله للنبي صلى الله عليه وسلم وهذا يظهر رجوعان السلف على الخلف فانه كلما ازداد الخلف ازداد اجر السلف وتضاعف بالطريق الذي تبنا عليه، ومن تأمل هذا المعنى ورزق التوفيق البعثت همه الى التعليم ورغب في نشره ليتضاعف اجره في حياته وبعد موته على الدوام ويكف عن اجداث البدع والمظالم من المكوس وغيرها فانها تضاعف عليه بالطريق التي ذكرناها ما دام يعمل بهذا فليتأمل المسلم هذا المعنى وسعادة الهادي الى الخير وشقاوة الداعي الى الشر .

الثالث ان النبي صلى الله عليه وسلم شهيد فانه صلى الله عليه وسلم لما سم بخبير واكل من الشاة المسمومة وكان ذلك سما قاتلا من ساعته مات منه بشرين البراء رضى الله عنه وبقي النبي صلى الله عليه وسلم وذلك معجزة في حقه صار ألم السم يتعاهده الى ان مات به صلى الله

عليه وسلم في مرضه الذي مات فيه ، ما زالت أكلة خبير تعاودني حتى كان الآن اوان قطعت ابهرى .

قال العلماء لجمع الله له بذلك بين النبوة والشهادة وتكون الحياة الثابتة للشهداء لا تختص بمن قتل في المعركة فانا انما اشترطنا ذلك في الاحكام الدنيوية كالفصل والصلاة اما الآخرة فلا ، وهذا لاشك فيه بالنسبة الى النبي صلى الله عليه وسلم واما غيره وغير شهداء المعركة بمن شهد له الشرع بالشهادة كالمطعون والمبطون والغريق ونحوهم فهل يقول ان الحياة الثابتة للمقتولين في سبيل الله ثبت لهم ، هذا يحتاج الى توقيف .

والشاهد فعيل اما بمعنى الفاعل او بمعنى المفعول وقد اختلف في سبب هذه التسمية فنقل عن النضر بن شميل ان الشهيد هو الحي لان كل من كان حيا كان شاهدا او مشاهدا للاحوال والشهيد حتى بعد ان صار مقتولا واستدل بالآية فلي مقتضى هذا القول كل من ورد الشرع بانه شهيد ثبت له هذا الوصف وهو كونه حيا وقيل على كونه فاعلا انه شهيد على الامم الخالية يوم القيامة وانه شاهد لطف الله ورحمته ، وقيل على كونه بمعنى مفعول ان ملائكة الرحمة يحضرون ويرفعون روحه الى منازل القدس وكل هذه المعاني موجودة في حق النبي صلى الله عليه وسلم وقيل في سبب التسمية غير ما ذكرنا .

واعلم انه لا بد من تفسير الحياة التي نسبتها للنبي صلى الله عليه وسلم والحياة التي نسبتها للشهيد وحياة سائر الموتى ايضا فاما النبي صلى الله عليه وسلم فقد صاحب التلخيص من الشافعية في خصائصه ان ماله بعد موته قائم على نفقته وملكه ، وقال امام الحرمين رحمه الله ان ما خلفه بقي على ما كان في حياته فكان ينفق ابو بكر رضي الله عنه منه على اهله وخدمه

وخدمه وكان يرى انه باق على ملك رسول الله صلى الله عليه وسلم
فان الانبياء احياء .

واعلم ان هذا القول يقتضى اثبات الحياة في احكام الدنيا وذلك
زائد على حياة الشهيد والقرآن العزيز ناطق بموته صلى الله عليه وسلم
قال تعالى (انك ميت وانهم ميتون) وقال صلى الله عليه وسلم انى
مقبوض وقال الصديق رضى الله عنه فان محمدا قدم مات ، واجمع المسلمون
على اطلاق ذلك فالوجه اذا ثبت القول المذكور ان يقال ان ذلك
موت غير مستمر وانه احيى بعد الموت ويكون انتقال الملك ونحوه
مشروطا بالموت المستمر والاقبالية الثابتة حياة اخروية ولاشك انها
اعلى واكمل من حياة الشهيد وهى ثابتة للروح بلا اشكال والجسد
قد ثبت ان اجساد الانبياء لا تبلى وعود الروح الى البدن من ذكره
في سائر الموتى فضلا عن الشهداء فضلا عن الانبياء ، وانما النظر في
استمرارها في البدن وفي ان البدن يصير حيا بها كحاله في الدنيا او حيا
بدونها وهى حيث شاء الله تعالى فان ملازمة الحياة للروح امر عادى
لا عقلى فهذا مما يجوزه العقل فان صح به سمع اتبع وقد ذكرناه عن
جماعة من العلماء وشهد له صلاة موسى عليه السلام في قبره فان الصلاة
تستدعى جسدا حيا وكذلك الصفات المذكورة في الانبياء ليلة الاسراء
كلها صفات الاجسام ولا يلزم من كونها حياة حقيقية ان تكون الابدان
معا كما كانت في الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب والامتناع
عن النفوذ في الحجاب الكثيف وغير ذلك من صفات الاجسام التى
نشاهدتها بل قد يكون لها حكم آخر ، فليس في العقل ما يمنع من اثبات
الحياة الحقيقية لهم ، وانما الادراكات كالعلم والسمع فلاشك ان

ذلك ثابت وسنذكر ثبوته لسائر الموتى فكيف بالانبياء .

الفصل الثاني في الشهداء

اجمع العلماء على اطلاق لفظ الحياة على الشهيد كما نطق به القرآن ولكن اختلفوا هل هي حياة حقيقية او مجازية وعلى تقدير كونها حقيقة هل هي الآن او يوم القيامة وعلى تقدير كونها الآن هل هي للروح او للجسد فهذه اربعة اقوال لاجناس لها اضعفها قول من قال ان المراد انهم يصيرون احياء يوم القيامة وليس المراد انهم احياء الآن، وهذا قول باطل بوجوه، منها قوله تعالى (ولكن لا يشعرون) فهذا خطاب للمؤمنين بانهم لا يشعرون بحياة من قتل في سبيل الله وكل المؤمنين يشعرون ويملكون بحياتهم يوم القيامة وانما الغريب الذي لا يشعر به حياتهم الآن، ومنها قوله تعالى (ويستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم) والمراد اخوانهم الذين في الدنيا ولم يموتوا بعد .

ومنها، الاحاديث الصحيحة عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما اصيب اخوانكم باحد جعل الله ارواحهم في جوف طير خضر ترد انهار الجنة تأكل من ثمارها وتأوى الى فتاديل من ذهب معلقة في ظل العرش فلما وجدوا طيب ما كلهم ومشرهم ومقيلهم قالوا من يبلغ اخواننا غنا انا احياء في الجنة نرزق لتلايزهدوا في الجهاد ولا ينكلوا عن الحرب فقال الله تعالى انا ابلغهم عنكم فانزل الله عز وجل (ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا) الآية رواه ابو داود وخرجه الحاكم في صحيحه وفي صحيح مسلم عن مسروق قال سألنا عبد الله بن مسعود عن هذه الآية (ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون) فقال اما انا قد سألنا عن ذلك فقال

اروا- (٢٤)

ارواحهم في خوف طير خضر لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاءت ثم تأوى الى تلك القناديل فاطلع اليهم ربهم اطلاعة فقال هل تشتهون شيئا قالوا اى شىء نشتهى ونحن نسرح من الجنة حيث نشاء فيقول ذلك لهم ثلاث مرات فلما رأوا انهم لم يتركوا من ان يسألوا قالوا يارب نريد ان ترد ارواحنا في اجسادنا حتى نقتل في سبيلك مرة اخرى فلما رأى ان ليست لهم حاجة تركوا ، وهذان الحديثان صريحان في ان ذلك حصل فيما مضى .

وعن جابر بن عبد الله رضى الله عنها قال لقينى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا جابر ما لي اراك منكسا قلت يا رسول الله استشهد ابى قبل يوم احد وترك عيالا وعليه دين قال أفلا أبشرك بمالقي الله عزوجل به اباك قلت بلى يا رسول الله قال ان الله ما كلم احدا قط الا من وراه حجاب واحى اباك وكلبه كفاحا فقال له يا عبدى تمن على اعطك فقال يارب تحببني فاقتل فيك مرة ثانية قال الرب عزوجل قد سبق مني انهم لا يرجعون قال وانزلت هذه الآية (ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا) رواه الترمذى وقال حسن غريب من هذا الوجه وقوله احى اباك يقتضى تجديد حياة و الروح باقية لم تمت فاما ان يحمل على الجسد واما على ان مفارقتها الجسد حياة لها ومنها ما سنذكره في سائر الموتى وانهم منقسمون في القبور الى منعم ومعذب ثبت بهذه الوجوه ان الحياة حاصلة للشهيد الآن ولكن من الناس من قال انها حياة مجازية ثم سلكوا في وجه المجاز وجوها اما لانهم في حكم الله مستحقون للنعم في الجنة اولان منام باق او غير ذلك من وجوه المجازات وكلها ضعيفة لانها عدل عن الحقيقة الى المجاز بغير دليل فلم يبق الا انها حياة حقيقية

الآن وان الشهداء احياء حقيقة وهو قول جمهور العلماء لكن هل ذلك للروح فقط او للجسد معها فيه قولان، احدهما، للروح فقط لما ذكرناه من حديث ابن عباس وابن مسعود رضی الله عنهما وان الروح في اجواف طير خضر و حياة الجسد انما تكون بعود الروح اليه، والثاني للجسد معها و سنذكر مثل ذلك في سائر الموتى و اثبات حياتهم في قبورهم و ان عذاب القبر و نعيمه للجسد و الروح جميعا و اذا كان نعيم غير الشهيد كذلك فنعيم الشهيد أتم و اولى و اكمل .

و ذكر القرطبي ان اجساد الشهداء لا تبلى و قد صح عن جابر ان اباہ و عمرو بن الجموع رضی الله عنہم و هما بمن استشهد باحد و دفنا في قبر واحد حفر البيل قبرهما فوجدنا لم يتغيرا و كان احدهما قد جرح فوضع يده على جرحه فدفن و هو كذلك فاميطت يده عن جرحه ثم ارسلت فرجعت كما كانت و كان بين ذلك و بين احدست و اربعون سنة و لما اجري معاوية رضی الله عنه العين التي استبطلها بالمدينة و ذلك بعد احد بنحو من خمسين سنة و نقل الموتى اصابت المسحاة قدم حمزة رضی الله عنه فسال منه الدم . و وجد عبدالله بن حرام كأنما دفن بالامس و روى كافة اهل المدينة ان جدار قبر النبي صلى الله عليه وسلم لما انهدم ايام الوليد بدت لهم قدم عمر بن الخطاب رضی الله عنه و كان قتل شهيدا و لا حاجة الى الاكثر من ذلك فقد صح ان الانبياء لا تأكل الارض اجسادهم، و ورد مثله في الشهداء و معنى بالشهيد من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، فلا يرد علينا انا قد ترى من يقاتل و تأكله الارض لكن بقاء الجسد لا يدل على حياته و الكلام هنا انما هو في الحياة، و قد صح في الشهداء انهم يقولون نريد ان

ان ترد ارواحنا الى اجسادنا، وهذا يرد قول من يقول ان جسد الشهيد حتى بروحه كما كان في الدنيا، اللهم الا ان يقال انه حتى بغير تلك الروح نوعا من الحياة مخالفا للحياة الدنيوية، وقد جاء في ارواح الشهداء انها في اجواف طير تسرح من الجنة حيث شاءت ثم تاوى الى قناديل من تحت العرش فن العلماء من قال ارواح الشهداء في اجواف طير في الجنة وارواح غيرهم من المؤمنين في قبورهم ومن ذكر ذلك القرطبي في التذكرة .

ومنهم من طعن في الحديث وقال انه لم يصح كونها في حواصل طير وزعم انها بذلك تكون مجبوسة نقل ذلك عن ابي الحسن القاسمي وغيره من المالكية وهو مردود لان الحديث صحيح، ومنهم من اول في معنى على، ومنهم من قال انها ليست في طير ولكنها نفس الطير لقوله صلى الله عليه وسلم انما نسمة المؤمن طائر تعلق، ومنهم من يقول ارواح الشهداء مختلفة منها ما هو طائر تعلق من شجر الجنة ومنها ما هو في حواصل طير خضر ومنها ما تاوى الى قناديل تحت العرش ومنها ما هو في حواصل طير بيض ومنها ما هو في حواصل طير كالزراير ومنها ما هو في اشخاص وصور من صور الجنة ومنها ما هو في صور تخلق لهم من ثواب أعمالهم، ومنها ما يسرح ويتردد الى جنبها يزورها، ومنها ما يتلقى ارواح الموتى ومن سوى ذلك ما هو في كفالة ميكائيل عليه السلام، ومنها ما هو في كفالة آدم عليه السلام ومنها ما هو في كفالة ابراهيم عليه الصلاة والسلام، قال القرطبي رحمه الله تعالى وهذا قول حسن فانه يجمع الاخبار حتى لا تدافع والله تعالى اعلم .

الفصل الثالث

في سائر الموتى في السماع والكلام والادراك والحياة وعود
الروح الى الجسد .

اما السماع والكلام فرواهما البخارى رحمه الله انا بجميع صحيح
البخارى ابو الحسن على بن محمد بن هارون بقراءتي عليه غير مرة بالقاهرة
وفاطمة بنت البطاحي بقراءتي عليها بسفح قاسيون ظاهر دمشق و ابو العباس
احمد بن ابى طالب ووزيرة بنت عمر بن اسعد برمينا قراءة عليهما و انا اسمع
وآخرون ، قال الاربعة المذكورون انا الحسين بن المبارك بن يحيى بن
الزيدى قال الاول وانا حاضر وقال الثلاثة ونحن نسمع قال انا ابو الوقت
عبدالاول بن عيسى قراءة عليه و انا اسمع انا جمال الاسلام ابو الحسن
عبدالرحمن بن محمد بن المظفر الداودى انا ابو محمد عبدالله بن احمد بن حمويه
انا ابو عبد الله محمد بن يوسف بن مطر القربرى ثنا الامام ابو عبد الله محمد
ابن اسمعيل البخارى قال ثنا عياش ثنا عبد الاعلى ثنا سعيد . و به
قال وقال لي خليفه ثنا ابن زريع ثنا سعيد عن قتادة عن انس عن النبي صلى الله
عليه وسلم ، قال العبد اذا وضع في قبره وتولى وذهب عنه اصحابه حتى انه
يسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فاقعداه فيقولان له ما كنت تقول في هذا
الرجل محمد فيقول اشهد انه عبدالله ورسوله فيقال انظر الى مقعدك من
النار ابدلك الله به مقعدا من الجنة قال النبي صلى الله عليه وسلم فراهما جميعا
واما الكافر والمنافق فيقول لا ادرى كنت اقول ما يقول الناس فيقال
لا دريت ، لا . لبت ثم يضرب بمطرقة من حديد ضربة بين اذنيه فيصبح
صيحة يسمعا من يله الا الثقلين ، وروى مسلم رحمه الله عن حديث
اسلم قريبا منه وفيه واما المنافق او المرتاب ، قال الراوى لا ادرى اى ذلك
قالت

قالت اسما، وفي الترمذی ان الملكین یقولان للؤمن نم کنوة العروس
لا یوقظه الا احب اهلہ الیہ وبالاسناد الی البخاری قال ثنا عبد العزیز
ابن عبد الله ثنا الليث عن سعيد المقبری عن ابيه انه سمع ابا سعيد الخدری
یقول ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا وضعت الجنابة و احتملها
الرجال علی أعناقهم فان كانت سالحة قالت قدمونی وان كانت غیر سالحة
قالت یا ويلها این تذهبون بها یسمع صوتها کل شیء الا الانسان و لو سمعه
صعق و بالاسناد الی البخاری قال ثنا عبد الله بن یوسف ثنا الليث بن سعد
فذكر بمثله، وقال قالت لاهلها یا ويلها وقال و لو سمع الانسان لصعق، فانظر
هذه الاحادیث الصحیحة التي لامرية فيها و تاکید الكلام بما لا یحتمل
المجاز و هو قول یسمع صوتها کل شیء الا الانسان و لو لاهذا لا يمكن
ان یحمل علی القول بلسان الحال لكن بعد هذا لا یسوغ هذا الحمل و ایضا
فان لسان الحان معلوم عند الانسان فلا شك فی حصول كلام حقیقی هذا
و نحن نشاهد علی أعناق الرجال میتا، و من الاحادیث الصحیحة المتفق
علیها نداءه صلی الله علیه وسلم اهل القليب، و قوله ما اتم بأسمع لما
اقول منهم . .

وما الادراك فیدل له مع ذلك الاحادیث الواردة فی عذاب القبر
وهی أحادیث صحیحة متفق علیها رواها البخاری و مسلم و غیرهما و اجمع
علیها و علی مدلولها أهل السنة و الاحادیث فی ذلك متواترة و من احسنها
ما رواه ابوداود الطیالسی انا ابو العباس احمد بن محمد الدشتی بقراءتی علیه
بالشام فی سنة سبع و سبعمائة قال انا الحافظ ابن خلیل انا اللبان انا الحداد
انا ابو نعیم انا ابن فارس ثنا یونس بن حبيب ثنا ابوداود الطیالسی ثنا
الاسود بن شیبان عن بحر بن البکراوی عن ابی بكرة قال یبما انا امشی مع

رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعى رجل ورسول الله صلى الله عليه وسلم يمشى يتنا اذ اتي على قبرين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان صاحبي هذين القبرين ليعذبان الآن في قبورهما فأبكى يأتينى من هذا النخل بسبب فاستبقت انا وصاحبي فسبقتهم وكسرت من النخل عسياً فأتيت به النبي صلى الله عليه وسلم فشقه نصفين من اعلاه فوضع على احدهما نصفاً وعلى الآخر نصفاً وقال انه يهون عليهما ما دام فيهما من بوليهما شيء. انهما يعذبان في الغيبة والبول، قال الطيالسي وروى هذا الحديث مسلم بن ابراهيم عن الاسود عن مجزأة عن عبد الرحمن بن ابي بكرة هكذا نقله من مسند ابي داود الطيالسي التي هي اصل سماعى وهي بخط ابن خليل واصل الحديث ثابت في الصحيحين، وفي هذه الرواية النص على ان العذاب الآن وانه في القبور وخرج البخارى ومسلم عن البراء بن عازب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المسلم اذا سئل في القبر يشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله فذلك قوله تعالى (يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة) وقد ورد عن البراء بن عازب حديث طويل جامع لاحكام الموتى وفيه التصريح بعود الروح الى الجسد انا به الدمشقى انا ابن خليل انا اللبان انا الحداد انا ابونعيم انا ابن فارس ثنا يونس ثنا ابوداود الطيالسي قال ثنا ابوعوانة عن الاحمش عن المنهال بن عمرو عن زاذان عن البراء بن عازب رضى الله عنها قال ابوداود حدثناه عمرو بن ثابت سمعه من المنهال بن عمرو عن زاذان عن البراء بن عازب وحديث ابي عوانة أمها، قال البراء خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة رجل من الانصار فاتمونا الى القبر ولما بعد جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وجلسنا حوله كأنما على رؤسنا الطير، قال

عمرو

عمرو بن ثابت وقع ولم يقله ابو عوانة فجعل يرفع بصره وينظر الى السماء ويخفض بصره وينظر الى الارض ثم قال اعوذ بالله من عذاب القبر قالها مرارا ثم قال ان العبد المؤمن اذا كان في قبل من الآخرة وانقطع من الدنيا جاءه ملك يجلس عند رأسه فيقول اخرجني أيتها النفس المطمئنة الى مغفرة من الله ورضوانه فتخرج نفسه وتسيل كما يسيل قطر السماء قال عمرو في حديثه ولم يقله ابو عوانة وان كنتم ترون غير ذلك وتزل ملائكة من الجنة يرض الوجوه كأن وجوههم الشمس معهم اكفان من اكفان الجنة ويحيط من حنوطها فيجلسون منه مد البصر فاذا قبضها الملك لم يدعها في يده طرفة عين فذلك قوله عز وجل (توفه رسلنا وهم لا يفرطون) .

قال فتخرج نفسه كاطيب ريح و جدت فتخرج بها الملائكة فلا يأتون على جند بين السماء والارض الا قالوا ما هذه الروح فيقال فلان باحسن اسمائه حتى يتهوا به الى باب سما الدنيا فتفتح له ويشبهه من كل سماء مقربوها حتى ينتهي بها الى السماء السابعة فيقول اكتبوا كتابه في عليين (وما ادراك ما عليون كتاب مرقوم يشهده المقربون) فيكتب كتابه في عليين ثم يقال ردوه الى الارض فاني وعدتهم اني رمتها خلقناهم وفيها نعيم ومنها نخرجهم تارة اخرى) فردد الى الارض وتعاد روحه في جسده فيأتيه ملكان شديدا الاتهار فيتهرانه ويجلسانه فيقولان من ربك وما دينك فيقول ربى الله ودينى الاسلام فيقولان فما تقول في هذا الرجل الذى بعث فيكم فيقول هو رسول الله فيقولون وما يدريك فيقول جاءنا بالبينات من ربنا فآمنت به وصدقته قال وذلك قوله عز وجل (يثبت الله الذين آمنوا بالقول

الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة) قال وينادي مناد من السماء
 قد صدق عبدى فالبسوه من الجنة وافرشوه منها وأروه منزله منها فيلبس
 من الجنة ويفرش منها ويرى منزله منها ويفسح له مد بصره ويمثل
 له عمله في صورة رجل حسن الوجه طيب الريح حسن الثياب فيقول
 ابشر بما اعد الله عزوجل لك ابشر برضوان من الله وجنات فيها نعيم
 مقيم فيقول بشرك الله بخير من انت فوجهك الوجه الذي جاءنا
 بخير فيقول هذا يومك الذي كنت توعده والامر الذي كنت توعده
 وانا عمك الصالح فوالله ما علمت انك الا كنت سريعا في طاعة الله بطيئا
 عن معصية الله فجزاك الله خيرا فيقول يا رب اقم الساعة كي ارجع
 الى أهلي ومالي، قال وان كان فاجرا فكان في قبل من الآخرة وانقطع
 من الدنيا جاءه ملك فجلس عند رأسه فقال اخرجي أيتها النفس الخبيثة
 أبشري بسخط الله وغضبه فتزل ملائكة سود الوجوه معهم مسح
 فاذا قبضها الملك قاموا فلم يدعوا في يده طرفة عين قال فتفرق في
 جهنمه فيستخرجها تقطع معها العروق والعصب كالسفود الكبير
 الشعب في الصوف المبلول فتؤخذ من الملك فتخرج كأنه ريح وجدت
 فلا تمر على جند فيما بين السماء والارض الا قالوا ما هذه الروح
 الخبيثة فيقولون هذا فلان بأسوه اسماه حتى يتهون الى السماء الدنيا
 فلا يفتح له فيقول رده الى الارض انى وعدتهم انى (منها خلقناهم
 وفيها نعيدهم ومنها نخرجهم تارة اخرى) قال فيرى به من السماء قال
 قلا هذه الآية (ومن يشرك بالله فكأنما خر من السماء) الآية قال
 ويباد الى الارض وتعاد فيه روحه ويأتيه ملكان شديدا الا يتهار
 فيتهرانه ويجلسانه فيقولان من ربك وما دينك فيقول لا أدري فيقولان

فأقول في هذا الرجل الذي بعث فيكم فلا يهتدى لاسمه فيقول لا أدري سمعت الناس يقولون ذلك قال فيقال لا دريت فيضيق عليه قبره حتى تختلف أضلاعه ويمثل له عمله في صورة رجل قبيح الوجه منتن الريح قبيح الثياب فيقول أبشر بعذاب من الله وسخطه فيقول من أنت فوجهك الوجه الذي جاء بالشر فيقول أنا عملك الخبيث والله ما علمتكم إلا كنت يهينا عن طاعة الله سريعا إلى معصية الله.

قال عمر وفي حديثه عن المنهال عن زاذان عن البراء عن النبي صلى الله عليه وسلم، فيقبض له ملك اصم ابكم معه مرزبة لو ضرب بها جبل صار ترابا، أو قال رميا، فيضربه بها ضربة يسمعها الخلاق إلا الثقلين ثم تعاد فيه الروح فيضربه ضربة أخرى، وهذا الحديث أخرجه جماعة من الأئمة في مسانيدهم منهم الإمام أحمد وعبد بن حميد وعلي بن معبد في الطاعة والمعصية وغيرهم، ورجال أسنده كلهم ثقات وتكلم فيه ابن حزم من جهة المنهال بن عمرو وهذا الكلام ليس بشئ لأن المنهال بن عمرو روى له البخاري ووثقه غير واحد، منهم يحيى بن معين والكلام الذي فيه من جهة أن شعبة تركه وقد قال عبد الرحمن ابن مهدي أن سبب ترك شعبة له أنه سمع من داره صوت قراءة بالتطريب، وإذا عرف هذا السبب لم يضر ترك شعبة إياه لأن جماعة من العلماء قالوا بإباحة ذلك وما كان مختلفا فيه من هذا الجنس فلا يرد الرواية به ولا الشهادة لاسمها ولم يعلم أن ذلك الصوت منه فقد يكون في داره من غيره ولا علم له به، وبالجملة فهذا كلام لا وجه له ولا شك في ثقة المنهال بن عمرو وأنه ممن يحتج بحديثه ولا معنى لانكار عود الروح وتضعيفه بالمنهال بن عمرو مع دلالة بقية الأحاديث المتفق عليها

على السماع والكلام والقعود وغيرها مما يستلزم الحياة وعود الروح، وقد روى البغوي في شرح السنة عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الميت يسمع حس النعال إذا ولوا عنه الناس مدبرين ثم يجلس ويوضع كفه في عنقه ثم يسأل.

وقد اجمع أهل السنة على إثبات الحياة في القبور قال إمام الحرمين في (العامل) اتفق سلف الأمة على إثبات عذاب القبر وأحياء الموتى في قبورهم وورد الأرواح في أجسادهم وقال النقيع أبو بكر بن العربي في (الأمم الأتقى في تفسير الأسماء الحسنی) إن أحياء المكلفين في القبر وسؤالهم جميعاً لا خلاف فيه بين أهل السنة وقال سيف الدين الأمدی في كتاب (أبكار الأفكار) اتفق سلف الأمة قبل ظهور المخالف وأكثرهم بعد ظهوره على إثبات أحياء الموتى في قبورهم ومساءلة الملكين لهم وإثبات عذاب القبر للجرمين والكافرين، وقوله تعالى (واحييتنا امتين) أي حياة المسألة في القبر وحياة الحشر لأنها حياتان عرفوا الله بها والحياة الأولى في الدنيا لم يعرفوا الله بها، وقال القرطبي إن الإيمان به منزه أهل السنة والذي عليه الجماعة من أهل الملة ولم يفهم الصحابة الذين نزل القرآن بلسانهم ولغتهم من نبيهم عليه السلام غير ذلك وكذلك التابعون بعدهم، وذهب بعض المعتزلة إلى موافقة أهل السنة على ذلك وذهب صالح تقي والصالحى وابن جرير إلى أن الثواب والعقاب ينال الميت من غير حياة وهذه مكابرة للعقول، وذهبت طائفة إلى أن الميت يألم كما يألم السكران فإذا حشر وجد ذلك الألم كما يجد السكران الألم إذا عاد النقل إليه، وهذا المذهب تخطئ لا حاصل له وذهب ضرار بن عمرو وبشر المريسي ويحيى بن كاسبل وغيرهم من المعتزلة

المعتزلة الى ان من مات فهو ميت في قبره الى يوم البعث ومنهم من اعترف بذاب القبر وانه يكون بين النفختين وكلا الامرين مخالف لما تظاهرت به الاحاديث، وطعن بعض الملحدة باننا نرى المصلوب لا يظهر عليه شئ من ذلك ومن اقترسه السبع و تفرقت اجزائه كيف يقال بذلك فيه، وللائمة رضى الله عنهم طرق في الاجوبة عن ذلك منها انه لا يعد ان تكون المساءلة على اجزاء مخصوصة من الجسد كاجزاء القلب ونحوها فيرد الله الروح اليها ويسائلها، ومنها انه لا يعد ان يرد الروح الى المصلوب من حيث لا نشعر ونحن نحسبه ميتا كما نحسب صاحب السكة ميتا، واما من تفرقت اجزائه فيرد الله الروح الى كل جزء ويسائله الملكان، ومنها ان الذين في القبور يجلسون و يسئلون والذين بقوا على وجه الارض من الموتى يحجب الله المكلفين عما يجرى عليهم كما حجبهم عن رؤية الملائكة مع رؤية النبيين لهم صلوات الله عليهم، وما تعلقوا به قوله تعالى (انك لا تسمع الموتى وما انت بسمع من في القبور) وانكار عائشة رضى الله عنها سماع اهل القليب، واما قوله تعالى انك لا تسمع الموتى فمن قول به واما قول يسمعون اذا ردت اليهم ارواحهم، واما قوله وما انت بسمع من في القبور فمعناه اذا كانوا موتى واما عائشة رضى الله عنها فقد اعترفت بالعلم وقالت انما قال انهم الآن يعلمون ان ما كنت اقول لهم حق و اذا جاز العلم جاز السماع لانها جميعا مشروطان بالحياة نعلى الجملة فهذه الامور ممكنة في قدرة الله تعالى وقد وردت بها الاخبار الصحيحة فيجب التصديق بها ويقطع بان الحياة تعود الى الميت او اما انه هل يموت بعد ذلك مودة ذنية لم يرد في الاحاديث تصريح بذلك لكن في كلام بعضهم ما يقتضيه وحمل عليه قوله تعالى (ربنا

أمتنا اثنتين) على اختلاف المفسرين فيها .

والقائلون بعذاب القبر يقولون باستمراره وهكذا تقتضى الأحاديث الصحيحة كما تقدم هذا مقعدك حتى يبعثك الله وقوله تعالى (يعرضون عليها غدوا وعشيا) وقد صح في مسلم عن زيد بن ثابت قال بينما النبي صلى الله عليه وسلم في حائط لبني النجار على بغلة له ونحن معه إذ حادت به فكادت تلقيه وإذا أقبر ستة أو خمسة أو أربعة فقال ومن يعرف أصحاب هذه القبور فقال رجل أنا فقال فتى مات هؤلاء قال ماتوا في الأشرار فقال إن هذه الأمة تبلى في قبورها فلولا أن لا تدفنوا؟ لدعوت الله أن يسمعكم من عذاب القبر الذي أسمع، وهذا يدل على استمرار عذاب القبر، وعن انس أن النبي صلى الله عليه وسلم سمع صوتا من قبر فقالوا دفن في الجاهلية فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لولا أن لا تدفنوا؟ لدعوت الله أن يسمعكم عذاب القبر، وأما قوله تعالى (من بهنأ من مرقدنا) فهو يشعر بالحياة لأن الرقاد للحى وقد قيل في تفسيره أقوال، منها أن العذاب يرفع عن أهل القبور بين النفخات نفخة الفزع ونفخة الصعق ونفخة النشر فلا يعذب في هذه الأوقات إلا من قتل نيا أو قتله نبي أو قتل في معترك نبي، ومنها أن العذاب ليس بدائم بل بكرة وعشيا ويفتر فيما بين ذلك فتقوم الساعة في ارتفاع النهار فيصايف قيامها وقت الفترة .

وقد تلخص من هذا أن الروح تعاد إلى الجسد ويحيى وقت المساء وأنه يتم أو يعذب من ذلك الوقت إلى يوم البعث أما منقطعاً أو مستمراً على ما سبق وهو ذلك من بعد وقت المساء إلى البعث للروح فقط فإنه مع الجسم يلتفت على أن الجسم هل يفنى أو يتفرق وكلا الأمرين

حاشا -

جائز عقلا، وفي الواقع منه قولان للتكلمين ولم يرد في الشرع ما يمكن التمسك به في ذلك الا قوله صلى الله عليه وسلم كل ابن آدم يبلى الا عجب الذنب لحيث يكون الجسم او بعضه باقيا فلا امتناع من قيام الحياة به وحيث يعدم بالكلية يتعين القول بالروح فقط على انها ايضا قد تعدم عند فناء العالم ليكون المعاد واردا عليها وعلى الجسم معا وقد جاءت احاديث تدل على ان بعض الموتى يقبهم الله تعالى فتة القبر منهم الشهيد ومن مات يوم الجمعة او ليلة الجمعة، وآخرون وردت بهم احاديث وهؤلاء ان خصوا من المسألة فالنعيم والحياة شاملان لهم .

وقد عرف بهذا ان حياة جميع الموتى بارواحهم واجسامهم في قبورهم لاشك فيها واستمرار العذاب او النعيم بعد المسألة لاشك فيه ايضا لما سبق وكون ذلك فيما بعد وقت المسألة للروح فقط اولها مع الجسم مما يتوقف على السمع، وقد ذكر سعيد بن السكن في سننه عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال الميت اذا وضع في قبره انه يسمع خفق نعالهم حين يولون عنه فان كان مؤمنا كانت الصلاة عند رأسه وذكر حديثا طويلا الى ان قال فيفسح له في قبره سبعون ذراعا وينور له فيه ويعاد الجسد بما بدى منه ويجعل النسمة في النسم الطيبة فهو يطير ويلقح في شجر الجنة، وفي المستدرک على الصحيحين للحاكم في فضائل عائشة رضی الله عنها قالت كنت ادخل البيت الذي دفن معها؟ عمر والله ما دخلت الا وانا مشدودة على ثيابي حياء من عمر قال هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه .

الفصل الرابع

قد عرفت مقالات الناس في سائر الموتى وفي الشهداء وعرفت

ان القول فيهم يعود الروح الى الجسد وبقائها فيه الى يوم القيامة بيد مخالف للحديث الصحيح انها ترجع الى جسده يوم القيامة وعرفت ان النعم حاصل لارواح السعداء من الشهداء وغيرهم والذئاب حاصل للاشقياء فطلك قول ما الفرق حيث بين الشهداء وغيرهم، والجواب عن هذا من وجوه، احدها، ان اثبات الحياة للشهداء لا تنق ثبوتها عن غيرهم فالآيتان الكريمتان الواردتان بقوله تعالى (ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا بل احياء عند ربهم) ليس فيها نفي هذا الحكم عن غيرهم بل الرد على من يعتقدانهم ليسوا كذلك ونص عليهم لان الواقعة كانت فيهم، الثاني ان انواع الحياة متفاوتة حياة للاشقياء معذنين اعاذنا الله تعالى منها، وحياة بعض المؤمنين من المتعدين، وحياة الشهداء اكل واكل اعلى فهذا النوع من الحياة والرزق لا يحصل لمن ليس في رتبهم، وانما حياة الانبياء اعلى واكل وامن من الجميع لانها للروح والجسد على الدوام على ما كان في الدنيا على ما تقدم عن جماعة من العلماء ولو لم يثبت ذلك فلاشك ان كمال حياتهم ايضا اكبر من الشهداء وغيرهم اما بالنسبة الى الروح فكمال اتصالها ونعيمها وشهودها للحضرة الالهية وهي مع ذلك مقبلة على هذا العالم ومتصرة فيه، واما بالنسبة الى الجسد فلما ثبت فيه من الحديث .

وبالجملة كل احد يعامل بعد موته كما كان يعامل في حياته ولهذا يجب الادب مع النبي صلى الله عليه وسلم بعد موته كما كان في حياته، وقد روى عن ابي بكر الصديق رضي الله عنه قال لا ينبغي رفع الصوت على نبي حيا ولا ميتا، وروى عن عائشة رضي الله عنها انها كانت تسمع صوت الزناديق والمسار يضرب في بعض البور المطيعة بمسجد رسول الله

رسول الله صلى الله عليه وسلم قرى بهم لا تؤذوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قالوا وما عمل علي بن ابي طالب رضي الله عنه مصراعي داره الا بالمناصع توقيا لذلك ، هكذا رواه الحسيني في اخبار المدينة . وهذا مما يدل على انهم كانوا يرون انه حي ، وعن عروة قال وقع رجل في عسلي عند عمر بن الخطاب فقال له عمر بن الخطاب قبلك الله لقد آذيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبره ، ومن نظر سير السلف الصالحين والصحابة والتابعين علم انهم كانوا في غاية الادب مع النبي صلى الله عليه وسلم بعد موته كما كانوا في حياته وكانوا مع قبره الشريف كذلك وكيف لا وقد روى عن كعب الاحبار قال ما من فجر طلع الا نزل سبعون الفامن الملائكة حتى يحفوا بالقبر يضربون باجنحتهم ويصلون على النبي صلى الله عليه وسلم حتى اذا امسوا عرجوا يهبط مثلهم فضعوا مثل ذلك حتى اذا انشقت الارض خرج في سبعين الفامن الملائكة فلم يكن في الحضور عند القبر الا الدعاء بحضرة هؤلاء الملائكة فكيف وفيه حضرة سيد الخلق اجمعين ولذلك كانت الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين يتكلمون اصواتهم في مسجده صلى الله عليه وسلم ويكلمون له ، في البخاري عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه انه قال لرجلين من اهل الطائف لو كتبا من اهل البلد لا رجعتكما ترفان اصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم .

ولو جمعنا الاحاديث الصحيحة التي فيها ما كانت الصحابة عليه من تعظيم رسول الله صلى الله عليه وسلم وتعظيم آثاره وادبهم معه لجمت مجلدات بل الملائكة ايضا كانوا يسلكون كمال الادب معه كما روى ابو بكر بن ابي شيبة في مصنفه ثنا ابن فضيل عن عطاء بن السائب عن

محارب عن ابن بريدة قال وردنا المدينة فأتينا عبد الله بن عمر فقال كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فأتاه رجل جيد الثياب طيب الريح حسن الوجه فقال السلام عليك يا رسول الله فقال وعليك فقال يا رسول الله ادنو منك قال ادنه فدنا فدنا فقلنا ما رأينا كالذي قطع رجلا أحسن ثوبا ولا أطيب ريحا ولا أحسن وجها ولا أشد توقيرا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال يا رسول الله ادنو منك قال نعم فدنا فدنا فقلنا مثل مقالتنا ثم قال له الثالثة ادنو منك يا رسول الله قال نعم .

وذكر حديث جبرئيل أو سؤاله عن الإسلام فانظر تعظيم جبرئيل وأدبه مع النبي صلى الله عليه وسلم وكذلك ملك الموت وغير ذلك من الأحاديث التي لا تحصر والكتاب العزيز واجماع المسلمين ولا شك ان من قال لا يزال ولا يسافر لزيارته او لا يستغاث به بعيد من الأدب معه نسأل الله تعالى العافية، وقد روي القاضى اسماعيل فى احكام القرآن عن محمد بن عبيد ثنا محمد بن ثور عن معمر عن قتادة ان رجلا قال لوقبض النبي صلى الله عليه وسلم لتزوج فلانة فانزل الله تعالى (وما كان لكم ان تؤذوا رسول الله ولا ان تنكحوا ازواجه من بعده ابدا) .

قال معمر وبلغنى ان طلحة (١) قال لوقبض النبي صلى الله عليه وسلم لتزوجت عائشة فانظر محافظة القرآن العزيز على حفظه وصونه عما يؤذيه فى حياته وبعد مماته وهذا معلوم من الدين بالضرورة و اشعار

(١) قال الحافظ جلال الدين السيوطى فى فتاواه طلحة هذا ليس هو المشهور احد العشرة بل هو رجل شاركه فى اسمه واسم ابيه ونسبه فان طلحة المشهور الذى هو احد العشرة طلحة بن عبيد الله بن عثمان بن عمر بن كعب بن سعد بن تيم التيمي - طلحة صاحب القصة طلحة بن عبيد الله بن شافع بن عياض بن صخر =

الآية الكريمة إن نكاحن بعد الموت يؤذيه فيقتضى انه يتأذى بعد الموت فينبغي لمحترز على دينه ان يسلك كمال الادب و يتحفظ غاية التحفظ لتلايزل وهو لا يشعر فيما بما يؤذيه فيخسر الدنيا و الآخرة نسأل الله تعالى ان يعصمنا في ديننا و يسترنا فيما بقى من أعمارنا و يجعل ما نقوله حجة لنا لا علينا و نورا يسعى بين ايدينا و ان يحشرنا في زمرة هذا النبي صلى الله عليه وسلم و تحت لوائه و يوردنا حوضه و يرزقنا شفاعته و رضاه عنا و يجعلنا من المتبعين لسته السالكين بهديه بمنه و كرمه آمين .

الفصل الخامس

كان المقصود بهذا كله تحقيق السماع و نحوه من الاعراض بعد الموت فانه قد يقال ان هذه الاعراض مشروطة بالحياة فكيف تحصل بعد الموت و هذا خيال ضعيف لانا لاندى ان الموصوف بالموت موصوف بالسماع و انما ندعى ان السماع بعد الموت حاصل لحى وهو اما الروح و حدها حالة كون الجسد ميتا او متصلة بالبدن حالة عود الحياة اليه و الانسان فيه امران (١) جسد و نفس فالجسد اذا مات و لم تعد اليه الحياة لا تقوم بقيام شيء من الاعراض المشروطة بالحياة به و ان عادت الحياة اليه صح اتصافه بالسماع وغيره

= ابن عامر بن كعب بن سعد بن تيم التيمي قال ابو موسى في الذيل عن ابن شاهين في ترجمته هو الذى نزل فيه (و ما كان لكم ان تؤذوا رسول الله) الآية وذلك انه قال لئن مات رسول الله لأتزوجن عائشة و قال ان جماعة عن المفسرين غلطوا و ظنوا انه طلحة احد العشرة، انتهى من الاصل (١) قوله امر ان قال السبكي ان فيه للسيد الصفوى هنا تحقيق في مسألة المعاد فليراجع ، و عبارته الانسان هو مجموع الجسد و الروح و ما فيه من المعاني فان الجسد الفارغ من =

من الاعراض و النفس باقية بعد موت البدن عالة باتفاق المسلمين حتى ان عائشة رضی الله تعالى عنها لما انكرت سماع اهل القلب وافقت على العلم وقالت انما قال انهم الآن ليعلمون ان ما كنت أقول لهم حق ، بل غير المسلمين من الفلاسفة وغيرهم ممن يقول ببقاء النفوس يقولون بالعلم بعد الموت ولم يخالف في بقاء النفوس الا من لا يمتد به .

وليس مرادنا أنها و اجابة البقاء كما قال به بعض اهل الزيغ والاحاد ولا أنها تبقى دائما وان كان ممكنا فانه قد يفنيها الله تعالى عند فناء العالم ثم يعيدها وانما المراد انها تبقى بعد موت البدن ثم بعد ذلك ان فئت أعيدت مع البدن يوم القيامة وان لم تكن أعيد البدن ورجعت وما دامت باقية تدرك المعقولات بلا اشكال .

واما ادراكها للحسوس كالسمع وغيره ففي حال تعلقها بالبدن اختلف المتكلمون هل هي المدركة فقط والحواس بمنزلة الطاقات او الحواس تدرك ثم تنقل اليها كالحجاب يسمعون ثم ينقلون الى الملك .

وعلى كل من القولين هي مدركة للسموع ولم يبق دليل على ان اتصالها بالبدن شرط في هذا الادراك بل الظاهر انه ليس بشرط كما انه ليس بشرط في العلم بالمعقولات ونحن يكفيننا بيان امكان ذلك عقلا فاذا ورد به سمع اتبع ولسنا في مقام اثباته بمجرد العقل بل في مقام

= الروح والمعاني تسمى شبيحا وجملة لانسانا وكذا الروح مجرد لا يسمى انسانا وكذا المعاني المحققة لا تسمى على الافراد انسانا فالاعرفا ولا عقلا ، انتهى من الاصول المنقولة عنها .

عدم استحالته وانه ليس الأمر على ما توهمه السائل وما ذكره من
مشروطة السمع بالحياة صحيح والحياة تتصف الروح بها وبيان ذلك
يحوج الى الكلام في حقيقة النفس، وقد اكثر الناس الكلام فيها
من التصانيف و تباينت فيها اقوال الناس هل هي جسم أو عرض أو مجموعهما
أو جوهر فرد متحيز أو جوهر مجرد غير متحيز ولا يمكن قول سادس
وأما الكلام في تعيين واحد من الخمسة .

ومن الناس من توقف فيها وهو اسلم وحل على ذلك قوله تعالى
(قل الروح من امر ربي) وانه لم يأمره ان بينها لهم، ومنهم من قال انها
جسم وهؤلاء تنوعوا انواعا امثلها قول من قال انها اجسام لطيفة مشتبكة
بالاجسام الكثيفة اجرى الله العادة بالحياة مع بقائها وهو مذهب جمهور
اهل السنة والى ذلك يشير قول الاشعري والباقلاني وامام الحرمين
وغيرهم ويوافقهم قول كثير من قدماء الفلاسفة، ومنهم من قال انها
عرض خاص ولم يعينه قاله جماعة من المتكلمين ونصره الهراسي
من اصحابنا .

ومنهم من عينه وتنوعوا في ذلك انواعا، ومنهم من قال انها
جوهر فرد متحيز نقل ذلك سيف الدين الأمدى عن الغزالي ومعه
وغيرهما من الاسلاميين القائلين بانها بسيطة، والقائلون بهذه الاقوال
الثلاثة يقولون ان قوله تعالى (قل الروح من امر ربي) جواب فان امر
الرب هو الشرع والكتاب الذي جاء به فمن دخل في الشرع و تفقه في
الكتاب والسنة عرف الروح فكان معنى الكلام ادخلوا في الدين تعرفوا
ما سألت عنه على انه قد قيل انهم لم يسئلوا عن الروح الانساني بل عن
ملك من الملائكة والاقوال في ذلك المذكورة في التفسير وقيل ليس

سوالاً عن حقيقتها بل عن حدوثها و أجا بهم بما يدل على حدوثها و انها من فعل الله تعالى و كل من قال بانها جسم يجوز اتصافها بالحياة، و اما القول بانها عرض فبعيد، و من الناس من قال الروح جوهر مجرد متحيز و لا حال في متحيز و هو مذهب حذاق الفلاسفة .

و الذى يظهر ان هذا مذهب الغزالي ايضا و هكذا هو في (المضمون به على غيرا هله الكبير) و (المضمون به على غير هله الصغير) و لكن الآمدى نقل عنه ما ذكرت و (المضمون الكبير) فيه اشياء من اعتقاد الفلاسفة خارجة عن اعتقاد المسلمين و لذلك ان بعض الفضلاء كان ينكر نسبه الى الغزالي رحمه الله و هو في الاحياء في شرح عجائب القلب لم يفصح بذلك، و انما قال انها لطيفة ربانية روحانية هي حقيقة الانسان و هي المدرك العالم العارف من الانسان و هي المخاطب المطالب، و هذه اللطيفة علاقة مع القلب الجسماني، و قد تحير اكثر العقول في ادراك وجه علاقته و قال ان هذه اللطيفة الربانية يطلق عليها الروح و النفس و القلب و العقل و هي غير الروح الجسماني و غير النفس الشهوانية و غير القلب الصنوبري و غير العقل الذي هو العلوم فالمعاني خمسة و الالفاظ اربعة كل لفظ لمعنيين هذا كلامه في الاحياء، و اتفق الاطباء على ان في بدن الانسان ثلاثة ارواح روح طبيعي و هو جسم لطيف معدنه الكبد ثم يثبت في سائر البدن و يحمل القوى الطبيعية، و روح حيواني و هو جسم لطيف معدنه القلب و يثبت في سائر البدن و يحمل قوة الحياة، و روح نفساني و هو جسم لطيف معدنه الدماغ و يثبت في سائر البدن و فعله الحس و الحركة و هذه الارواح تشترك فيها الحيوانات، و لم يتكلموا في النفس الناطقة الخاصة بالانسان التي هي غرضنا هنا .

اذا عرف ذلك فالفلاسفة القائلون في النفس الناطقة انها جوهر مجرد فانهم يقولون انه حي عالم متكلم سميع بصير قادر مرید ولكنه يمكن موجود بايجاد الله تعالى حادث بعد العدم مخلوق، وقد يطلقون المخلوق على ماله كمية يدخل بسببها تحت المساحة والتقدير ويقولون عالم الخلق ما كان كذلك وعالم الامر الموجودات الخارجة عن الحس والخيال والجهة والمكان والتحيز وهو مالا يدخل تحت المساحة والتقدير، لانتفاء الكمية عنه والمتصرون لهذا يجعلون قواه تعالى (قل الروح من امر ربي) جوابا بانها من عالم الامر، والمتكلمون من المسلمين لا يثبتون هذا الوصف الا لله تعالى ويقولون كل ممكن فهو اما متحيز حال في التحيز والفلاسفة يثبتونه وهو اشرف الممكنات عندهم لانه لا يحتاج الا الى موجدته فقط ولكل من المتكلمين والفلاسفة على نفيه واثباته ادلة ليست بالقوية والآية الكريمة ليس فيها دليل لهم كما عرف في التفسير، وظواهر الشريعة تقتضي ان الروح متحيزة فقد روى ابن ماجه باسناد صحيح عن ابي هريرة رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يحضر الملائكة فاذا كان الرجل صالحا قالوا اخرجي ايتها النفس المطمئنة كنت في الجسد الطيب اخرجي حميدة وابشري بروح وريحان ورب راض غير غضبان فلا يزال يقال لها ذلك حتى تخرج ثم يعرج بها الى السماء فتفتح لها فيقال من هذا فيقولون فلان ابن فلان فيقال مرحبا بالنفس المطمئنة كانت في الجسد الطيب ادخلي حميدة وابشري بروح وريحان ورب راض غير غضبان، فلا يزال يقال لها هذا حتى تنتهي يعني الى عليين .

ووردت احاديث كثيرة بمعنى هذا والقرآن يشهد له قال تعالى

(يا ايها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضية مرضية) الآية. وقال تعالى (لا تفتح لهم ابواب السماء) جاء انها الاقنص الخيثة وقد يقال ان الاشارة بذلك الى الروح الحيواني ولعل الروح الحيواني الموجود في الانسان يبق بعد الموت وينقل الى عليين او سجين والله سبحانه وتعالى اعلم .

الباب العاشر في الشفاعة

ووجه ذكرها شرح متن الحديث الاول وهو قوله صلى الله عليه وسلم من زار قبري وجبت له شفاعتي، وختمنا بها الكتاب لتكون هي خاتمة امرنا ان شاء الله تعالى .

والقول الجملي في الشفاعات الاخروية انها خمسة انواع وكلها ثابتة لنبينا صلى الله عليه وسلم وبعضها لا يدنو أحد اليه سواه وفي بعضها يشاركه غيره ويكون هو المتقدم صلى الله عليه وسلم فاختص صلى الله عليه وسلم بعموم الشفاعة وبعض انواعها واما الباقي فيصح نسبه اليه لمشاركته وتقدمه فيه فالشفاعات كلها راجعة الى شفاعته وهو صاحب الشفاعة بالاطلاق فقوله شفاعتي يصح ان تكون اشارة الى النوع المختص به والى العموم والى الجنس لنسبة ذلك كله اليه، فهذه لطيفة يجب التنبه لها، واما التفصيل فقال القاضي عياض وغيره . الشفاعة خمسة اقسام .

اولها محصنة بيننا محمد صلى الله عليه وسلم وهي الاراحة من طول الوقوف وتعجيل الحساب لا يدنو اليها غيره وهي الشفاعة العظمى ولم ينكرها احد .

الثانية ، الشفاعة في ادخال قوم الجنة بغير حساب وهذه ايضا

وردت

ويترتب عليها الاذن في ادخال الزمرة المذكورة وهي اول من يدخل الجنة كما سيأتي، وهذا المعنى لا يشاركه احد فيه سواء كان في الامم المتقدمة من يدخل بغير حساب ويحتاج الى شفاة نبيه اولا وحينئذ تكون العبارة المحررة عن هذه الشفاة انها شفاة في استفتاح الجنة وادخال اول زمرة يدخلها وهي في الرتبة الثانية من الشفاة العظمى التي لفصل القضاء والاراحة من طول الوقوف في ذلك المكان، وعبارة القاضي عياض ومن تابعه تقتضي اثبات شفاة في اسقاط الحساب وهو من الامور الجائزة عقلا فان ورد به سمع اتبع، والقاضي عياض وغيره لما ذكروا ذلك اشاروا الى الحديث المذكور وقدينا ما يقتضيه وسنذكر في بعض احاديث الشفاة سؤال المؤمنين لآدم عليه السلام في استفتاح الجنة وتكلم على كون السؤال مرتين أو مرة .

وعلى كل تقدير فالشفاة في استفتاح الجنة متأخر بالرتبة عن الشفاة في فصل القضاء فيصلح عدة شفاة ثانية وكلاهما خاص بالنبي صلى الله عليه وسلم بغير شك ومن تأمل الاحاديث التي سنذكرها عرف ان اول فصل القضاء يميز الامم والامر بان تتبع كل امة ما كانت تعبد الى ان لا يبقى الا المؤمنون فيدخلون الجنة زمرا وجميع ذلك والله اعلم يعطاه النبي صلى الله عليه وسلم في اول مرة اذا رفع رأسه من السجود وشفع وقيل له ادخل الجنة من لاحتساب عليه من امتك من الباب الايمن وهم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الابواب، وقوله وهم يعود على الامة فاما ان يحمل على من لا يدخل النار او على الجميع ويكون ذلك بشرى للنبي صلى الله عليه وسلم بدخولهم جميعهم الجنة وان تأخر بعضهم، ثم السجدات الباقية لاجرا المذنبين

من النار، ولعل السبعين الفا يدخلون بغير عرض فان ظاهر الحديث يقتضى انه لاحساب عليهم اصلا ومن يحاسب حسابا سيرا خارج عنهم والحساب اليسير هو العرض كما جاء تفسيره في الحديث الصحيح وكلا القسمين لا يعذب ومن نوقش الحساب عذب .

الشفاعة الثالثة ، الشفاعة لقوم استوجبوا النار فيشفع فيهم نبينا صلى الله عليه وسلم ومن يشاء الله هكذا ذكره القاضى عياض و اشار بذلك الى ما سنذكره في حديث ابى سعيد من قوله ثم يضرب الجسر على جهنم وتحل الشفاعة فيقولون اللهم سلم سلم و ظاهر هذا انها شفاعة تحل بعد وضع الصراط بعد الشفاعتين الاوليين وانها في اجازة الصراط ويلزم من ذات النجاة من النار ولم يرد تصريح بذلك ولا بكونها محتصة او غير محتصة لكن سيأتى في الاحاديث ان النبي صلى الله عليه وسلم يكون في ذلك اليوم امام النبيين وصاحب شفاعتهم فكل ما يقع من شفاعتهم ينسب اليه بذلك فلا يخرج شىء عن شفاعته لامن انواع الشفاعة ولامن الاشخاص المشفوع فيهم من ملته ومن غير ملته لانه اذا كان صاحب شفاعة الانبياء والكل تحت لوائه فكل من شفعا فيه فسيبى صلى الله عليه وسلم تقدموا للشفاعة فيه واجابة شفاعتهم اجابة له صلى الله عليه وسلم فكل من يقع شفاعة النبيين فيه داخل تحت شفاعة نبينا صلى الله عليه وسلم ومن شفعا فيه المؤمنون كذلك بطريق الاولى فهو صلى الله عليه وسلم شفيع الشفعاء .

الشفاعة الرابعة فيمن دخل النار من المذنبين ، وقد جاءت الاحاديث الصحيحة باخر اجهم من النار بشفاعة نبينا صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء والملائكة واخواتهم من المؤمنين ، ثم يخرج الله تعالى

كل من قال لا اله الا الله كما جاء في الحديث ولا يبق فيها الا الكافرون، وهذه الشفاعة والشفاعة الاولى العظمى تواترت الاحاديث بهما واختصاص النبي صلى الله عليه وسلم بالعظمى كما سبق، واما هذه فقد جاء فيها شفاعة الملائكة والانبياء والمؤمنين وان الله تعالى بعد ذلك يخرج برحمته من قال لا اله الا الله وفيه اقوال سنذكرها احسنها انه من قال من غير هذه الامة لا اله الا الله ولم يشمله شفاعة انبيائهم وغيرهم من الشافعين اما هذه الامة فكلها يخرج بشفاعة النبي صلى الله عليه وسلم وان وقع في بعضهم شفاعة لآخوانهم من المؤمنين فهي في طي شفاعة النبي صلى الله عليه وسلم لما اشرنا اليه فيما سبق، واذا ثبت ذلك فاختصاصه صلى الله عليه وسلم من هذا النوع باخراج عموم امته حتى لا يبق منهم أحد وهذا هو الموافق لعموم قوله صلى الله عليه وسلم شفاعة لاهل الكباثر من امتي وقوله صلى الله عليه وسلم لكل نبي دعوة مستجابة فتعجل كل نبي دعوته واني اختبأت دعوتي شفاعة لامتي يوم القيامة فهي نائلة ان شاء الله تعالى من مات من امتي لا يشرك بالله شيئا رواه مسلم من طرق وروى البخارى طرفا منه .

وقوله صلى الله عليه وسلم اتاني آت من عند ربي عزوجل يخبرني بين ان يدخل الجنة نصف امتي او بين الشفاعة فاخترت الشفاعة وهي لمن مات لا يشرك بالله شيئا رواه الترمذى، وقوله صلى الله عليه وسلم خيرت بين الشفاعة وبين ان يدخل نصف امتي الجنة فاخترت الشفاعة لانها اعم واكثر ترونها للمؤمنين المتقين لا ولاكنها للذين الخطائين المتلوثين رواه ابن ماجه .

فهذه العمومات كلها متظافرة على عموم شفاعة لكل الامة وكذلك

بعده مثله ولم يذكر له ذنبا نفسى نفسى اذهبوا الى غيرى اذهبوا الى محمد فيأتونى فيقولون يا محمد انت رسول الله خاتم الانبياء وغفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر اشفع لنا الى ربك الأترى ما نحن فيه الأترى الى ما قد بلغنا فانطلق فأتى تحت العرش فأقع ساجدا لربى ثم يفتح الله على ويلهمنى من محامده وحسن الثناء عليه شيئا لم يفتحه لاحد قبلى ثم يقال يا محمد ارفع رأسك سل تعطه اشفع تشفع فارفع رأسى فاقول يارب امى امى فيقال يا محمد ادخل من امك من لاجساب عليه من الباب الايمن من ابواب الجنة وهم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الابواب والذى نفس محمد بيده انت ما بين المصرا عين من مصاريع الجنة لكهاين مكة وهجرأ وكاين مكة وبصرى .

هذا لفظ مسلم و ذكره البخارى فى مواضع مقطعا و ذكره بطوله فى سورة نبى اسرائيل و ذكر فيه من قول آدم و من دونه من الانبياء عليهم الصلاة والسلام نفسى نفسى نفسى ذكرها ثلاثا و قال امى يارب امى يارب امى يارب .

و روى البخارى و مسلم ايضا عن انس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا كان يوم القيامة ماج الناس بعضهم الى بعض فيأتون آدم فيقولون له اشفع لذريرتك فيقول لست لها ولكن عليكم بابراهيم فانه خليل الله فيأتون ابراهيم فيقول لست لها ولكن عليكم بموسى فانه كلم الله تعالى فيوتى موسى فيقول لست لها ولكن عليكم بعيسى فانه روح الله و كلمته فيأتون عيسى فيقول لست لها ولكن عليكم بمحمد قال صلى الله عليه وسلم فيأتونى فاقول انا لها فانطلق فاستاذن على ربى فيؤذن لى فاقوم بين يديه فاحمده بمحامد لا اقدر عليها الآن يلهمنيها الله ثم اخره ساجدا فيقال

فيقال لي يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع لك وسل تعطه واشفع تشفع
 فاقول امي امي فيقال لي انطلق فمن كان في قلبه مثقال حبة من براوشعيرة
 من ايمان فاخرجه منها فانطلق فافعل ثم ارجع الى ربي فاحمده بتلك
 المحامد ثم اخرله ساجدا فيقال لي يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع
 لك وسل تعطه واشفع تشفع فاقول يارب امي امي فيقال لي انطلق
 فمن كان في قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان فاخرجه منها فانطلق فافعل
 ثم اعود الى ربي فاحمده بتلك المحامد ثم اخرله ساجدا فيقال لي يا محمد
 ارفع رأسك وقل يسمع لك وسل تعطه واشفع تشفع فاقول يارب
 امي امي فيقال لي انطلق فمن كان في قلبه ادنى ادنى من مثقال حبة
 من خردل من ايمان فاخرجه من النار فانطلق فافعل ثم ارجع الى ربي
 في الرابعة فاحمده بتلك المحامد ثم اخرله ساجدا فيقال لي يا محمد ارفع
 رأسك وقل يسمع لك وسل تعطه واشفع تشفع فاقول يارب ائذن
 لي فيمن قال لا اله الا الله قال ليس ذلك لك، او قال: ليس ذلك اليك
 ولكن وعزتي وكبريائي وعظمتي وجبريائي لا اخرجن من قال لا اله
 الا الله، هذا لفظ مسلم.

وقال البخاري في الاول مثقال شعيرة من ايمان وفي الثانية مثقال
 ذرة وخردلة من ايمان وفي الثالثة ادنى ادنى ادنى مثقال حبة من خردلة
 من ايمان فاخرجه من النار مع النار من النار فانطلق فافعل ولم يقل
 فيه ليس ذلك اليك، قال وعزتي وجلالي وكبريائي وعظمتي لا اخرجن
 منها من قال لا اله الا الله، وخرج البخاري ومسلم حديث انس
 من طريق آخر وفيه ذكر نوح بعد آدم كما في حديث ابي هريرة
 وفيه من قول عيسى إئتوا محمدا صلى الله عليه وسلم عبد قد غفر له ما تقدم

فأتون آدم فيقولون يا ابانا استفتح لنا الجنة فيقول لست بصاحب ذلك اذهبوا الى ابني ابراهيم خليل الله قال فيقول ابراهيم لست بصاحب ذلك اعمدوا الى موسى الذي كلفه تكليمها فيأتون موسى فيقول لست بصاحب ذلك اذهبوا الى عيسى كلفه الله وروحه فيقول عيسى لست بصاحب ذلك فيأتون محمدا صلى الله عليه وسلم فيقوم فيؤذن له ويرسل الامانة والرحم فيقومان جنبتي الصراط يمينا وشمالا فيمر اولكم كالبرق الخاطف ثم كمر الريح ثم كمر الطير وشد الرجال تجري بهم اعمالهم ونيكم قائم على الصراط يقول يارب سلم سلم حتى تعجز اعمال العباد حتى يهوى الرجل فلا يستطيع السير الا زحفا قال وفي حافتي الصراط كلاب معلقة مأمورة باخذ من امرت به فمخدوش ناج ومكروس في النار رواه مسلم .

وانفرد بقوله يقوم المؤمنون حين تزلف لهم الجنة وبذكر الامانة والرحم وقيامها جنبتي الصراط وبذكر قيام النبي صلى الله عليه وسلم على الصراط وبقية رواه البخاري من طرق اخرى وعن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه في حديث الرؤية قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يوم القيامة اذن مؤذن ليتبع كل امة ما كانت تعبد فلا يبقى احد كان يعبد غير الله من الاصنام والانصاب الا يتساقطون في النار حتى اذا لم يبق الا من كان يعبد الله من بروفاجر وغير اهل الكتاب فيدعى اليهود فيقال لهم ما كنتم تعبدون قالوا كنا نعبد عزير بن الله فيقال لهم كذبت ما اتخذ الله من صاحبة ولا ولد فاذا تبغون قالوا عطشنا ياربنا فاسقنا فيشار اليهم الا تردون فيحشرون الى النار فيتساقطون في النار ثم يدعى النصارى فيقال لهم ما كنتم تعبدون قالوا المسيح بن الله فيقال لهم كذبت

(٢٨)

كذبت ما اتخذ الله من صاحبه و لا ولد فيقال لهم ما تبغون فيقولون عطشنا
ياربنا فاسقنا قال فيشار اليهم الاتردون فيحشرون الى جهنم فيتساقطون
فيها حتى اذا لم يبق الا من كان يعبد الله من بروفا جراتهم رب العالمين .
وفيه فيكشف عن ساق فلا يبقى من كان يسجد لله من تلقاء نفسه
الا اذن الله له بالسجود و لا يبقى من كان يسجد اتقاء و رياء الا جعل الله
ظهره طبقة واحدة كلما اراد ان يسجد خر على قفاه ثم يضرب الجسر
على جهنم و تحمل الشفاعة و يقولون اللهم سلم سلم ، قيل و ما الجسر
يارسول الله قال دحض مزلة فيه خطاطيف و كلاب و حسكة فيمر
المؤمنون كطرف العين و كالبرق و كالريح و كالطير و كأجاويد الخيل
و الركاب فجاج مسلم و مخدوش مرسل و مكدوس في النار حتى اذا خلص
المؤمنون من النار فوالذي نفسى بيده ما من أحد منكم باشد مناشدة لله
في استيفاء الحق من المؤمنين بعد يوم القيامة لاخوانهم الذين في النار
فيقولون ربنا كانوا يصومون معنا و يصلون و يحجون فيقال لهم اخرجوا
من عرقم فيحرم صورهم على النار فيخرجون خلقا كثيرا قد اخذت
النار الى نصف ساقه و الى ركبته فيقولون ربنا ما بقي فيها أحد ممن
أمرتنا به فيقول ارجعوا فن وجدتم في قلبه مثقال دينار من خير
فاخرجوه فيخرجون خلقا كثيرا ثم يقول ارجعوا فن وجدتم في قلبه
مثقال نصف دينار من خير فاخرجوه فيخرجون خلقا كثيرا ثم يقول
ارجعوا فن وجدتم في قلبه مثقال ذرة من خير فاخرجوه فيخرجون
خلقا كثيرا ثم يقولون ربنا لم نذر فيها خيرا فيقول الله عزوجل شفعت
الملائكة و شفعت النيون و شفعت المؤمنون و لم يبق الا ارحم الراحمين
فيقبض قبضة من النار فيخرج قوما لم يعملوا خيرا قط قد عادوا حيا فليقيمهم

في نهر الحياة فيخرجون كاللؤلؤ في رقابهم الخواتيم يعرفهم أهل الجنة
 يقولون هؤلاء عتقاء الله الذين أدخلهم الجنة بغير عمل عملوه ولا خير
 قدموه ثم يقول ادخلوا الجنة فارتيموه فقولكم فيقولون ربنا اعطينا
 ما لم تعط أحدا من العالمين فيقول لكم عندي أفضل من هذا فيقولون
 يا ربنا رأينا شئ أفضل من هذا فيقول رضائي فلا أسخط عليكم أبدا،
 قال أبو سعيد الخدري بلغني أن الجسر أدق من الشعر واحد من السيف،
 لفظ مسلم ولبخاري قريبا منه .

وقال دينار من إيمان ونصف دينار من الإيمان و ذرة من إيمان
 وفي البخاري من حديث أبي هريرة في الرواية عن النبي صلى الله عليه
 وسلم يجمع الله الناس فيقال من كان يعبد شيئا فليتبمه وفي آخره
 فيضرب الصراط بين ظهري جهنم . قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
 فاكون و أمي اول من يجيز ولا يتكلم يومئذ الا الرسل و دعوى الرسل
 يومئذ اللهم سلم سلم . قوله يجيز يقال جاز واجاز لغتان ، وقوله ذرة بفتح
 الذال المعجمة و تشبيد لراه و من قال خلاف ذلك فقد صحف وقال
 بعضهم في هذه الاحاديث ان المعاني التي في الدنيا تظهر يوم القيامة
 للحس والعيان فلذلك تشهد الانبياء و المؤمنون ما في القلوب على هذه
 الاوزان المخصوصة و جعل قول أبي سعيد في الصراط انه أدق من
 الشعر واحد من السيف راجعا الى صعوبة الاستقامة على الصراط في
 الدنيا و ان الكلايب و الحسك التي حوله هي الاغراض و الاهواء التي
 في الدنيا و قوله تحمل الشفاعة قيل هو من الحل تقيض الحرمة اي يؤذن
 فيها و قيل من الحلول اي تحصل و تقع .

وفي البخاري حرم الله على النار ان تأكل اثر السجود و اختلف

في

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قلت يا رسول الله من أسعد الناس بشفاعتك يوم القيامة قال لقد ظننت يا أبا هريرة إن لا يسألني عن هذا الحديث أحد أولى منك لما رأيت من حرصك على الحديث إن أسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال لا إله إلا الله خالصاً من قبل نفسه، رواه البخاري .

وعن أبي سعيد الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يخلص المؤمنون من النار فيحسبون على قطرة بين الجنة والنار فيقتص لبعضهم من بعض مظالم كانت بينهم في الدنيا حتى إذا هذبوا ونقوا أذن لهم في دخول الجنة انفرديه البخاري .

وعن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج من النار من قال لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن شعيرة ثم يخرج من النار من قال لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن برة ثم يخرج من النار من قال لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن ذرة متفق عليه زاد البخاري بعد ذكر هذا الحديث قال إبان ثنا قتادة ثنا أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم من إيمان مكان خير وترجم عليه باب زيادة الإيمان وقصانه .

وعن أنس رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إذا كان يوم القيمة شفعت ققلت يارب أدخل الجنة من في قلبه خردلة فيدخلون ثم أقول أدخل الجنة من كان في قلبه ادنى شيء رواه البخاري .

وعن جابر رضي الله عنه قال هل سمعت بمقام محمد صلى الله عليه وسلم فإنه مقام محمد صلى الله عليه وسلم الحمد الذي يخرج الله به

من

من يخرج .

وعن عمران بن حصين رضى الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يخرج قوم من النار بشفاعته محمد فيدخلون الجنة رواه البخارى فى باب صفة الجنة والنار، وعن اس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا اول الناس يشفع فى الجنة وانا اكثر الانبياء تبعا رواه مسلم .
وعن جابر بن عبدالله رضى الله عنهما قال نحن يوم القيمة على تل مشرفين على الخلق، ذكره عبد الحق وهو فى مسلم لكنه وقع فيه اشكال لعله على بعض الرواة فاسقط اللفظ المذكور حتى صار لا يفهم معناه وقال على كذا .

وعن ابن عمر قال فريقي هو يعنى محمدا صلى الله عليه وسلم وأمه على كوم فوق الناس وقد ورد مينا من طرق منها عن كعب بن مالك رواه احمد فى مسنده انا الامام الحافظ ابو محمد مسعود بن احمد بن مسعود الحارثى رحمه الله قراءة عليه وانا اسمع قال اخبرنا ابو الفرح عبد اللطيف بن عبد المنعم الحرانى قراءة عليه وانا اسمع قال انا ابو محمد عبد الله بن احمد بن ابي المجد الحربى انا هبة الله بن عبد الواحد بن الحصين انا ابو على الحسن بن على بن محمد المذهب انا ابو بكر احمد بن جعفر بن حمدان بن مالك القطيعى ثنا عبد الله بن احمد بن حنبل قال حدثنى ابي ثنا يزيد بن عبد الرب قال حدثنى محمد بن حرب ثنا الزبيدى عن الزهرى عن عبد الرحمن بن عبد الله بن كعب بن مالك عن كعب بن مالك رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يبعث الناس يوم القيامة فاكون انا وامى على تل ويكسونى ربي حلة خضراء ثم يؤذن لى فأقول ما شاء الله ان اقول فذلك المقام المحمود، وفى مسلم

بقية الحديث عن جابر يعطى كل انسان منهم مناقق او مؤمن نورا و على
جسر جهنم كلاليب و حسك تأخذ من شاء الله ثم يطفى نور المناققين
ثم ينجو المؤمنون فينجو اول زمرة وجوههم كالقمر ليلة البدر سبعون
ألها لا يحاسبون .

و فى البخارى عن ابن عمر رضى الله عنهما اذا كان يوم القيامة
كان الناس جثا تتبع كل امة نبيها يا فلان اشفع يا فلان اشفع حتى
ينتهى الى النبي صلى الله عليه وسلم و الاحاديث فى الشفاعة كثيرة
و مجموعها يبلغ مبلغ التواتر ، و اعنى بالتواتر هنا ما اشتركت فيه الروايات
من الشفاعة لا لفظا و احدا منها بخصوصه ، و هذا النوع من التواتر
فى السنة كثير ، و اما التواتر فى لفظ حديث مخصوص فعزير و قد تضمنت
هذه الاحاديث من المناقب الشريفة و المآثر الجليلة و الفوائد الجمية
ملايسه هذا المكان و لكننا نشير الى شىء منه على سبيل الاختصار
اما قوله فى اوله يجمع الله الناس .

و فى رواية اخرى يجمع المؤمنون ، ففيه اشارة الى ان الذى
يتوجه الى الانبياء و يخاطبهم بسؤال الشفاعة هم المؤمنون و ان كان الغم
و الكرب قد عم جميع الناس من الكفار و المؤمنين الاولين و الآخرين ،
و اختصاص المؤمنين بسؤال الانبياء مناسب لامرين ، احدهما ، ما لهم
من الصلة بهم بالايمان ، و الثانى انه يحصل لهم باراحتهم من ذلك المكان
خير و الكفار ينتقلون الى ما هو اشد عليهم فهذه للشفاعة العظمى
و ان ترتب عليها فصل القضاء لمعوم الناس فليس الكفار مقصودين
بها ، قال تعالى (فا تنفهم شفاعة الشافعين) و قال تعالى حكاية عنهم ،
(فا لنا من شافعين) و قد قيل ان جميع الناس يسألون مؤمنهم و كافرهم .
نصل

فصل

و في التجاء الناس الى الانبياء في ذلك اليوم أدل دليل على التوسل بهم في الدنيا والآخرة وان كل مذنب يتوسل الى الله عزوجل بمن هو اقرب اليه منه وهذا لم ينكره احد ، وقد قدمنا طرفا من ذلك في باب الاستغاثة ولا فرق بين ان يسمى ذلك تشفعا او توسلا او استغاثة وليس ذلك من باب تقرب المشركين الى الله تعالى بعبادة غيره فان ذلك كفر والمسلمون اذا توسلوا بالنبي صلى الله عليه وسلم او بغيره من الانبياء والصالحين لم يعبدوهم ولا أخرجهم ذلك عن توحيدهم لله تعالى وانه هو المتفرد بالنفع والضرر واذا جاز ذلك جاز قول القائل اسأل الله تعالى برسوله لانه سائل لله تعالى لا لغيره .

فصل

واما الهامهم سؤال آدم ومن بعده صلوات الله تعالى وسلامه عليهم ولم يلهموا في الابتداء سؤال نبينا محمد صلى الله عليه وسلم فالحكمة فيه والله تعالى اعلم انهم لو سألوه ابتداء لامكن ان يقول قائل يحتمل ان غيره يقدر على هذا فاما اذا بذلوا الجهد في السؤال والاسترشاد وسألوا غيره من رسل الله تعالى واصفيائه واولى العزم فاستمعوا ولم يألوم جهدا في النصيح والارشاد فانتهاوا اليه واجاب وحصل عرضهم حصل العلم لكل احد بنهاية مرتبته صلى الله عليه وسلم وارتفاع منزلته وكمال قربيه وعظم اجلاله وانسه وتفضيله على جميع المخلوقين من الرسل الآدميين والملائكة ، وحق لصاحب هذا المقام ان يكون سيد الامم ، وان يسافر الى زيارته على الرأس لاعلى القدم .

والرابعة حيثذ و يشفع الانبياء ايضا و الملائكة و المؤمنون في اخوانهم
و يحتمل ان يكون اقتصار النبي صلى الله عليه وسلم على ذكر امته من
كامل الادب مع ربه سبحانه و تعالى فانهم الاخصون به و هو صلى الله
عليه وسلم يعلم انه يحصل في ضمن ذلك ما قصد اليه و لجأ الناس بسببه
من فضل القضاء العام على انه قد ورد في حديث آخر ذكره القاضي
عياض في الشفاء اما ترضون ان يكون ابراهيم و عيسى فيكم يوم القيامة .
ثم قال انها في امتي يوم القيامة اما ابراهيم فيقول انت دعوتني
و ذريتني فاجعلني من امتك ، و اما عيسى فالانبياء اخوة بنوعلات أمهاتهم
شقي و ان عيسى اخي ليس بيني و بينه نبى و انا اولى الناس به و يحتمل
ان يكون السؤال للانبياء مرتين مرة من جميع الناس في فضل القضاء
ثم مرة من المؤمنين بعد تميزهم في استفتاح الجنة ، و سقط من الحديث
ذكر الشفاعة الاولى و قد ورد هذا مصرحاً به .

روى على بن معبد في كتاب الطاعة و المعصية عن المسيب بن شريك
عن اسماعيل بن رافع المدني عن عبد الله بن يزيد عن محمد بن كعب
القرظي عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم حديثاً طويلاً فيه
فترققون في موقف حفاة عراة غرلامقدار اربعين عاماً لا ينظر الله اليكم
ولا يقضى ينكم قبكي الخلائق حتى تقطع الدموع ثم يدمع دماويرققون
حتى يبلغ منهم الأذان او يلجمهم فيضجون و يقولون من يشفع لنا
الى ربنا فيقضى يتنا فيؤتى آدم فيطلب ذلك اليه فأبى ثم يستقرون
الانبياء نيانيا كلها جاؤا نيا أبي قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
حتى يأتوني فاذا جاؤني انطلقت فاخر قدام العرش لربي ساجدا حتى
يمت الله الى ملكا فيأخذ بضدي فيرفني فيقول لي حين يرفني الملك
ما شئت

ما شأنك يا محمد وهو اعلم فاقول يا رب وعدتني الشفاعة فشفعني في خلقك فاقض بينهم فيقول الله تعالى قد شفعتك انا آتيكم فاقض بينكم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فارجع فاقف مع الناس فينا نحن وقوف اذ سمعنا حاشديدا من السماء فها لنا فزل اهل سماء الدنيا بمثل من فيها من الانس والجن ثم ينزلون على قدر ذلك من التضعيف ثم يضع عرشه حيث شاء من الارض ثم يقول وعزتي وجلالي لا يجاورني اليوم احد بظلم وفيه ثم يقضى الله عز وجل بين خلقه كلهم الا الثقلين الجن والانس ثم يقضى بين الثقلين فيكون اول ما يقضى فيه الدماء .

وفيه بعد ذلك حتى اذا لم يبق لاحد عند احد تبعه نادى مناد ليلحق كل قوم بآلهم ويجعل ملك على صورة عيسى فيتبعه النصارى ، وفيه حتى اذا لم يبق الا المؤمنون وفهم المنافقون وفيه بعد ذلك ثم يضرب الصراط فيمرون وفيه بعد ذلك فاذا افضى اهل الجنة الى الجنة قالوا من يشفع لنا الى ربنا ليدخلنا الجنة فيؤتى آدم فيقول عليكم بنوح وذكر مثل ما في الاحاديث المشهورة نوح ثم ابراهيم ثم موسى ثم عيسى الى ان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيأتوني ولى عند الله ثلاث شفاعات فانطلق حتى أتى باب الجنة فاخذ بحلقة الباب واستفتح فيفتح لى قاحي ويرحب بي فاذا دخلت خررت ساجدا الى ان قال في الثالثة فاقول يا رب وعدتني الشفاعة فشفعني في اهل الجنة فيقول قد شفعتك قد اذنت لهم في دخول الجنة ثم اشفع فاقول يا رب من وقع في النار من امتي وذكر بقية الحديث

فصل

واما قوله صلى الله عليه وسلم في المرة الرابعة ائذن لي فيمن قال

لا اله الا الله فيه اقوال، احدها انهم الذين معهم مجرد الايمان قاله القاضي عياض قال وهم الذين لم يؤذن في الشفاعة فيهم وانما دلت الاثار على انه اذن لمن عنده شئ زائد من العمل على مجرد الايمان وجعل للشافعين من الملائكة والنبين صلوات الله عليهم وسلامه عليهم دليلا عليه وتفرد الله عزوجل بلم ماتكته القلوب والرحمة لمن ليس عنده الا مجرد الايمان وضرب بمثال ذرة المثل لاقل الخير فانها اقل المقادير قال والصحيح ان معنى الخير شئ زائد على مجرد الايمان لان مجرد الايمان الذي هو التصديق لا يتجزى وانما يكون هذا التجزى بشئ زائد عليه من عمل صالح او ذكر خفي او عمل من اعمال القلب من شفقة على مسكين او خوف من الله تعالى ونية صادقة، ويدل عليه قوله في الرواية الاخرى يخرج من النار من قال لا اله الا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن كذا .

وهذا الذي قاله القاضي يشكل عليه أمور ، احدها رواية البخاري المقدمة وقوله ايمان مكان خير والروايات يفسر بعضها بعضها والخير اعم من الايمان فيصدق على من ليس عنده الا مجرد الايمان ان عنده خير فلو لم يرد الا هذه الرواية كانت دالة على اخراج جميع المؤمنين فكيف وقد ورد وصح التصريح بالايمان وحمل الايمان على الزائد عليه مجازا من غير دليل لا يسوغ الثاني ما يلزمه من تخصيص شفاعته النبي صلى الله عليه وسلم ببعض المؤمنين والاحاديث التي وردت في ذلك عامة وكثرتها تبعد تخصيصها ولا ضرر ورة الى تخصيصه لماسنيته ، الثالث ان الذي تكفه القلوب من اعمال القلوب والايمان سواء في الحفاء فاذا جعل الله لبعض خلقه اشارة على اعمال القلوب الحفية الزائدة على الايمان فلا بد ان يجعل له دليلا على الايمان وانما الجأ القاضي الى هذا ان من يخرج

يخرجه الله بغير شفاعه لا بد ان يكون الايمان في قلبه وهذا صحيح
لانه لا يتعين ان يكون من هذه الامة، واما ما تمسك به من ان الايمان
لا يتجزى فجمهور السلف على انه يزيد وينقص و حقيقته غير متجزية
وليس هذا محل تحقيق ذلك

نعم لا بد في الرد على القاضى من تحقيق ان الايمان القائم بالقلب
يقبل القوة والضعف والا فيصح ما قاله، القول الثانى ان المراد من
قال لا اله الا الله من غير هذه الامة قاله ابو طالب عقيل بن عطية وهو
الصحيح عندي والعلم عند الله تعالى تمسكا بدلالة الالفاظ فانه لم يقل
من امتى وقد سبق انه قال ما بقى في النار الا من حبسه القرآن والظاهر
ان المراد من امة اى لم يبق منهم احد فيكون النبي صلى الله عليه وسلم
طلب بعد ذلك ان يؤذن له في غير امة ممن قال لا اله الا الله فقيل ليس
ذلك اليك والمداعى له الى طلب ذلك كمال شفقتة على الخلق مع اطلاق
قوله تعالى اشفع تشفع مع كونه اقيم مقام البسط والادلال ومع ذلك
لم يقل النبي صلى الله عليه وسلم الا ائذن لي اى ائذن لي في ان اشفع لانه
لا يشفع عنده الا باذنه، فتنبه لهذه الدقيقة فان فيها محافظة على اطلاق قوله
تعالى اشفع تشفع وان شفاعته صلى الله عليه وسلم لا ترد

ثم اعلم ان قوله لا اله الا الله من جملة العمل وقد سبق في الاحاديث
انه تعالى يخرج برحمته قوما لم يعملوا خيرا قط فاما ان يكون المراد لم
يعملوا خيرا زائدا على الايمان او يكون المراد قول لا اله الا الله بالقلب
وان لم ينطق بها بلسانه فان كان ذلك كافيا في الملل المتقدمة في الايمان
صح الحمل عليه وان كان النطق شرطا كما هو عندنا فيحمل على من تعذر
منه النطق .

وتحميده ربه و ثناؤه عليه بما ذكر و بما ألهمه بحامده، ثم الشفاعة من اراحة العرض و كرب المحشر و هذا مقامه الذي حمده فيه الاولون و الآخرون ثم شفاعته لمن لا حساب عليه من امته ثم لمن يخرج من النار حتى لا يبقى فيها من في قلبه مثقال ذرة من ايمان ثم بتفضل الله تعالى باخراج من قال لا اله الا الله و من لم يشرك بالله شيئاً ولا يبقى في النار الا المخلدون و هذا آخر عرصات القيمة و مثاقل المحشر فهو في جميعها له المقام المحمود بيده فيها لواء الحمد صلى الله عليه و سلم .

فصل

قوله صلى الله عليه و سلم أعطيت خمسا لم يعطهن احد من الانبياء قبلى، و ذكر من جعلتها أعطيت الشفاعة مع قوله صلى الله عليه و سلم لكل نبي دعوة مستجابة و انى اختبأت دعوتى شفاعة لامتى يوم القيامة يستفاد منه ان الشفاعة التى اعطيها و خص بها عن الانبياء غير الشفاعة التى ادخرها لامته لانها دعوة شاركوه فى جنسها، و الاولى، هى العظمى و هى اما الشفاعة فى فصل القضاء او العموم بالتقرير الذى سبق و انه صاحب الشفاعة و كل الشفعاء داخلون فى شفاعته، و الثانية، هى الشفاعة فى اخراج المذنبين من النار كما يشير اليه قوله آترونها للؤمنين المتقين لا ولكنها للمذنبين المتلوثين الخطائين .

خاتمة

نختم الكتاب بالصلوة على النبي صلى الله عليه و سلم بالالفاظ التى وردت مأثورة فى الاحاديث كل لفظ على حديثه و لا نذكر منها الا ما روى و كل لفظ من الفاظ الصلوة و جدته فانقل انه مروى عن النبي صلى الله عليه و سلم و قد جمع ذلك كله ابو عبدالله محمد بن عبد الرحمن بن علي بن

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت على ابراهيم وبارك
على محمد وآل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم وبارك
على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل ابراهيم في العالمين انك حميد مجيد .
اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم وبارك
على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل ابراهيم في العالمين انك
حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم
انك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل
ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم
وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل ابراهيم في العالمين
انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد النبي الامى وعلى آل محمد كما صليت على
ابراهيم وآل ابراهيم وبارك على محمد النبي الامى وعلى آل محمد كما
باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد النبي الامى وعلى آل محمد كما صليت على
ابراهيم وبارك على محمد النبي الامى كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .
اللهم صل على محمد النبي الامى وعلى آل محمد كما صليت على
ابراهيم وعلى آل ابراهيم وبارك على محمد النبي الامى وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد، وفي رواية وآل
ابراهيم في الموضعين .

اللهم

اللهم صل على محمد كما صليت على آل ابراهيم .
 اللهم بارك على محمد كما باركت على آل ابراهيم .
 اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد وبارك
 على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .
 اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل
 ابراهيم انك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على
 ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .
 اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك
 حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم
 وآل ابراهيم انك حميد مجيد
 اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد وبارك
 على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .
 اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد وبارك
 على محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .
 اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد
 وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .
 اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد
 وبارك على آل ابراهيم وبارك على محمد انك حميد مجيد .
 اللهم صل على محمد النبي وازواجه أمهات المؤمنين وذريته واهل
 بيته كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .
 اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك على محمد وعلى آل
 محمد كما صليت وباركت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك على محمد وعلى آل محمد كما جعلتها على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما صليت وباركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

وارحم محمدا وآل محمد كما رحمت آل ابراهيم انك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل يته كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد اللهم صل علينا معهم .

اللهم بارك على محمد وعلى اهل بيته كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك علينا معهم صلاة الله و صلوات المؤمنين على محمد النبي الامي ، السلام عليكم ورحمة الله وبركاته .

ذكر ذلك في آخر الشهد من جهة الدارقطنى بسند فيه ضعف تفرد به اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم وتحنن على محمد وعلى آل محمد كما تحننت على ابراهيم وعلى آل

آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم اجعل صلواتك وبركاتك على محمد النبي وازواجه امهات
المؤمنين وذريته واهل بيته كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .
اللهم اجعل صلواتك ورحمتك على محمد وازواجه وذريته وامهات

المؤمنين كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى ازواجه امهات المؤمنين وذريته واهل

بيته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك على محمد وعلى آل

محمد كما صليت وباركت على ابراهيم وآل ابراهيم في العالمين

انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم انك

حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم

وآل ابراهيم، وفي رواية كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

هذا كله مروى عن النبي صلى الله عليه وسلم بأسانيد، منها صحيح

ومنها غير ذلك .

بعض ما حفظ عن الصحابة رضى الله عنهم ومن بعدهم

عن علي رضى الله عنه اللهم داحى المدحوات وبارى المسموعات

وبانى المبنيات ومرسى المرسيات وجبار القلوب على فطرتها شقيها وسعيدها

وباسط الرحمة للمتقين اجعل شرائف صلواتك ونوامى زكواتك ورافة

تحتك على محمد عبدك ورسولك الخاتم لما سبق والفتاح لما اغلق والمعلن

للحق بالحق والدامغ جيئات الابطال كما حمل فاضطلع بامرک لطاعتك

مستوقزا في مرضاتك بغير نكل في قدم ولا وهى في عزم واعيا لوجهك

فہرست الابواب والفصول
لکتاب شفاء السقام

۸۰	الباب الخامس	۱	خطبة الكتاب
۱۰۰	الباب السادس	۲	الباب الاول
۱۱۷	الباب السابع	۳	الحديث الاول
۱۲۸	الفصل الاول	۱۴	الحديث الثاني
۱۳۸	الفصل الثاني	۱۶	الحديث الثالث
۱۶۰	الباب الثامن	۲۰	الحديث الرابع
۱۷۹	الباب التاسع	۲۷	الحديث الخامس
۱۹۲	الفصل الاول	۲۹	و حديث آخر
۱۹۶	الفصل الثاني في الشهداء	۳۱	الحديث السادس
۲۰۵	الفصل الثالث	۳۲	الحديث السابع
۲۰۹	الفصل الرابع	۳۴	الحديث الثامن
۲۱۴	الفصل الخامس	۳۵	الحديث التاسع
۲۲۳	الباب العاشر	۳۶	الحديث العاشر
۲۳۴	فصل	۳۷	الحديث الحادي عشر
۲۳۷	فصل	۳۸	الحديث الثاني عشر
۲۴۰	فصل	۳۹	الحديث الثالث عشر
۲۴۱	فصل	۴۰	الحديث الرابع عشر
	فصل	۴۱	الحديث الخامس عشر
	فصل	۴۲	الحديث السادس عشر
	فصل	۴۳	الحديث السابع عشر
	فصل	۴۴	الحديث الثامن عشر
	فصل	۴۵	الحديث التاسع عشر
	فصل	۴۶	الحديث العشرون
	فصل	۴۷	الحديث الحادي عشر
	فصل	۴۸	الحديث الثاني عشر
	فصل	۴۹	الحديث الثالث عشر
	فصل	۵۰	الحديث الرابع عشر
	فصل	۵۱	الحديث الخامس عشر
	فصل	۵۲	الحديث السادس عشر
	فصل	۵۳	الحديث السابع عشر
	فصل	۵۴	الحديث الثامن عشر
	فصل	۵۵	الحديث التاسع عشر
	فصل	۵۶	الحديث العشرون
	فصل	۵۷	الحديث الحادي عشر
	فصل	۵۸	الحديث الثاني عشر
	فصل	۵۹	الحديث الثالث عشر
	فصل	۶۰	الحديث الرابع عشر
	فصل	۶۱	الحديث الخامس عشر
	فصل	۶۲	الحديث السادس عشر
	فصل	۶۳	الحديث السابع عشر
	فصل	۶۴	الحديث الثامن عشر
	فصل	۶۵	الحديث التاسع عشر
	فصل	۶۶	الحديث العشرون
	فصل	۶۷	الحديث الحادي عشر
	فصل	۶۸	الحديث الثاني عشر
	فصل	۶۹	الحديث الثالث عشر
	فصل	۷۰	الحديث الرابع عشر
	فصل	۷۱	الحديث الخامس عشر
	فصل	۷۲	الحديث السادس عشر
	فصل	۷۳	الحديث السابع عشر
	فصل	۷۴	الحديث الثامن عشر
	فصل	۷۵	الحديث التاسع عشر
	فصل	۷۶	الحديث العشرون
	فصل	۷۷	الحديث الحادي عشر
	فصل	۷۸	الحديث الثاني عشر
	فصل	۷۹	الحديث الثالث عشر
	فصل	۸۰	الحديث الرابع عشر
	فصل	۸۱	الحديث الخامس عشر
	فصل	۸۲	الحديث السادس عشر
	فصل	۸۳	الحديث السابع عشر
	فصل	۸۴	الحديث الثامن عشر
	فصل	۸۵	الحديث التاسع عشر
	فصل	۸۶	الحديث العشرون
	فصل	۸۷	الحديث الحادي عشر
	فصل	۸۸	الحديث الثاني عشر
	فصل	۸۹	الحديث الثالث عشر
	فصل	۹۰	الحديث الرابع عشر
	فصل	۹۱	الحديث الخامس عشر
	فصل	۹۲	الحديث السادس عشر
	فصل	۹۳	الحديث السابع عشر
	فصل	۹۴	الحديث الثامن عشر
	فصل	۹۵	الحديث التاسع عشر
	فصل	۹۶	الحديث العشرون
	فصل	۹۷	الحديث الحادي عشر
	فصل	۹۸	الحديث الثاني عشر
	فصل	۹۹	الحديث الثالث عشر
	فصل	۱۰۰	الحديث الرابع عشر

وَأَذِيقُوا جَلَّتْ سَنَدَانَا

جمع كتب

الدينية الدرسية وغير
الدرسية بالعربية والفارسية والاردية
بتمني رخصي

البراقیت والجوہر

زیر طبع

تصنیف لطیف:

سیدنا عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ نورانی

مترجم: صاحبزادہ پیر سید محمد محفوظ الحق شاہ چشتی صابری قادری

الصلوات والسلام علی سائر الرسل

زیر طبع

امام ابن تیمیہ

ترجم

علامہ پروفیسر محمد اعجاز جموعہ

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

گنج بخش روڈ ۵ لاہور

کی فارسی شرح

فتوح الغیب

تصوف و معرفت
پر حضور سیدنا
غوث الاعظم رضی اللہ
کی شاہکار
تصنیف

از: ^{شہ} سید محمدین امام ^{شہ} المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدث بلوی ^{شہ} جلالی

کا "مرظہ" لاہور محمد نشاانس قسوی، اردو ترجمہ

طریقہ روحانیت پر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ۸۷ مواعظ عالیہ کا

بے مثال مجموعہ

جس میں

- فنا و قدر، فنا و بقاء اور زہد و تقویٰ پر محققانہ گفتگو۔
- سلوک و تصوف، طریقت و حانیت کو قرآن و سنت کے دلائل کے ساتھ بیان۔
- صبر اور رضا کی حقیقت، مومن کی آزمائش، قناعت، خشوع و خضوع کے احوال کا بیان۔
- مجاہدہ اور ریاضت، صفائے قلب باطن کے طریقے۔
- فقیری کی حقیقت، نظر کی حفاظت، حد غصہ، حصول مال اور اتباع خواہش سے پرہیز پر بیان۔
- صدق و اخلاص، درج، صبر، رضا اور شکر کا بیان، نفس اور خواہش نفس کی مخالفت۔
- دعا اور آداب دعا، طلب کی حقیقت اور توبہ کا بیان۔
- اولیاء اللہ کی علامات، سالک کے ذرائع اور سالک کے لئے بہت سی ہدایات کا بیان۔

ملاشیانے حق کے لئے گراتے قدر تحفہ

ایضاً کرم شہزادہ عظیم ہلالیہ کا ہر اور سب سے بڑا طلب کرنے کے لئے ہر فرقہ و ملت اور صحابہ کرام شوق و شہسوم کے لئے خوش آمد

لا جواب تحقیق
استغاثت
 صحت کے لئے اور صحت کے لئے

بہترین اور سب سے زیادہ
نور و روشنی
 مرتب ڈاکٹر نعیم مشتاق

پہلے امکان
 مکتبہ اسلامیہ
 لاہور

جزیل صحابہ
 نعت
 نواز عثمان

آج کی بہت بڑی اور بڑی بڑی
 مکتبہ ہر جگہ کی مکتبہ کی مکتبہ
گفتار کی مکتبہ
 زمانہ کار محمد فاروق شاہ شاہی
 جیسے جیسے جیسے جیسے

صحیفہ غوثیہ
قصیدہ غوثیہ
 مرزا الحاج امجد علی شاہ علی شاہی

بہترین اور سب سے زیادہ
جزیل صحابہ
 مکتبہ اسلامیہ
 لاہور

بہترین اور سب سے زیادہ
پہلے امکان
 مکتبہ اسلامیہ
 لاہور

بہترین اور سب سے زیادہ
تہذیب و تمدن
 مکتبہ اسلامیہ
 لاہور

آداب اہل بیت
آداب اہل بیت
 نواز عثمان

فہم قرآن
 مکتبہ اسلامیہ
 لاہور

بہترین اور سب سے زیادہ
قدم قدم
 مکتبہ اسلامیہ
 لاہور

بہترین اور سب سے زیادہ
شاد گنگا
 مکتبہ اسلامیہ
 لاہور

مناقب علی
 مکتبہ اسلامیہ
 لاہور

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز گنج بخش روڈ لاہور

از: امام شرف الدین عبدالؤمن بن خلف الدمیاطی

المتجر الرابع

قرب
الصالح
الصلوات

مترجم: امام محمد بن الدین بجاہ

مختلف اعمال کی فضیلت ان کے اجر و ثواب سے متعلق احادیث کا جامع اور مستند مجموعہ، احادیث کے پورے ذخیرے کا عطر اور نچوڑ، درسی حدیث دینے والے علماء، اعمال صالحہ انجام دینے کے خواہشمند حضرات، اور علوم نبوت سے انوار کے حصول کے طلبگاروں کے لئے

المتجر الرابع

ملفوظات

حضرة عبد العزیز دباغ

الابریز

بہترین
تشریحات

غوثِ وقت حضرت عبد العزیز دباغ کے ملفوظات کا مجموعہ جس میں طبیعت، مابعد طبیعت، اسرارِ خالق وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ایسے معارف اور تحقیقات جو اس کتاب کے علاوہ کہیں نہیں مل سکیں گی شریعتِ طریقت کی تعلیمات کی

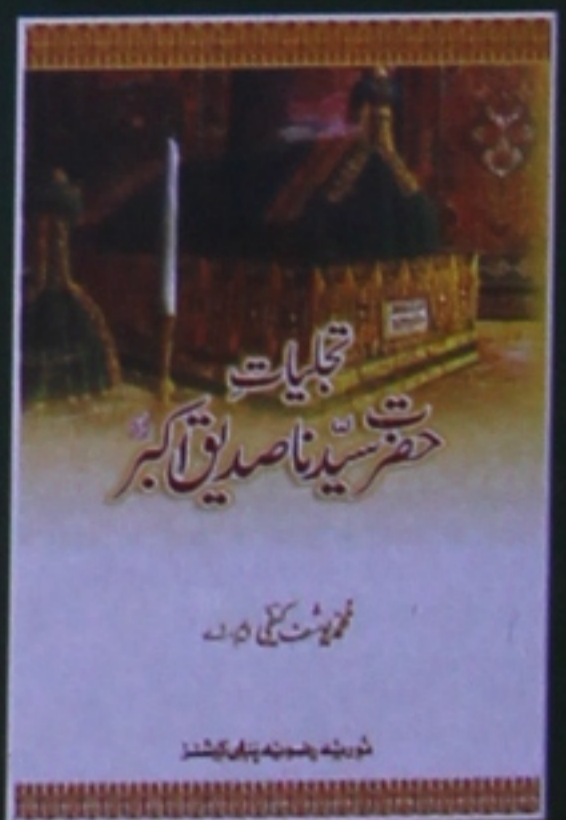
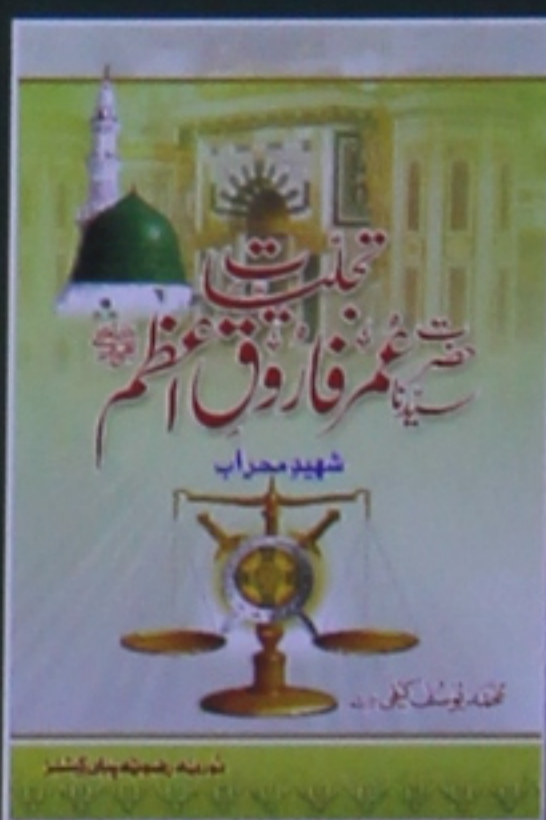
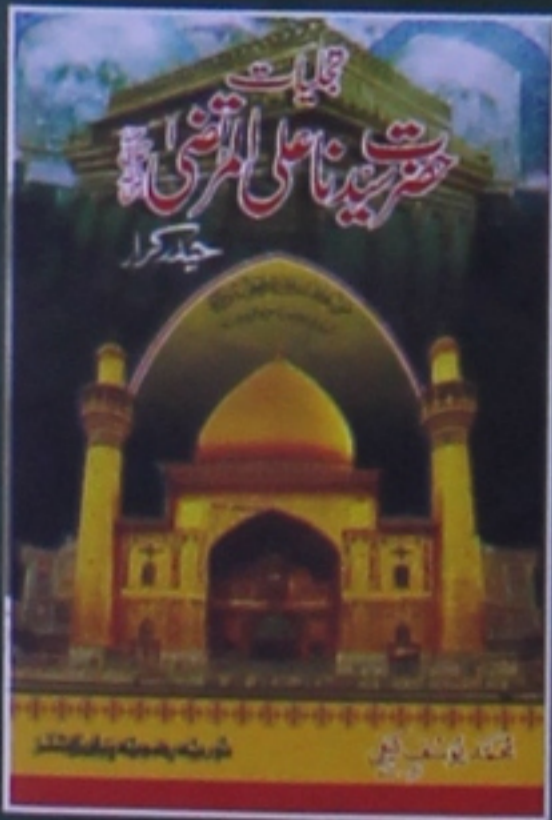
لطیف تصنیف: شیخ الفضلار
استاذ العلماء: حضرت علامہ محمد یار شاہ نقشبندی
تصنیف: شیخ الفضلار

فقہی مسائل کا مجموعہ

عطاء حریب

(سوال جواباً)

- فقہ حنفی کی مستند کتب کا مجموعہ
- ہر دن سے متعلق فرائض، واجبات، مستہبات کا ترتیب وار بیان
- ہر باب اور موضوع سے متعلق احادیث کا تذکرہ
- آسان، عام فہم، مطبوعات انسٹا
- فقہ کے تمام ابواب اور موضوعات پر محیط
- قرآن مجید کی آیات اور احادیث مبارکہ کا سلیس و روان ترجمہ
- کارکن کی سہولت کے لئے سوال و جواب کی شکل میں ترتیب
- مبتدی کے لئے مشعل راہ اور مستحق کے لئے بہترین مفادوں
- مجرب خدا کی محبوب آنت کے لئے شاندار تحفہ



نوریہ رضویہ پبلی کیشنز 11 داتا گنج بخش روڈ، لاہور

042-37313885, 37070663 E-mail: nooriarizvia@hotmail.com

